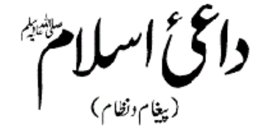
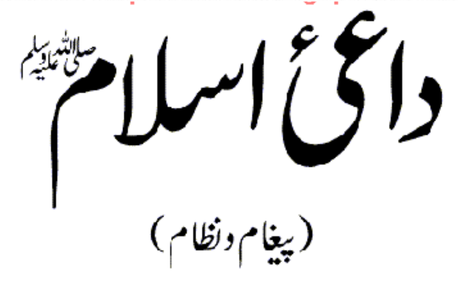

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ
کی تمام کتب میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی عالمی شہرت یافتہ کتاب
داعیٔ اسلام ﷺ
(پیغام و نظام)
urdukutabkhanapk.blogspot
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا
اور بلانے والا حق کی سمت اس کے حکم سے اور اِک روشن چراغ (اس بزمِ عالم کیلئے)
مترجم: پروفیسر خالد پرویز


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم


اردو کُتب خانہ
URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT


داعئ اسلام ﷺ
(پیغام و نظام)



(پیغام و نظام)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

مترجم
پروفیسر خالد پرویز

علی میاں پبلی کیشنز

20۔عزیز مارکیٹ، اُردو بازار لاہور پاکستان۔فون:37247414

Published by Ali Mian Publications, 20-Aziz Market, Urdu Bazar Lahore 042-37247414

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بار اول ــــــــــ 2010ء

فن پارہ (ٹائٹل) ــــــــــ علی اعجاز نظامی

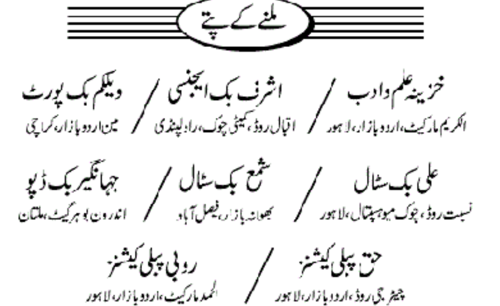
کمپوزنگ ــــــــــ محمد انور ساجد۔ عاطف رحمٰن

مطبع ــــــــــ اکرم پریس، لاہور

قیمت ــــــــــ 325 روپے

Price ــــــــــ 15 Pond uk

ISBN 978- 969-517-306-0



کتاب ہذا میں اللہ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ میں پوری احتیاط کی گئی ہے بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے از راہ کرم ادارہ کو مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں غلطی کو درست کر دیا جائے گا۔ شکریہ

انتساب

ربِ رحمٰن و رحیم کے نام
جس نے
مجھے لفظ اور قلم کی نعمتوں
سے سرفراز فرمایا!

پروفیسر خالد پرویز

حسنِ ترتیب

دُعا

میں نہ تو یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں ہوں اور نہ ہی عیسٰی علیہ السلام کے راز داروں میں ہوں۔
میں تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبگاروں میں ہوں۔ روزِ محشر جب رب رحمٰن ورحیم کے اذن سے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم قطار اندر قطار گنہگار و خطا کار اُمتیوں کی شفاعت فرمائیں گے تو میں بھی شفاعت کے امیدواروں میں ہوں کیونکہ گنہگاری و خطا کاری کا ''شرف'' مجھے بھی حاصل ہے۔

پرستاری کے ہنر سے آگاہی و آشنائی نہ ہونے کے باوجود اللہ کے پرستاروں میں ہوں۔ من موجی ہوں۔ جب کبھی جی چاہتا ہے تو رب غفار وستار کی بارگاہ میں حاضری لگوا لیتا ہوں بالکل اسی کام چور بچے کی طرح جو کلاس میں پڑھنے کے لیے نہیں صرف حاضری لگوانے کے لیے آتا ہے تاکہ لیکچر شارٹ نہ ہو جائیں لیکن میرے تو لیکچر بھی شارٹ ہیں اور امتحان کی تیاری بھی نہیں کی۔

مگر میرے اندر کا بچہ عجیب مزاج کا مالک ہے۔ خود طفل ہو کر مجھے ''طفل تسلیاں'' دیتا ہے کہ فکر مت کرو۔ رب تعالٰی کی رحمت سے نا اُمیدی گناہ ہے۔ رب علیم بذات الصدور کی ذات غفور و رحیم ہے۔ یہ رب کریم و عظیم کا کرم نہیں کہ اس نے تمہیں حرف ولفظ کی حرمت کی سعادت بخشی ہے؟ قلم کی قسم کھانے والے نے تمہارے ہاتھ میں نہ صرف قلم دیا ہے بلکہ قلم کو رواں دواں رکھنے کی توفیق بھی عطا کی ہے۔

اور پھر میں بچے کی باتیں سن کر بچوں کی طرح رب رؤف و رحیم سے دعا والتجا کرنے لگتا ہوں کہ یا رب قادر و قدیر! روزِ حساب میرا حساب کتاب لینے سے پہلے مجھے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب در کتاب لکھنے کا حکم دینا تاکہ میں لکھتا رہوں ..... لکھتا رہوں اور یوں روزِ حساب کا وقت گزر جائے اور پھر جب فرشتے کہیں کہ اس لکھاری کا حساب ابھی رہتا ہے تو رب تعالٰی فرمائیں کہ اسے بغیر حساب ہی بخش دیا جاتا ہے۔

میری اس آرزو پر میرے اندر کا بچہ، بڑوں کی طرح مجھ پر ہنستا ہے تو میں اسے کہتا ہوں کہ رب قادر و قدیر جو چاہے کر سکتا ہے۔ بتاؤ کیا رب غفور و غفار ایسا نہیں کر سکتا؟ بچہ کہتا ہے کہ بے شک رب وحدہٗ لاشریک ایسا کر سکتا ہے۔ اس نے تو خود کہا ہے کہ ''جب کوئی دعا مانگنے والا مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں......'' اور پھر میں خوشی سے لبریز ہو جاتا ہوں۔

خوشی کے اسی عالم میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ ؒ کی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دل نشیں و راحت آفریں کتاب "Introduction to Islam" کا ترجمہ پیش ہے۔ اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر

میرے خیال میں یہ انتہائی جامع کتاب ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ؒ نے اپنے تمام تر مطالعہ کا نچوڑ اور تحقیق کا عرق اس کتاب میں سمو دیا ہے۔

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اور رب رحمٰن و رحیم کے فضل و کرم سے میں نے ہر ممکن کوشش و کاوش کی ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ یہ امر زیرِ نظر رہے کہ کمپوزنگ میں بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور بار بار کی پروف ریڈنگ کے باوجود بھی رہ جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اگر دورانِ مطالعہ کسی ایسی بنیادی غلطی کا علم ہو تو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے مجھے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

آپ دعا کیجیے کہ رب کریم و عظیم اپنے کرم کی بارش مجھ سمیت ہم سب پر جاری و ساری رکھے۔

میری اس کاوش میں میری بیٹی راحیلہ خالد نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ رب کائنات اسے دین و دنیا کی ڈھیروں خوشیاں نصیب فرمائے۔

کتاب کے پبلشر عبدالغفار صاحب کا خصوصی شکریہ کہ جنہوں نے یہ کتاب آپ تک پہنچانے میں نعالیت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے پہلے علی میاں پبلی کیشنز سے شائع ہونے والی چار کتب بمہ قرآن درشان محمد ﷺ، ائمۂ حدیث، اللہ والے اور اولیاء اللہ قارئین میں پسندیدگی کی سند پا چکی ہیں۔

خلوص آگیں!
پروفیسر خالد پرویز
0300-6302548

حمد

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ
وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ
مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

(سورۃ لقمان: آیت 27)

"اور اگر ساری زمیں کے پیڑ بن جائیں قلم
اور سمندر کی سیاہی (بہر تسوید و رقم)
گو سمندر سات ہوں اس کی مدد کو اور بھی
پھر بھی باتیں ہو نہیں سکتیں تمام اللہ کی
صاحبِ حکمت ہے وہ، اور سب پہ غالب ہے وہی"

باب 1

داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ

1 بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایسے افراد کی کمی نہیں رہی جنہوں نے بلا شک و شبہ اپنی زندگیاں اپنی قوموں اور نسلوں کی مذہبی و معاشرتی فلاح و اصلاح کے لئے وقف کر دیں۔ وہ ہمیں زماں و مکاں کے ہر رنگ و انگ میں نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جنہوں نے دنیا کو وید (ہندوؤں کی مذہبی کتابیں) دیں جبکہ یہاں گوتم بدھ کی تعلیمات بھی تھیں۔ چین میں کنفیوشیس اور ایران میں پارسی سرگرم عمل تھے۔ بابل (قبل مسیح کی عظیم سلطنت) میں دنیا کے ایک عظیم مصلح و ہادی اور پیغمبر و رہبر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے (آپ علیہ السلام کے پیش رو پیغمبروں کے بارے میں ہم بات نہیں کرتے جیسے حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کہ جن کے متعلق ہم بمشکل کچھ معلومات رکھتے ہیں) یہودی شاید پیغمبروں کے ایک طویل سلسلے کے باعث بجا طور پر افتخار و اعزاز محسوس کرتے ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شموئیل علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

2 دو نکات از حد قابلِ ذکر و فکر ہیں۔ اول یہ کہ تمام مصلحین خدائی مشن کے دعویدار و علمبردار تھے اور انہوں نے اپنی اقوام کی اصلاح و فلاح کی خاطر ایسی مقدس کتابیں چھوڑیں جو ان کی رہبری و رہنمائی کے لئے ضابطہ ہائے حیات فراہم کرتی تھیں۔ دوم یہ کہ اس دور میں باہمی جنگ و جدال، قتل و غارت اور نسل کشی جیسے انتہائی اقدامات روزمرہ کا معمول بن گئے تھے جن کی وجہ سے خدائی مشن و مقصد اور تعلیمات و فرمودات کے فروغ و ترویج کو کبھی کم کبھی زیادہ اور کبھی مکمل نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا تعلق ہے ہم انہیں صرف نام کی حد تک جانتے ہیں جبکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف بار بار ضائع ہوئے تاہم ان کا کچھ حصہ محفوظ رہا۔

نظریہ خدا:

3 اگر کوئی نسلِ انسانی کے ارتقاء کا جائزہ و تجزیہ ماضی کی دریافت شدہ باقیات کی بنیاد پر کرنا چاہے تو اسے معلوم ہوگا کہ انسان ہمیشہ ایک بہت بڑی قوت و طاقت کی موجودگی محسوس کرتا رہا ہے جو تمام جہانوں کا

مالک اور جملہ مخلوق کا خالق ہے۔ طریقے اور نظریات چاہے مختلف ہوں لیکن ہر دور کے لوگوں نے اپنی ان کوششوں اور کاوشوں کے ثبوت چھوڑے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے لئے کیں۔ ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہنے والے ان دیکھے خدا سے رابطہ بھی تسلیم کیا جاتا رہا ہے جو انسانوں کے ایک مختصر طبقہ کو شریف النفس اور اللہ جل شانہٗ کی حمد وثنا کرنے والی اعلیٰ وارفع روحانی قوتوں کے ذریعے ممکن ہوا۔ خواہ اس رابطے نے خدائی کے زندہ نمونے کا روپ دھار لیا یا اپنے آپ کو وحی والہام یا عرفان و فیضان کے ذریعے خدائی پیغامات کی وصولی کا وسیلہ بنا لیا۔ بہر طور مقصد ومحور لوگوں کی رہبری و رہنمائی ہی تھا۔ یہ قدرتی امر رہا کہ کچھ نظاموں کی تشریحات وتوضیحات دوسرے نظاموں کی نسبت زیادہ موثر ومؤقر اور قائل و مائل آفریں ثابت ہوئیں۔

3 (الف) الہیاتی فکر وخیال کے حامل ہر نظام کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اصطلاحات اپنی وسعت وصلاحیت سے اس قدر زیادہ اہمیت ومقصدیت حاصل کر لیتی ہیں کہ ان کے تراجم اپنا مطلب ومفہوم کھو دیتے ہیں تاہم ایک طبقۂ فکر کے خیالات کو کسی دوسرے مکتبۂ فکر کے افراد کو سمجھانے کا کوئی اور طریقہ بھی نہیں ہے۔ خاص طور پر غیر مسلم قارئین کے لئے یہ عنصر ذہن نشین کرنا از حد ضروری ہے کیونکہ یہ ان کے لئے حقیقتاً وخالصتاً ایک ناگزیر مجبوری ہے۔

4 چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد انسان زندگی کے مختلف میدانوں میں پہلے سے زیادہ ترقی کر چکا تھا۔ اس وقت کچھ مذاہب کے پیروکار علی الاعلان یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا مذہب محض خاص زمانے اور لوگوں کے ایک خاص گروہ کے لئے مخصوص تھا کیونکہ یقیناً ان کے پاس نسلِ انسانی کی بیماریوں کے تدارک کے لئے اعلیٰ معیار اور ارفع سطح کا کوئی بھی حل موجود نہیں تھا۔ کچھ مذاہب ایسے بھی تھے جو عالمگیریت کے دعویدار تھے تاہم ان کے نظریہ کے مطابق انسان کی نجات محض اس امر میں تھی کہ وہ دنیا سے لاتعلق وقطع تعلق ہو جائے۔ یہ وہ مذاہب تھے جو محض مخصوص اور ممتاز وممیز یعنی بہت ہی کم تعداد کے افراد کے لئے تھے۔ ہمیں ان علاقوں کے بارے بات کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کہ جہاں سرے سے کوئی مذہب ہی نہیں تھا اور جہاں کفر والحاد اور مادیت پرستی کی حکمرانی تھی۔ جہاں ہر کسی پر کسی دوسرے کے حقوق تسلیم کرنے یا ان کا احترام کیے بغیر صرف اور صرف اپنی ہی خوشی وخوشنودی کا غلبہ تھا۔

عرب:

5 اہم نصف کرہ کے نقشے کا بغور مطالعہ اگر زمین اور سمندر کے باہمی تناسب کے نقطۂ نظر سے کیا جائے تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے اور یہ کہ اس وسیع وعریض براعظم عرب کا زیادہ تر علاقہ صحرا پر مشتمل تھا جہاں مستقل رہائش پذیر افراد کے ساتھ ساتھ خانہ بدوش بھی سکونت پذیر تھے۔ زیادہ تر یہی تھا کہ ایک ہی قبیلے کے لوگ انہی دو گروپوں میں منقسم تھے اور زندگی

کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ ایک ہی رشتہ میں منسلک تھے۔عرب میں ذرائع معاش ومعیشت ناکافی تھے کیونکہ صحرا کی اپنی کمزوریاں ومجبوریاں تھیں جبکہ تجارتی قافلوں کو زراعت یا صنعت کے برعکس زیادہ اہمیت وافضلیت حاصل تھی اور جب یہ صورتِ حال از حد گھمبیر ہوئی تو لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب سے شام، مصر، حبشہ، عراق، سندھ، انڈیا اور دوسرے علاقوں کا رُخ کرنا پڑا۔

6 یمن کو بجا طور پر عرب میں بنیادی اہمیت وحیثیت حاصل تھی ایک وقت ایسا تھا کہ یمن کو شیبا اور مدائن کی پنپتی تہذیبوں کا مرکز ومحور سمجھا جاتا تھا۔تب روم کے شہر کی بنیاد تک بھی نہیں رکھی گئی تھی۔ بازنطینیوں اور فارسیوں کی طرف سے مختلف صوبے چھینے جانے کے بعد عظیم یمن جو اپنے وجود کی بہاروں سے گزر رہا تھا اور عروج پر تھا ان گنت ریاستوں کی صورت بکھر گیا۔ یہاں تک کہ غیر ملکی حملہ آوروں نے اس کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا ایران کے ساسانی جو یمن میں سرایت کر چکے تھے پہلے ہی مشرقی عرب پر قبضہ کر چکے تھے۔دارالخلافہ قطیسفون میں سیاسی بدانتظامی اور معاشی ابتری تھی۔ جس کا عکس یمن کے تمام علاقوں میں نظر آتا تھا۔شمالی عرب بازنطینیوں کے زیر اثر آ چکا تھا اور اپنی مخصوص مشکلات ومسائل کے گرداب میں تھا۔صرف مرکزی عرب ہی غیر ملکی قبضوں کی اخلاقی پستی کے بداثرات سے محفوظ ومامون رہا تھا۔

7 مرکزی عرب کے اس محدود علاقے میں مکہ، طائف اور مدینہ ایسی تکون تھی جہاں رب رحمٰن ورحیم کا فضل وکرم نظر آتا تھا۔ مکہ ایک صحرائی علاقہ تھا جو پانی اور زراعت کی زمینی آسائشوں سے محروم ایک طرح سے افریقہ اور جلتے صحاریٰ کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہاں سے بمشکل پچاس میل کے فاصلے پر طائف، یورپ اور اس کی سردی ویخ بستگی کی تصویر پیش کرتا تھا۔شمال میں مدینہ، شام جیسے معتدل ایشیائی ممالک سے کم زرخیز نہیں تھا۔اگر موسم انسانی کردار پر اثر انداز ہوتا تو یہ مثلث جو عظیم نصف کرّہ کے درمیان میں ایستادہ تھی دنیا کے کسی اور علاقے کی نسبت زیادہ مؤثر ومؤقر ہوتی اور یہاں بابلی وکلدانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل نے جنم لیا، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔یوں مکی لوگ علاقائی اور نسلی اعتبار سے مدینہ اور طائف دونوں شہروں سے مکمل طور پر جڑے ہوئے تھے۔

مذہب:

8 مذہب کے اعتبار سے عرب بت پرستی کا شکار تھا۔صرف چند افراد نے عیسائیت، پارسیت اور ان جیسے دوسرے مذاہب اپنائے ہوئے تھے۔مکی لوگ اگرچہ ایک خدا کے نظریے پر کاربند تھے۔تاہم وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ بتوں کے پاس اتنی طاقت وصلاحیت ہے کہ وہ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں۔قابلِ تشویش اور حیران کن امر یہ تھا کہ وہ دوبارہ زندہ کیے جانے اور روز آخرت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔البتہ ان کے ہاں ایک خدا کے گھر کا حج کرنے کی رسم محفوظ تھی۔وہی کعبہ جو ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب قادر وقدیر کی مرضی ومنشاء سے تعمیر کیا تھا تاہم ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دوہزار سال کی دوری نے اس

مقدس رسم حج کو تجارتی میلے کی شکل میں بدل دیا تھا اور کافرانہ واحمقانہ بت پرستی کے موقع کی صورت اختیار کر کے بگاڑ پیدا کر دیا تھا۔ نتیجتاً اس سے کوئی اچھائی و بھلائی کی پیدائش وافزائش کی بجائے معاشرتی وروحانی جذبہ ورویہ کے ساتھ ساتھ ان کی سماجی واخلاقی اقدار بھی تباہ و برباد ہو رہی تھیں۔

معاشرہ:

9 قدرتی وسائل میں تقابلی قلت کے باوجود تکون (مکہ، طائف، مدینہ) کے تینوں نقاط میں مکہ مکرمہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ تینوں میں سے صرف مکہ ہی شہری ریاست تھی جس کا دس خاندانی سربراہوں کی کونسل کے ذریعے حکومتی نظام تھا۔ کونسل کا ہر رکن واضح مساوی اختیارات کا حامل تھا۔ ان ارکان میں وزیر امور خارجہ، وزیر محافظتِ بت کدہ، وزیر دارالاستخارہ، نگران وزیر امور عباداتِ بت کدہ، وزیر تعین ادائیگی از ضمن نقصانات، وزیر امور میونسپل کونسل، وزیر نفاذ فیصلہ جات پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ وزیر دفاع بھی تھا کہ جس کی ذمہ داریوں میں فوجی معاملات یعنی پرچم کی حفاظت، فوجی دستوں کی قیادت اور اسی نوع کے دوسرے اقدامات شامل تھے۔ قافلوں کے مشہور و معروف رہنماؤں کی حیثیت سے مکہ والے پڑوسی سلطنتوں مثلاً ایران، باز نطینہ اور حبشہ کے ساتھ ساتھ ان قبائل سے کہ جہاں سے قافلے گزرتے تھے آمدورفت کے ہمرکاب درآمد برآمد کا کاروبار کرنے کے لئے معاہدے کر سکتے تھے۔ وہ غیر ملکیوں کو اپنے ملک عرب یا اپنے حلیف قبائل کے علاقوں سے آمدورفت کے دوران حفاظتی دستے بھی فراہم کرتے تھے۔ (ابن حبیب، ''محبّر'') اگرچہ وہ خیالات ونظریات اور دستاویزی ریکارڈ محفوظ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے تاہم انہوں نے ذوق و شوق کے ساتھ آرٹ اور ادب مثلاً شاعری، خطبات اور لوک داستانوں کی ترویج وترقی میں کردار ادا کیا۔ عورتوں سے عمومی طور پر اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کو جائیداد رکھنے کا حق حاصل تھا۔ وہ اپنی شادی کے معاملات ومعاہدات میں اپنا مشورہ دے سکتی تھیں حتیٰ کہ اپنے شوہروں کو طلاق دینے کی شرط کا بھی اضافہ کر سکتی تھیں۔ بیوہ یا طلاق یافتہ ہونے کی صورت میں وہ دوبارہ شادی کر سکتی تھیں اگرچہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا فعل کچھ علاقوں میں موجود تھا لیکن یہ عمل شاذ و نادر ہی تھا۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک:

10 یہ انہی حالات واثرات کے ایام کے دوران کا واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم 569 عیسوی میں عالم ہست و بود میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کچھ ہفتے قبل وفات پا گئے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کا ذمہ لیا۔ اس وقت کے رواج کے مطابق کسی بدوی رضاعی ماں کو بچے کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری دی جاتی تھی۔ جس کے ساتھ وہ اپنے ابتدائی کچھ سال صحرا

میں گزارتا تھا۔ تمام سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ کم سن پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی ماں کے سینہ کے ایک جانب سے دودھ پیا تا کہ دوسری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی اپنی حیات کی بقا کے لئے غذا حاصل کر سکے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعی ماں کے پاس ٹھہرنے کے کچھ عرصہ بعد اپنے گھر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ داروں سے ملانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دینے کے لئے مدینہ لے گئیں۔ واپسی کے سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ اچانک مالک حیات و ممات کو پیاری ہو گئیں۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے دادا عبدالمطلب کی وفات کی صورت میں ایک اور محرومی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض آٹھ سال کی عمر میں ان محرومیوں کا مقابلہ کیا۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت ابو طالب کی محبتوں کے سائے میں آ گئے۔ جو کہ فطرتاً انتہائی شریف النفس انسان تھے تاہم ان کے پاس ہمیشہ وسائل کی کمی رہتی تھی اور وہ اپنے خاندان کو بھی بمشکل پالنے کے قابل تھے۔

(11) یہی وجہ تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کم سنی میں جلد ہی روزی کمانا شروع کرنا پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند پڑوسیوں کے ہاں کم عمر معاون چرواہے کی حیثیت سے کام کرتے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال تھی جب حضرت ابو طالب ایک قافلے کی رہنمائی کے لئے شام روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمرکاب تھے۔ حضرت ابو طالب کے اور سفروں کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس بات کے حوالے ملتے ہیں کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں ایک دکان قائم کی۔ (ابن قتیبہ ''معارف'') ہوسکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کاروبار میں بھی اپنے چچا کی معاونت کی ہو۔

(12) ہفتے مہینوں اور مہینے سالوں میں بدلے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پچیس برس کی عمر کو پہنچے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں اپنے قول کی سچائی و دیانتداری اور کردار کی بلندی و پختگی کی وجہ سے مشہور و معروف ہو چکے تھے۔ ایک امیر بیوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تجارت میں معاون بنالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مال کی فروخت کی خاطر ملک شام جانے کا کہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس سے جو غیر معمولی منافع ہوا اس سے خوش ہو کر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور خصائل سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اختلافی معلومات و حوالہ جات کے مطابق اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 28 یا 40 سال تھی۔ طبی و طبعی وجوہات 28 سال کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے پانچ اور بچوں کو جنم دیا۔ یہ بندھن خوش کن و خوشگوار ثابت ہوا۔ بعد میں، بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حبشہ (یمن) کے میلے میں نظر آتے ہیں اور کم از کم ایک دفعہ عبدالقیس (بحرین، عمان) کے ملک میں تشریف لے جاتے ہیں۔ (بحوالہ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) یہ سب دبا (عمان) کے میلے کی طرف اشارہ ہے

جہاں ابن الکلبی کے مطابق ہر سال چین اور ہند وسندھ (انڈیا، پاکستان) کے ساتھ ساتھ فارس اور مشرق و مغرب کے تمام تجارت کار زمینی اور سمندری سفر کے ذریعے اکٹھے ہوتے تھے۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک تجارتی ساتھی کا بھی ذکر ملتا ہے۔ یہ شخص کہ جس کا نام صہیب تھا کہتا ہے کہ "ہم ایک دوسرے پر اعتبار کرتے تھے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی قافلے کی سربراہی کرتے تو مکہ واپسی پر تب تک اپنے گھر داخل نہ ہوتے جب تک میرے ساتھ حساب کتاب بے باق نہ کر لیتے اور اگر میں قافلے کی سربراہی کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری واپسی پر میرے نفع کے متعلق تو پوچھتے مگر اپنا حصہ جو میرے پاس ہوتا اس کے بارے بات تک نہ کرتے۔"

کمزوروں کی مدد و معاونت:

13 غیر ملکی تجارت کار اکثر اپنا مال مکہ میں فروخت کرنے کے لئے لاتے تھے۔ ایک دن کسی یمنی نے (جو زبید قبیلے کا تھا) چند مکیوں کے خلاف طنزیہ وہجویہ نظم لکھی ایک تو وہ جو اس سے خریدی گئی اشیاء کی قیمت ادا کرنے سے انکاری تھے دوسرے وہ جنہوں نے اس کے دعوے کی حمایت نہیں کی تھی یا اس کی مدد کرنے میں ناکام رہے تھے جب وہ زیادتی کا شکار ہوا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کے سربراہ تھے جب انہوں نے اس منصفانہ طنز کو سنا تو انہوں نے اس پر شدید ندامت کا اظہار کیا۔ انہوں نے شہر کے اکابرین کو ایک ملاقات کے لئے بلوایا اور بے سہاروں کی مدد کے لئے ایک تنظیم بنائی، جسے حلف الفضول کا نام دیا گیا۔ مکہ میں موجود مظلوم افراد کی دادرسی اور مدد و معاونت کے مقصد کے تحت (بلالحاظ مقام وشہر یعنی چاہے وہ اس شہر میں بسنے والے ہوں یا غیر ملکی ہوں) یہ تنظیم بنائی گئی۔ نوجوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس تنظیم کے ایک سرگرم فعال رکن بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعد کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ "میں نے اس میں حصہ لیا اور میں اس نمایاں اعزازی ذمہ داری کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں چاہے مجھے اونٹوں کا ایک گلہ ہی کیوں نہ دے دیا جائے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے آج بھی اس عہد و پیمان کے حوالے سے استدعا کرے تو میں اس کی امداد واعانت کرنے میں سرعت سے کام لوں گا۔"

مذہبی شعور کا آغاز

14 پینتیس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہبی اعمال وافعال بارے کوئی زیادہ معلومات تاریخ کا حصہ نہیں سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی۔ اس بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سوانح نگاروں نے ثبوت پیش کیے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکہ میں چند دوسرے افراد بھی تھے جو اسی طرح احمقانہ کفر والحاد اور بت پرستی کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور انہوں نے کعبہ کے متعلق اپنی وفاداری قائم رکھی ہوئی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اللہ کے نام پر تعمیر کیا تھا۔

15 605 عیسوی میں ایک افسوسناک واندوہناک واقعہ ہوا۔ وہ غلاف جو کعبہ کی بیرونی دیواروں کے گرداگرد لپٹا ہوا تھا جل گیا۔ کعبہ کی عمارت بھی اس قدر متاثر ہوئی کہ وہ بعد میں آنے والی موسلادھار اور تیز رفتار بارشوں کی شدت برداشت نہ کرسکی چنانچہ کعبہ کی تعمیر دوبارہ شروع کی گئی۔ ہر فرد نے اس میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیا اور صرف امانت دار و دیانت دار حامیوں اور دوستوں کے تحائف قبول کیے گئے۔ ہر کسی نے اپنی بساط کے مطابق تعمیر کے کام میں حصہ لیا۔ اس دوران حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کھردرے دنو کیلے پتھروں کی نقل و حمل میں زخمی ہو گئے۔ حجرِ اسود اگرچہ سابقہ تعمیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کعبۃ اللہ میں نصب کیا تھا مگر اب اس سیاہ پتھر کو دیوارِ کعبہ میں نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو مکہ معظمہ کے باسیوں میں یہ اعزاز حاصل کرنے کے حوالے سے شدید مخالفت سامنے آئی حتیٰ کہ خون ریزی کا خطرہ پیدا ہوگیا تو کسی مدبر شخص نے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑنے کا مشورہ دیا چنانچہ سبھی اس بات پر متفق ہوئے کہ جو شخص اگلی صبح کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہوگا اسی کی ثالثی قبول و منظور کی جائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول کعبۃ اللہ سب سے پہلے پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الامین (دیانت دار) کے لقب سے مشہور تھے اور ہر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کی ایک چادر زمین پر بچھائی، پتھر کو اس کے اوپر رکھا اور شہر کے تمام قبیلوں کے سرداروں کو وہ چادر اکٹھے پکڑ کر مقررہ جگہ تک لے جانے کو کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتھر اپنے ہاتھوں سے اس کی مناسب وموزوں جگہ پر عمارت میں نصب کر دیا اس طرح ہر ایک قبیلہ مطمئن ہوگیا۔

16 اب وہ لمحہ آتا ہے کہ جب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی مراقبہ ومجاہدہ میں زیادہ سے زیادہ مصروف ومشغول دیکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کی طرح رمضان کے پورے مہینے میں ایک غار جبلِ نور (روشنی کا پہاڑ) میں خلوت نشین ہو جاتے ہیں۔ اس غار کو غارِ حرا یا تحقیق وجستجو کی غار بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت وریاضت کرتے ہیں مراقبہ ومجاہدہ کرتے ہیں اور اپنی اشیائے خورد ونوش ناکافی ہونے کے باوجود وہاں سے گزرنے والے ضرورت مند مسافروں میں بانٹتے ہیں۔

وحی:

17 آپ صلی اللہ علیہ وسلم 40 سال کے تھے اور یہ گوشہ نشینی وخلوت نشینی کا مسلسل ومتواتر پانچواں سال تھا۔ جب ایک رات ماہ رمضان کے آخری ایام میں ایک فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اعلان کیا کہ مالک کون ومکاں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کے لئے اپنا پیامبر وپیغمبر منتخب کرلیا ہے۔ فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کا طریقہ، خدا کی پرستش کا سلیقہ اور نماز کی ادائیگی کے آداب بتائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب علیم وخبیر کی جانب سے یہ پیغام بھی پہنچایا:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ‏ ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ‏ ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۙ‏ ﴿۳﴾ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِۙ‏ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡؕ‏ ﴿۵﴾

(سورۃ العلق، آیات: 1 تا 5)

ترجمہ ''پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا فیاض ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

18 اس واقعہ سے سخت متاثر و متعجب ہو کر رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس لوٹے تو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیتا تھا سب اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا اور خوف و اندیشہ کا اظہار کیا کہ شاید یہ سب شیطانی فعل ہو۔ بدروحوں کا کوئی عمل ہو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر کسی سے فیاضی و سخاوت سے پیش آتے ہیں اور شفیق و رفیق شخصیت کے مالک ہیں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت و حاجت مندوں کی مدد کرتے رہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بُرائیوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔

19 پھر وحی کے نزول میں طویل وقفہ آیا جو تین سال پر محیط تھا۔ اولاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور اس کا دُکھ و رنج ہوا ہو گا پھر قدرے سکون اور پھر شدید آرزو و انتظار کے عرصہ کے دوران بڑھتی ہوئی بے چینی و بے قراری نے یاسیت کا روپ دھار لیا۔ پہلے نظارہ و واقعہ کی خبر پھیل چکی تھی۔ چنانچہ درمیانی طویل وقفہ کے دوران شہر کے شکی وطنزیہ مزاج لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیہودگی پر اُتر آئے۔ انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) چھوڑ دیا ہے۔

20 انتظار کے ان تین سالوں کے دوران حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو روحانی عبادت و ریاضت میں زیادہ سے زیادہ مصروف و مشغول کر لیا۔ وحی کا نزول دوبارہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ‏ ﴿۳﴾ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰىؕ‏ ﴿۴﴾ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ‏ ﴿۵﴾ اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰىؕ‏ ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡيَتِيۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡؕ‏ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡؕ‏ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

(سورۃ الضحیٰ، آیات: 3 تا 11)

ترجمہ ''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے نہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑا ہے۔ اور نہ بیزار ہوا ہے اور البتہ آخرت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے دنیا سے بہتر ہے۔ اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (اتنا) دے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خوش ہو جائیں گے۔ کیا اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یتیم نہیں پایا تھا پھر جگہ دی۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (شریعت سے) بے خبر پایا پھر (شریعت کا) راستہ بتایا۔ اور اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا۔ پھر یتیم کو دبایا نہ کرو اور سائل کو جھڑکا نہ کرو اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو۔''

درحقیقت یہ تبلیغ و تلقین کے لئے ایک حکم تھا۔ ایک اور وحی میں معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

(سورۃ المدثر، آیات: 2 تا 7)

ترجمہ ''اٹھو پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور میل کچیل دور کرو اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لئے صبر کرو۔''

تاہم ایک اور وحی میں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝

(سورۃ الشعراء، آیت: 214)

ترجمہ ''اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

اور مزید یہ کہ:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝

(سورۃ الحجر، آیات: 95,94)

ترجمہ ''پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھول کر سنا دیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکوں کی پروا نہ کریں۔ بے شک ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کے لئے کافی ہیں۔''

ابن اسحٰق کے مطابق پہلی وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تب آئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے

ظاہر ہے کہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویش و اندیشہ کو کم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ بعد میں ہر وحی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ان اوقات میں نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل عالم بیداری میں ہوتے تھے۔

تبلیغ:

21 داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی دوستوں سے خفیہ طور پر کیا۔ پھر اپنے قبیلے کے لوگوں سے مخاطب ہوئے اور اس کے بعد شہر اور اس کے مضافاتی علاقوں میں اعلانیہ تبلیغ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدائے مطلق پر ایمان لانے، دوبارہ زندہ کیے جانے اور روزِ جزا و سزا کی حقانیت پر زور دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فیاضی و سخاوت اور فراخدلی و رحم دلی کی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نازل شدہ الہامی کلمات کو دستاویزی شکل میں محفوظ کرنے کے لئے ضروری اقدامات کیے اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ ان آیاتِ قرآنی کو زبانی یاد کریں۔ چونکہ قرآن مجید ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا۔ بلکہ موقع و محل کے مطابق مختلف حصوں کی شکل میں نازل ہوا۔ اس لئے آیاتِ ربانی کو سینوں میں محفوظ کرنے کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حیاتِ مبارکہ کے دوران جاری و ساری رہا۔

22 خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بھی روز بروز شدت اختیار کرتی گئی خصوصاً ان لوگوں کی مخالفت جو اپنے آباؤ اجداد کے عقیدہ سے مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ مخالفت اخلاقی حدود و قیود کو توڑتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے لئے جسمانی اذیت کی شکل اختیار کر گئی۔ ان پیروکاروں کو جلتی ریت پر لٹا کر گرم سرخ لوہے سے داغ جاتا اور ان کے پاؤں بیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے۔ ان میں سے کچھ ان مظالم و مصائب کے باعث شہید ہو گئے تاہم ان میں سے کسی نے بھی دینِ اسلام نہیں چھوڑا۔ افسردگی و غم زدگی کے اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اپنا آبائی شہر چھوڑنے اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی نصیحت کی کہ ''جہاں ایک انصاف پسند بادشاہ حکومت کرتا ہے اور جس کی سلطنت میں کوئی بھی ستم رسیدہ و مظلوم نہیں ہے۔'' (ابن ہشام)۔ درجنوں مسلمانوں نے اس نصیحت سے فائدہ اٹھایا۔ تاہم سب لوگ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس خفیہ ہجرت نے ان لوگوں کی تکالیف میں اضافہ کر دیا جو پیچھے رہ گئے تھے۔

23 نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کو ''اسلام'' کہا یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و منشاء پر سر تسلیم خم کرنا۔ اس کی دو امتیازی خصوصیات ہیں۔ 1 دنیاداری اور روحانیت یعنی جسم اور روح میں توازن اور ہم آہنگی کا قیام یعنی ربِ قادر و قدیر کی تخلیق کردہ تمام اشیاء سے بحسن و خوبی لطف اُٹھانے کی اجازت۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف، آیت:32)

ترجمہ ''کہہ دو اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور کس نے کھانے کی صاف ستھری چیزیں (حرام کیں)۔ کہہ دو دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی اسی طرح ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی ادائیگی مثلاً عبادت و ریاضت، صدقہ وخیرات اور نماز، روزہ وغیرہ۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام ہر قسم کے افراد کا دین تھا محض منتخب افراد کے لئے مخصوص نہیں تھا۔
❷ دعوت کی عالمگیریت یعنی فرقہ یا نسل یا زبان کی تمیز و تفریق کے بغیر تمام مومن و مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور مساوی حقوق کے مالک ٹھہرے۔ صرف ایک برتری جو اسلام پہچانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

(سورۃ الحجرات، آیت:13)

ترجمہ ''اے لوگو ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔''

معاشی ومعاشرتی مقاطعہ:

﴿24﴾ جب مکہ مکرمہ کے مسلمان ایک بڑی تعداد میں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تو کافروں کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ والوں سے آخری مطالبہ یہ کیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر قسم کا قطع تعلق کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کر دیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں۔ قبیلہ کے ہر فرد نے چاہے وہ

مسلم تھا یا غیر مسلم اس مطالبہ کو مسترد کر دیا (ابن ہشام)۔ اس پر شہر بھر کے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ کے ساتھ قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا۔ کوئی بھی ان سے بات نہیں کر سکتا تھا نہ ہی تجارتی و معاشی روابط رکھ سکتا تھا اور نہ ہی خاندانی و معاشرتی رشتہ داری قائم کر سکتا تھا۔ عرب قبائل کے گروپ جنہیں احابیش کہتے تھے مکہ کے مضافاتی علاقوں میں رہائش پذیر تھے اور مکہ والوں کے ساتھی و حلیف تھے وہ بھی اس معاشرتی مقاطعہ میں شامل ہو گئے تا کہ معصوم و مظلوم مسلمانوں (جن میں بچے، مرد اور عورتیں، بوڑھے، بیمار اور کمزور افراد بھی شامل تھے) کو سخت کسمپرسی کی حالت تک پہنچا سکیں۔ کچھ لوگ شہید ہو گئے تاہم کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو چھوڑ دیا اور کافروں کے ساتھ اس بائیکاٹ میں شریک ہو گیا۔ تین خوفناک سالوں کے بعد کہ جن کے دوران مسلمانوں کو اشیائے خورد و نوش کی عدم دستیابی کی بناء پر جانوروں کی کھالوں کے ٹکڑے تک چبانا پڑے چار یا پانچ انسانیت دوست غیر مسلموں نے باضابطہ طور پر علی الاعلان اس غیر منصفانہ معاشی و معاشرتی مقاطعہ کو ختم کر دیا۔ اسی دوران کعبہ میں لٹکائی گئی دستاویزِ مقاطعہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق دیمک نے مکمل طور پر چاٹ کھائی تھی۔ اب اس میں اللہ (جل شانہ) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں کے علاوہ کچھ نہیں بچا تھا۔ بائیکاٹ ختم کر دیا گیا، تاہم بھوک و افلاس و محرومی کے باعث جو تکالیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور چچا ابو طالب (سردار قبیلہ) نے برداشت کی تھیں اس کی وجہ سے جلد ہی دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور چچا ابولہب جو اسلام کا بدترین و شدید ترین دشمن تھا۔ اب قبیلے کی سرداری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ (ابن ہشام "سیرت")

معراج شریف:

(25) یہی موقع تھا جب سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی سعادت حاصل ہوئی۔ رب وحدہٗ لاشریک نے آسمانوں پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی علاقوں کے حیرت انگیز عجائب دیکھے۔ واپسی پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی صورت میں خدائی تحفہ لے کر آئے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان راز و نیاز پر مشتمل تھا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے مسلمان عبادت کے دوران نماز کے آخری حصہ میں رب تعالیٰ کے سامنے علامت کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب کے پیروکار مادی اشیاء پیش کرتے تھے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے موقع پر جن خوش کن باتوں کا تبادلہ ہوا وہ یہ ہے۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ

ترجمہ ''اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر رب تعالیٰ کی پاکیزہ اور پُر نعمت تسلیمات ہوں۔ امن وسلامتی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمرکاب ہو۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنایتیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہوں۔ سلامتی ہمارے ہمرکاب بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کے ہمرکاب بھی۔''

عیسائیت میں ''راز و نیاز'' کی اصطلاح خدا کی شراکت پر لاگو ہوتی ہے۔ اسے بہتر و معتبر نہ جانتے ہوئے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کے لئے ''معراج'' کا لفظ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی رہے گا اور انسان ہمیشہ انسان ہی رہے گا اور ان دونوں میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔

﴿26﴾ اس آسمانی وسماوی ملاقات کی خبر نے مکہ کے کافروں کے جارحانہ عزائم میں مزید شدت وحدت پیدا کر دی نتیجتاً رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آبائی شہر کو خیر باد کہہ کر کہیں اور پناہ گاہ تلاش کرنا پڑی۔ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماموؤں کے پاس طائف گئے لیکن طائف کے شریر و شرارتی لوگوں کی وجہ سے جلد ہی مکہ واپس آ گئے۔ ان بدنیت و بدطینت افراد نے شہر کے باہر تک پتھروں کی بوچھاڑ کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح پیچھا کیا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا۔

مدینہ منورہ کی جانب ہجرت:

﴿27﴾ کعبۃ اللہ کے سالانہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں عرب کے تمام مقامات سے لوگ آ کر جمع ہوتے تھے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے بعد دوسرے قبیلے کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش وکاوش کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ فراہم کریں اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاحی واصلاحی مشن کو جاری وساری رکھنے کے لئے حمایت واجازت فراہم کریں۔ پندرہ نمائندہ قبائل نے جن سے داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے باری باری گفت وشنید کی تھی، کم وبیش سفاکانہ طریقے سے انکار کر دیا لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مایوس و ناامید نہ ہوئے۔ بالآخر ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے آدھ درجن باشندوں سے ملاقات کی جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پڑوسی ہونے کے باعث اور چند پیغمبروں کے فرمودات اور الہامی پیغامات کے بارے علم رکھنے کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ ''وہ لوگ جن کے پاس الہامی کتب موجود ہیں۔ ایک ایسے پیغمبر کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں جو آخری مصلح و نبی ہوگا'' پس ان مدنی لوگوں نے دوسروں پر سبقت لے جانے کی خاطر اس موقع کو غنیمت جانا اور فوراً اسلام قبول کر لیا اور مدینہ کی طرف سے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ اور ضروری مدد و معاونت کا وعدہ کیا۔ اگلے سال ایک درجن مزید نئے مدنی افراد نے داعیٔ

اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں تبلیغ کی خاطر ایک نمائندہ مبلغ و معلّم فراہم کرنے کی درخواست کی۔ مبلغ و معلّم حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا نمائندہ تبلیغی مشن کامیاب و کامران رہا اور وہ 73 نئے نومسلموں کے گروہ کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ لے آئے۔ ان نومسلموں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی ساتھیوں کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ساتھ رشتہ داروں جیسا سلوک کرنے کا وعدہ کیا۔ خفیہ طریقے سے اور چھوٹے گروہوں کی شکل میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مدینہ کی طرف ہجرت کر گئی۔ اس پر مکہ کے کافروں نے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھیراؤ کر لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اب ہادیٔ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھر پر قیام کرنا ناممکن ہو گیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن سے مخالفت و مخاصمت کے باوجود کفار مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری دایمان داری پر مضبوط و مستحکم یقین و اعتماد تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بہت سے کافر اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کرواتے تھے۔ اب امین اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام امانتیں اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور انہیں یہ امانتیں ان کے حقیقی مالکان کو واپس کرنے کی ہدایات دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طریقے سے اپنے وفادار دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں اپنا شہر چھوڑ دیا اور بہت سی مہمات سر کرنے کے بعد دونوں دوست بہ امن و حفاظت مدینہ منورہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ واقعہ 622 عیسوی میں ہوا اور اسی ہجرت سے ہجری سن اور ہجری کیلنڈر کا آغاز ہوا۔

قومی تنظیمِ نو:

28 رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بے دخل و بے وطن مہاجرین کی بہتر آباد کاری کے لئے مدینہ کے متمول افراد اور مہاجرین دونوں کی مساوی تعداد کے مابین بھائی چارہ، میثاق اخوت و معاونت اور رشتۂ مؤاخات قائم کر دیا۔ میثاقِ واخوتی بھائیوں کے ہر جوڑے کے خاندان مل جل کر روزی کماتے تھے اور کارِ حیات میں ایک دوسرے کی اعانت و معاونت کرتے تھے۔

29 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ انسان کی مکمل ترقی اسی صورت ممکن ہو گی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب اور سیاست دونوں کو ایسے مربوط کریں کہ جیسے ایک چیز کے دو لازمی جزو ہوں۔ اس مقصد کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقے کے مسلم نمائندوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم باشندوں کو بھی دعوت دی جن میں عربی، یہودی، عیسائی افراد کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں ایک شہری ریاست کے قیام کا مشورہ دیا۔ ان سب لوگوں کے مشورے سے

مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کو ایک تحریری و دستاویزی آئین دیا۔ جو کہ دنیا میں اپنی نوع کا پہلا آئین تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہریوں اور ریاست کے سربراہ دونوں کے حقوق و فرائض صریحاً بیان فرما دیئے تھے۔ رہبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کارکردگی کو اتفاق رائے سے سراہا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ آئین کا متفقہ خیر مقدم کیا گیا جبکہ پرائیویٹ انصاف کے رواج کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد انصاف کی فراہمی شہریوں کی مرکزی تنظیم کی ذمہ داری بن گئی۔ اس آئینی دستاویز میں دفاع اور وزارتِ خارجہ کے رہنما اصول بھی بیان کر دیئے گئے۔ بھاری ذمہ داریوں کے ضمن میں ''معاقل'' کے عنوان سے مالیاتی معاونت و تحفظ کا نظام بھی وضع کیا گیا یہ تسلیم کیا گیا کہ تمام معاملات و اختلافات میں ہادیٔ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ آخری و حتمی ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کردہ قانون سازی کے اختیارات لامحدود ہوں گے۔ مذہبی آزادی کو مکمل وضاحت و صراحت سے تسلیم کیا گیا۔ خاص طور پر یہودیوں کے لئے کہ جن کو دنیاوی زندگی کے تمام معاملات میں آئین کے تحت مسلمانوں کے ساتھ برابری کا حق دیا گیا۔ (ملاحظہ: ''داعیٔ اسلام'' پیراگراف 303)

30 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ قبیلوں کے دل جیتنے اور ان کے ساتھ اتفاق اور باہمی اتحاد و امداد کے معاہدات کرنے کے خیال و نظریہ سے کئی دفعہ سفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کی مدد و معاونت سے مکہ کے کافروں پر معاشی دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ جنہوں نے مہاجرین کے اموال اور جائیدادیں ضبط کر رکھی تھیں اور انہیں بے حد و حساب نقصان بھی پہنچایا تھا۔ مکی قافلوں کی مدینہ کے علاقوں سے نقل و حمل اور آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا کرنے سے کفارِ مکہ مشتعل ہوئے اور یوں ایک خونی کشمکش شروع ہوگئی۔

31 قوم کے مادی مفادات کے ضمن میں روحانی پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مدینہ کی جانب ہجرت کو ایک سال بمشکل گزرا ہوگا جب ربانی احکامات میں سے سب سے مشکل اور صبر طلب حکم یہ جاری کیا گیا کہ ہر مسلمان بالغ مرد اور عورت مکمل ماہ رمضان کے ہر سال روزے رکھیں۔

کفر و الحاد اور بغض و تعصب کے خلاف جہاد:

32 مکہ والے اپنے ہم وطن مسلمانوں کی جلاوطنی اور اخراج و ہجرت سے بھی مطمئن نہ ہوئے بلکہ انہوں نے اہلِ مدینہ کو الٹی میٹم بھیجا کہ یا تو وہ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو مکہ والوں کے حوالے کر دیں یا پھر انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیں لیکن نتیجتاً ان کی یہ تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ چند ماہ بعد 2 سن ہجری میں مکہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک طاقتور فوج بھیجی جس نے بدر کے مقام پر مسلمانوں سے جنگ کی، کفار کو مسلمانوں کے مقابلے میں تعداد میں تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود شکستِ فاش ہوئی۔ ایک سال کی تیاری کے بعد مکہ والوں نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ پر

دوبارہ حملہ کر دیا۔ اب کفار کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ اُحد کے مقام پر ایک خونی مڈبھیڑ کے بعد دشمنوں کی دوسری کوشش غیر فیصلہ کن ثابت ہوئی کیونکہ مکی فوج میں موجود کرائے و بھاڑے کے سپاہی نہ تو اپنی جان جوکھوں میں ڈالنا چاہتے تھے اور نہ ہی اپنی سلامتی کے حوالے سے کوئی خطرہ مول لینا چاہتے تھے۔

33 اسی دوران مدینہ کے یہودی شہریوں نے بھی مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کرنا شروع کر دیں۔ بدر کی فتح کے فوراً بعد مدنی یہودیوں کا ایک سردار، کعب ابن الاشرف، کافروں کو اپنے میثاق و معاہدہ کی مزید یقین دہانی وضمانت کی خاطر مکہ پہنچا اور کفار مکہ کو انتقامی جنگ کے لئے اُکسایا۔ اُحد کی لڑائی کے بعد اسی سردار کے قبیلے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بُرج کے اوپر سے چکی کا پاٹ پھینک کر دھوکے سے (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علاقے کا دورہ کرنے گئے ہوئے تھے۔ اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے منقولہ اموال ساتھ لینے اور غیر منقولہ جائیداد فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو دیئے گئے اپنے قرض واپس لینے کے بعد مدینہ منورہ مکمل طور پر چھوڑ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازحد بُردباری اور تحمل نے اُمید کے برعکس اثر دکھایا۔ جلاوطنوں نے نہ صرف مکہ والوں سے رابطہ کیا بلکہ مدینہ کے مغربی، جنوبی اور مشرقی قبائل کو متحرک کیا کہ وہ اپنی فوجوں کو حرکت میں لے آئیں۔ اس طرح اُحد کے مقابلے میں پہلے سے چار گنا زیادہ فوجوں کے ساتھ خیبر کے راستے مدینہ پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو سخت آزمائشوں سے بچانے کے لئے محاصرہ کی تیاری کی اور ایک خندق کھود دی۔ اگرچہ مدینہ میں ابھی تک موجود یہودیوں کی ریشہ دوانیوں نے اس تمام لائحہ عمل کو بعدازاں متاثر کیا۔ تاہم سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دانشمندانہ حکمتِ عملی سے دشمنوں کے اتحاد کو توڑنے میں کامیابی حاصل کی۔ یوں دشمنوں کے مختلف فوجی گروہ یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے علیحدہ و منتشر ہوتے چلے گئے۔

مصالحت و مفاہمت:

34 اس وقت شراب اور الکحلی مشروبات، جوا اور پانسے کے کھیل مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیئے گئے تھے۔

35 رحمتہ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ پھر مکہ والوں سے مصالحت و مفاہمت کی خاطر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ شمالی تجارتی قافلوں کی راہ میں رکاوٹ نے مکہ والوں کی معیشت پر کاری ضرب لگائی تھی۔ نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آمد و رفت اور نقل و حمل کی ضمانت، ان کے پناہ گزینوں کی واپسی اور ان کی ہر مطلوبہ و مجوزہ شرط کا وعدہ کیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا حج کیے بغیر مدینہ منورہ واپس لوٹنے پر بھی رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد دونوں فریقوں نے مکہ مکرمہ کے مضافاتی علاقے حدیبیہ کے مقام پر عہد کیا جس میں امن و امان کا قیام اور کسی تیسری جماعت و قوت کے ساتھ فریقین کے اختلافات و کشمکش کی

صورت میں ہر دو کو غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنے کی شرائط شامل تھیں۔

36 امن و امان کے قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کے فروغ و ترویج کے لئے ایک بھرپور و پُر زور منصوبے کا آغاز کیا۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازنطینیہ، ایران، حبشہ اور دوسرے علاقوں کے غیر ملکی حکمرانوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے۔ بازنطینی مطلق العنان فرمانروا (جو کہ ایک عربی پادری تھا) نے اسلام قبول کر لیا مگر اس پر اس کے عیسائی عوام نے اسے ناحق قتل کر دیا۔ معان (فلسطین) کے ناظم و منتظم کو بھی قدرے ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا اور شہنشاہ کے حکم پر اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ ایک مسلمان سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شام کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے شہید کر دیا۔ جبکہ شہنشاہ ہرقل مجرم کو سزا دینے کی بجائے اپنی فوج کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیجی ہوئی تادیبی و تعزیری فوج کے خلاف مجرم گورنر کو بچانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

غزوۂ موتہ:

37 مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کی مشکلات سے فائدہ اُٹھانے کی اُمید پر، معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی۔ اس پر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دس ہزار مضبوط و مستحکم فوج کی قیادت کی اور کسی قسم کا خون بہائے بغیر مکہ کو انتہائی پُر امن انداز میں فتح کر کے سب کو حیران کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیض رساں فاتح کی حیثیت سے ہارے ہوئے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں ان کی غلط کاریوں بارے یاد دلایا کہ جن میں ان کی طرف سے مذہبی ایذاء رسانی، مہاجرین کی ناانصافی سے ضبط کی گئی جائیدادیں، مسلسل حملوں اور بیس سال تک مسلسل و متواتر جاری و ساری رہنے والے جارحانہ اقدامات شامل تھے۔ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا۔ ''اب تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟'' جب ہر ایک نے اپنا سر شرم سے جھکا دیا تو رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آوازِ بلند اعلان کیا۔ ''خدا تمہیں معاف کرے تم امن و امان میں ہو۔ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ تم سب آزاد ہو۔'' حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی طرف سے مسلمانوں کی جائیداد ضبط کرنے کے اپنے دعوے سے بھی دستبردار ہو گئے۔ اس بات نے ان کے دلوں میں فوری نفسیاتی تبدیلی کو جنم دیا اور جب مکہ کا سردار عام معافی کا اعلان سننے کے بعد پوری دل جمعی و اطمینان سے داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا تاکہ اپنے اسلام لانے کا اعلان کر سکے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا۔ ''اور میری طرف سے یہ ہے کہ میں تمہیں مکہ کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح شدہ شہر میں اپنا ایک بھی سپاہی چھوڑے بغیر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور یوں مکہ مکرمہ محض چند گھنٹوں میں بحسن و خوبی مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھل چکا تھا۔

38 فتح مکہ کے فوراً بعد شہر طائف کے رہائشی سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کے لئے متحرک ہوئے۔ قدرے مشکل تگ و دو کے بعد دشمن وادیٔ حنین میں پھیل گیا لیکن مسلمانوں

نے نزدیکی شہر طائف کے محاصرہ میں اضافہ کرنے کو ترجیح دی اور اس علاقے کی مزاحمت و مدافعت زائل کرنے کے لئے مختلف و منتخب ذرائع استعمال کیے۔ ایک سال سے کم عرصے کے بعد طائف سے ایک وفد اطاعت اختیار کرنے کے ارادے سے مدینہ منورہ پہنچا لیکن وفد نے عبادات، ٹیکسوں اور فوجی خدمات سے اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دینے اور شادی شدہ و غیر شادی شدہ جوڑوں کے زنا بالقصد کے ساتھ ساتھ شراب کو آزادانہ طور پر استعمال کی اجازت دینے کی درخواست کی۔ حتیٰ کہ اس وفد نے "اللات" کے بت خانہ کے تحفظ کا بھی تقاضا کیا لیکن اسلام ایک مادیت پرست غیر اخلاقی تحریک نہیں تھی اور جلد ہی وفد نے خود ہی اپنی عبادت، بدکاری اور شراب سے متعلق تقاضوں پر شرمساری محسوس کی تاہم مصلح اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیکسوں اور فوجی خدمات کی ادائیگی سے استثنا بارے رضا مندی ظاہر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد سے یہ بھی کہا کہ "تمہیں بت خانہ کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کام کو انجام دینے کے لئے یہاں سے اپنے کارندے بھیجیں گے اور ایسا کرنے سے اگر تم لوگ اپنے توہمات کی بناء پر کسی قسم کے بُرے نتائج سے خائف و خوفزدہ ہو تو ان بُرے نتائج کو ہمارے آدمی ہی بھگتیں گے اور برداشت کریں گے۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ان رعایات کو ظاہر کرتا ہے جو نو مسلموں کو دی جا سکتی تھیں۔ اہلِ طائف کا دینِ اسلام سے متاثر ہونا اس قدر دلجمعی و خلوصِ دل سے تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے خود ہی معاہداتی استثنائی باتوں سے دستبرداری اختیار کر لی اور پھر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے اسلامی علاقوں کی طرح ان کے علاقے میں بھی ایک ٹیکس کلکٹر (محصولیا) نامزد کر دیا۔

(39) دس سال کے عرصہ کے دوران جاری ان تمام "جنگوں" (جہادوں) میں بہت کم جانی ضیاع ہوا۔ یعنی ان میں غیر مسلموں کے مجموعی طور پر صرف 250 افراد مارے گئے۔ جبکہ مسلمانوں کا نقصان اس سے کہیں کم تھا۔ ان چند تلخیوں کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ مکمل جزیرہ نمائے عرب لاکھوں مربع میل کے وسیع رقبہ پر محیط ہونے کے باوجود بدنظمی و بدانتظامی اور بداخلاقی و بدکاری کے پھوڑے سے شفا پا گیا۔ دس سال کے اس غیر دلچسپ عرصے کے دوران، جزیرہ نمائے عرب اور عراق کے جنوبی علاقوں اور فلسطین کے تمام لوگوں نے رضا کارانہ طور پر اسلام قبول کر لیا۔ کچھ عیسائی، یہودی اور پارسی گروہ پھر بھی اپنے اپنے عقائد پر قائم رہے مگر انہیں ضمیر کی آزادی کے ساتھ ساتھ قانونی و عدالتی خود مختاری کے جملہ حقوق دیئے گئے۔

(40) سن 10 ہجری میں جب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ادائیگی حج کی خاطر مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں سے ملاقات کی جو اپنے دینی فریضے کی ادائیگی کے لئے عرب کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے تھے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنا مشہور خطاب کیا۔ جس میں معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا جس میں علامات و نشانات کے بغیر ایک خدا پر یقین بالغیب، تمام اہلِ ایمان کی نسل، خاندان اور طبقہ کی تفریق و تمیز کے بغیر

مساوی حصولِ حقوق، مسلمانوں اور مومنوں کی صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر برتری، زندگی، جائیداد اور عزتِ نفس کی حفاظت، سود کے ساتھ ساتھ کسی فرد کے قتل پر خاندانوں کی نسل در نسل لڑائیوں اور ''پرائیویٹ انصاف'' کا خاتمہ، خواتین کے ساتھ بہتر رویہ وسلوک، وراثتی حقوق و ذمہ داریاں اور فوت شدہ افراد کی جائیداد کی دونوں جانب کے رشتہ داروں میں جائز تقسیم اور دولت کی مجموعی مقدار کا چند ہاتھوں میں ارتکاز کا مکمل خاتمہ جیسے عنوانات و موضوعات شامل تھے۔ یوں قرآن مجید فرقان حمید کے ہمرکاب اسوۂ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ شعبہ ہائے حیات کے معاملات کے لئے ارفع واعلیٰ معیار قرار دیا گیا۔

41 واپسی پر مدینہ منورہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے اور چند ہفتوں بعد جب داعیٔ اسلام نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بسترِ وصال پر تھے تو رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی تسلی واطمینان تھا کہ جس مقدس ومنزہ پیغامِ خداوندی کی دنیا میں تبلیغ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ لیا تھا وہ کام بحسن وخوبی مکمل ہو گیا تھا۔

42 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ نسلوں کو ایک خالص وحدانیت پر مبنی مذہب کی وصیت کی، ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب میں موجود بدنظمی ختم کر کے ایک نظم وضبط پر مبنی ریاست کی تشکیل کی اور مخلوقِ خدا کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما ہونے کی بجائے امن وسلامتی کا درس دیا۔ معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسم نے روحانی اور زمانی پہلوؤں کے مابین توازن اور مسجد وگھر کے درمیان ایک خوب صورت ہم آہنگی قائم کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیا قانونی نظام وضع کیا جو غیر جانبدارانہ انصاف کا حامل تھا جس میں ریاست کا سربراہ بھی ایسے ہی تھا جیسا کہ ایک عام آدمی، اور جس میں مذہبی رواداری اس قدر عظیم تھی کہ مسلم ممالک کے غیر مسلم باشندے بھی برابری کی بنیاد پر عدالتی، قانونی اور ثقافتی خودمختاری کے حقوق کے حامل تھے۔ ریاست کی آمدنی کے معاملے میں قرآن پاک نے میزانیہ کے اصول مقرر کیے اور غریبوں کو دوسروں کی نسبت زیادہ توجہ دی۔ سرکاری محصولات بارے اعلان کیا گیا کہ وہ ریاست کے سربراہ کی ذاتی ملکیت کسی صورت نہیں ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی فعل وعمل سے عمدہ مثال قائم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں پر بذاتِ خود بھرپور عمل کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو سکھائیں اور بتائیں۔

❀......❀

باب 2

بنیادی اسلامی تعلیمات کا تحفظ

43 سچ اور جھوٹ کے مابین کوئی قدر مشترک اور کسی قسم کی مطابقت کسی صورت نہیں ہوسکتی۔ مادیت سے معمور عام انسانی زندگی میں جھوٹ کی خرابیاں اور برائیاں نہاں نہیں عیاں ہیں اور سبھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں مزید یہ کہ نجاتِ اخروی، دولتِ ایمان اور کسی مذہب کی بنیادی و حقیقی تعلیمات کے معاملات میں جو برائی و خرابی جھوٹ پیدا کرتا ہے وہ اسے دوسری تمام برائیوں کا سردار بنا دیتی ہے۔

44 ایک انصاف پسند اور عقل و شعور کے حامل شخص کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت و دشواری پیش نہیں آتی کہ کیا کوئی خاص تعلیمات بالکل صحیح اور قطعی طور پر قابلِ قبول ہیں یا نہیں۔ تاہم عقائد کے معاملات میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی شاگرد اپنے استاد کے گفتار و کردار سے پہلے اس کی ظاہری شخصیت کو پرکھتا ہے۔ گفتار و کردار میں اگر استاد قابلِ اعتبار پایا جائے تو شاگرد اپنے استاد کے الفاظ سے بالکل ہی منکر ہونے کی بجائے، اس کی تعلیمات کے قابلِ قبول حصے کو سمجھ کر اس حوالے سے اپنی کم مائیگی و لاعلمی کا فوری اقرار کر لیتا ہے۔ اس طرح کی صورتوں میں خاص طور پر جب استاد فوت ہو چکا ہو استاد کے فرمودات اور اس کی تعلیمات کے مستند و معتبر ہونے کی حقیقت بہت اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔

45 دنیا کے تمام اہم مذاہب کی بنیاد خاص مقدس کتابوں پر ہے، جنہیں اکثر الہیاتی الہام و وحی کے مجموعہ پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہ امر افسوسناک ہوگا اگر بدقسمتی سے کسی وحی کا اصل متن کھو جاتا ہے تو یہ واضح ہے کہ اس کا مکمل طور پر کوئی متبادل یا نعم البدل نہیں۔ برہمنوں، بدھ متوں، یہودیوں، پارسیوں اور عیسائیوں کو اپنے اپنے مذاہب کی بنیادی تعلیمات کو محفوظ کرنے کے لئے استعمال کیے گئے طریقۂ کار کا موازنہ مسلمانوں کے طریقۂ کار سے کرنا چاہیے۔ ان کی کتابیں کس نے لکھیں؟ کس نے ان کتابوں کو نسل در نسل منتقل کیا؟ کیا منتقلی اصل متن کی ہوئی یا صرف اس کے ترجمے کی ہوئی؟ کیا قتل و غارت سے بھرپور باہمی جنگوں نے مسودات کے متن کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟ کیا کوئی اندرونی تضاد یا خلا (گمشدہ حصہ) نہیں ہے جس کا حوالہ کہیں اور پایا جائے؟ یہ کچھ سوالات ہیں جنہیں ایک انصاف پسند اور حقیقت کا متلاشی فرد ضرور اٹھاتا ہے اور ان کے اطمینان بخش جوابات بھی طلب کرتا ہے۔

تحفظ کے ذرائع:

46 گزرتی ساعتوں اور بدلتی رُتوں کے ساتھ ساتھ جو قابلِ ذکر مذاہب ظہور پذیر ہوئے، ان میں

متعلقہ اشخاص نے نہ صرف اپنی یادداشتوں پر بھروسہ کیا بلکہ انہوں نے اپنے خیالات ونظریات کے تحفظ کے لئے لکھنے کا فن بھی ایجاد کیا کیونکہ انسانوں کی انفرادی یادداشتیں بہر طور اور بہر حال محدود ومختصر زندگی کی حامل ہوتی ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں تحریریں زیادہ دیرپا ہوتی ہیں۔

47 یہ حقیقت ہے کہ اگر تحفظ کے ان دونوں ذرائع کو علیحدہ علیحدہ استعمال میں لایا جائے تو ان میں سے کوئی ایک بھی حتمی اور قابلِ بھروسہ نہیں ہے۔ یہ تو روزمرہ کے تجربہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز لکھنے کے بعد اسے دوبارہ پڑھتا اور دہراتا ہے تو وہ اس میں زیادہ یا کم نادانستہ غلطیاں پاتا ہے جیسا کہ حروف کو حتیٰ کہ الفاظ کو چھوڑ جانا، بیانات کو دہرانا، پسندیدہ الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ کا استعمال کرنا اور قواعدِ زبان کی غلطیاں کرنا وغیرہ، اس حوالے سے ہم لکھاری کی رائے کی تبدیلی بارے بات نہیں کرتے، جو اپنے انداز، اپنے خیالات اور اپنے دلائل کو بھی درست کر لیتا ہے اور بعض اوقات پوری دستاویز ہی دوبارہ لکھ ڈالتا ہے تحریر کے ہمرکاب یہی بات یادداشت کے حوالے سے بھی سچ ہے۔ وہ لوگ جن کے لئے کچھ متن زبانی یاد کرنا لازم ہوتا ہے وہ زبانی یاد کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یاد کیے گئے متن کو بعد میں زبانی سناتے ہیں مگر خاص طور پر جب پیراگراف طویل ہوں تو وہ یہ جانتے ہیں کہ بعض اوقات زبانی سنانے کے دوران ان کی یادداشت ناکام ہو جاتی ہے۔ وہ یا تو پیراگراف چھوڑ جاتے ہیں یا ایک پیراگراف کو دوسرے پیراگراف کے ساتھ گڈمڈ کر دیتے ہیں یا ربط وترتیب یاد نہیں رکھ پاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحیح متن تحت الشعور میں ہوتا ہے اور بعدازاں کسی لمحے یاد آ جاتا ہے یا یہ کہ کسی اور شخص کے اشارے پر یادداشت تازہ ہو جاتی ہے یا بعد میں تحریری دستاویز کے مطالعہ سے اصل متن یاد آ جاتا ہے۔

48 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقدس ومنزہ اور مستند ومعتبر یادداشت کی نعمت سے مالا مال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحفظ کے دونوں طریقہ ہائے کار کو ایک ساتھ استعمال میں لاتے تھے۔ ایک طریقۂ کار دوسرے طریقۂ کار کی مدد کرتا ہے اور یوں متن کی صداقت وحقانیت کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ غلطی کے ممکنات وامکانات کو کم سے کم تر کر دیتا ہے۔

اسلامی تعلیمات:

49 بنیادی طور پر اسلامی تعلیمات داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل پر مشتمل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسودے خود اپنے کاتبین وحی کو تحریر کرائے جنہیں ہم قرآن پاک کے نام سے پکارتے ہیں اور جنہیں ہم حدیث کہتے ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے اپنی یادداشت کی بنیاد پر ذاتی آرزو وامنگ کے تحت ترتیب وتالیف کیے۔

تاریخِ قرآن:

50 قرآن پاک کے لفظی معنی پڑھنا یا تلاوت کرنا کے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک کی املا کرواتے وقت یہ یقین دلا دیتے تھے کہ یہ وہ مقدس وحی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رب علیم وخبیر نے بھیجی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام وحی ایک ہی بار میں نہیں لکھواتے تھے کیونکہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف اوقات میں حصوں اور ٹکڑوں کی صورت نازل ہوتی تھی۔ جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وحی نازل ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ وحی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچا دیتے اور نہ صرف اسے زبانی یاد کرنے کا کہتے (تاکہ نماز کے دوران اس کی تلاوت کر سکیں) بلکہ اسے لکھنے کا بھی کہتے اور اس کی کئی نقول بنانے کا بھی کہتے۔ ہر ایک وحی کے نزول کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نازل شدہ قرآن پاک کے مسودے میں اس نئی وحی کی صحیح جگہ کی نشاندہی بھی کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی قرآنی آیات کی ترتیب نزول کی ترتیب کے حساب سے نہیں تھی۔ صحت وصداقت کے لئے اپنائے گئے تحفظ وحفاظت اور احتیاطی تدبیر کی کوئی زیادہ تعریف اس لئے نہیں کرتا کیونکہ وہ اس دور کے عربوں کے علمی وثقافتی معیار کو سمجھتا ہے۔

51 یہ یقین کر لینا قابلِ فہم ہے کہ کلامِ الٰہی کی پہلے پہل نازل ہونے والی آیات مبارکہ فوری طور پر ضابطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکیں۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا پیروکار نہیں تھے۔ پہلے پہل نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی نہ تو زیادہ طویل تھیں اور نہ ہی تعداد میں زیادہ تھیں لہٰذا اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھول جائیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کو اپنی عبادات اور خطبات میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

52 کچھ تاریخی حقائق ہمیں اس بارے بتاتے ہیں کہ کیا ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ چالیسویں شخص سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی مشن کے پانچویں سال پیش آیا۔ (یعنی ہجرت سے 8 سال پہلے) تبلیغی مشن کی اس قدر ابتدائی تاریخوں میں بھی کچھ قرآنی سورتوں کی تحریری نقول موجود تھیں اور ابنِ ہشام بیان کرتے ہیں کہ یہ ان قرآنی سورتوں کے گہرے مطالعے ہی کا اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہم اس وقت کے بارے علم نہیں رکھتے۔ جب قرآن پاک کو تحریری شکل میں منتقل کرنا شروع کیا گیا تاہم اس بارے شک وشبہ کی بہت معمولی گنجائش ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے باقی ماندہ اٹھارہ سالوں میں مسلمانوں کی تعداد کی طرح قرآنی تحریری نسخوں میں بھی دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کلامِ الٰہی مختلف حصوں کی صورت میں نازل ہوا۔ یہ قدرتی امر ہے کہ اس وقت کے حالات وواقعات کے حوالے سے ہی کلامِ الٰہی کا نزول ہونا چاہیے تھا۔ ایسا تو ہو سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے کوئی ایک وفات پا جائے اور یوں قانونِ وراثت کے نفاذ بارے وحی نازل

ہو جائے مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ان لمحات میں چوری، قتل یا شراب نوشی سے متعلق تعزیری قانون کا نزول ہو جائے۔ نزولِ وحی کا یہ سلسلہ شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی اور دس سالہ مدنی تبلیغی زندگی کے دوران جاری و ساری رہا۔ بعض اوقات ایک وحی ایک مختصر یا طویل سورۃ پر مشتمل ہوتی اور بعض اوقات صرف چند آیات نازل ہوتیں۔

53 وحی کی نزولی نوعیت سے یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے مستقلاً آیات و سورتوں کو دہرائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہیں اور اس ترتیب کو بھی بار بار دہرائیں جس ترتیب میں ان نازل شدہ آیات یا سورتوں کو تحریر کیا جانا چاہیے تھا۔ یہ ایک مستند و معتبر حقیقت ہے کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہِ رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی موجودگی میں، اس وقت تک نازل شدہ قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری سال حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مرتبہ مکمل قرآن پاک تلاوت کرنے کے لئے کہا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرمانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کے روحانی مطالب سے قطع نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان محافل میں حاضری دیا کرتے تھے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ان محافل کو ''عردہ'' کے نام سے جانا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن پاک کی تلاوت کی آخری معروف محفل ''عردہ اخیرۃ'' سے موسوم کی گئی۔ ان محافلِ تلاوت قرآن پاک کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ذاتی قرآنی نسخوں کی تصحیح کیا کرتے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں قرآنی آیات و سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور انہیں ان کی صحیح ترتیب دیا کرتے تھے۔ یہ سب کلامِ الٰہی کے مسلسل و متواتر نزول کی وجہ سے ضروری تھا۔ بعض اوقات ایک سورۃ ایک ہی دفعہ میں نازل ہو جاتی اور بعض اوقات ایک ہی سورۃ کئی حصوں میں جدا جدا نازل ہوتی تھی تاہم اس اندازِ نزول کے باعث کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی لیکن اگر مختلف سورتوں کے کچھ حصے ایک ہی ساتھ نازل ہونا شروع ہو جاتے تو صورتِ حال قدرے مختلف ہوتی تھی۔ مختلف سورتوں کے ایک ساتھ نزول کی صورت میں انہیں لازماً آسانی سے دستیاب مادی اشیاء مثلاً شانے کی ہڈیوں، درختوں کے پتوں، تختی جیسے پتھروں اور کھال کے ٹکڑوں وغیرہ پر عارضی و وقتی طور پر لکھنا پڑتا تھا اور جیسے ہی پوری سورۃ نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمدین ان قلمبند حصوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ترتیب دے دیتے تھے اور اس کی ایک صاف نقل بناتے تھے (بحوالہ ترمذی، ابن حنبل، ابن کثیر وغیرہ) ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہِ رمضان میں رات کے وقت نمازِ تراویح کی صورت میں ایک اضافی عبادت کا اہتمام کرتے تھے جو بعض اوقات مذہبی اجتماع کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ نمازِ تراویح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی پہلے پارے سے آخری پارے تک تلاوت کرتے تھے اور ماہِ رمضان کے اختتام

پر دورہ قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ مطالعہ و مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ تراویح کا اہتمام آج بھی اسی دلچسپی و دلجمعی سے کیا جاتا ہے۔

﴿54﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ملک کے مختلف حصوں میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ بغاوت کی اس آگ کو بجھانے و دبانے کے عمل میں کئی حفّاظ کرام شہید ہوئے۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی تدوین کی فوری ضرورت و اہمیت محسوس کی اور تدوینِ قرآن کا عظیم کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چند ماہ بعد ہی مکمل ہو گیا۔

﴿55﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سالوں کے دوران، نئی نازل شدہ قرآنی آیات کی املا کے لئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب اعلیٰ مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہی قرآن پاک کی تمام تحریری نقول کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کا کام تفویض کیا۔ اس وقت مدینہ منورہ میں بہت سے حفّاظ کرام (وہ جنہیں قرآن پاک زبانی یاد تھا) موجود تھے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ "عردہ اخیرہ" میں بھی شریک ہوئے تھے جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ پہلے قرآن پاک کے ہر حصے کی دو عدد ایسی تحریری نقول حاصل کریں جن کا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کلام پاک سے تقابلی مطالعہ و موازنہ کیا جا چکا تھا اور پھر اسے ایک مجموعے کی شکل دے دیں۔ خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس ہدایت پر، مدینہ منورہ کے جن جن لوگوں کے پاس قرآن پاک کے مختلف حصوں کی تحریری نقول موجود تھیں انہوں نے وہ تحریری نقول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں۔ مستند و معتبر ذرائع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صرف دو ایسی آیات تھیں جن کا صرف ایک دستاویزی ثبوت ملا جبکہ باقی سب آیات کی متعدد تحریری نقول موجود تھیں۔

﴿56﴾ قرآن پاک کی یہ نو مرتب شدہ نقل "مصحف" کے نام سے جانی و پہچانی جاتی تھی۔ خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مصحف کو اپنی حفاظت و نگرانی میں رکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے بعد یہ آپ رضی اللہ عنہ کے جانشین خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حفاظت و نگرانی میں رہی۔ اسی دوران تمام اسلامی سلطنت میں قرآن پاک کے مطالعے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ قرآن پاک کی مستند و معتبر تحریری نقول تمام صوبائی مراکز کو بھیجی جائیں تاکہ قرآن پاک میں تحریف کے عمل سے بچا جا سکے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کی صورت میں اس عظیم کام کی تکمیل آپ رضی اللہ عنہ کے جانشین خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حصے آئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک نمائندے کے مطابق جو کہ آرمینیا کے دور دراز علاقے سے واپس آیا تھا اس نے وہاں قرآن پاک کی اختلافی نقول دیکھی تھیں اور ان اختلافی نقول ہی کی بنیاد پر وہاں موجود مختلف قرآنی معلّموں کے مابین بعض اوقات جھگڑے بھی ہو جاتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے

قرآن پاک کی وہ نقل جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے تیار کی گئی تھی۔ فوراً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے) کی سربراہی میں تشکیل دی گئی کمیٹی کے سپرد کی اور انہیں ویسی سات نقول تیار کرنے کو کہا اور انہیں اس بات کا اختیار و اجازت بھی دے دی کہ وہ جہاں ضرورت ہو (مفہوم و معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے) قرآنی الفاظ کے ہجوں میں ترمیم و نظرِ ثانی کر سکیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک عوامی نشست کا اہتمام کیا جس میں ماہرینِ قرآن (جو کہ دارالحکومت میں موجود تھے اور جن کا شمار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا) کے سامنے قرآن پاک کے اس نئے ''ایڈیشن'' کی تلاوت کی گئی اور پھر اس کے بعد وہ قرآنی نقول وسیع اسلامی دنیا کے مختلف مراکز میں بھیجی گئیں اور ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ تب سے تمام قرآنی نقول صرف اور صرف اس مستند و معتبر قرآنی نسخے کی بنیاد پر ہی تحریر و تیار کی جائیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان تمام نقول کو بھی تلف کرنے کا حکم دیا جو کسی نہ کسی طور سرکاری طور پر قائم و تسلیم شدہ تحریر سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔

57 یہ بات قابل فہم ہے کہ مسلمانوں کی عظیم فوجی فتوحات نے کچھ منافقینِ اسلام کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ مادی مقاصد کے حصول اور اسلام کو خفیہ انداز میں نقصان و ضرر پہنچانے کے لئے ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان منافقینِ اسلام نے قرآن پاک میں بدنیتی سے اضافوں کے ساتھ ساتھ اس کی آیات کے خود ساختہ مفہوم و مطالب بھی تراش لیے۔ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب قرآن پاک کے غیر مستند نسخوں کو تلف کرنے کا حکم دیا تو جن لوگوں نے مگرمچھ کے آنسو بہائے وہ یہی منافقینِ اسلام ہی تھے۔

58 یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نئی مقدس وحیوں کے نزول کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی کچھ آیات منسوخ کیں جبکہ وہ اس سے پہلے لوگوں تک پہنچائی جا چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جو پہلے نازل شدہ آیات کے بارے تو علم رکھتے تھے لیکن یا تو وہ وفات پا چکے تھے یا مدینہ منورہ سے باہر رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے پہلی آیات میں جو بعد میں ترامیم کی گئیں ان سے ناواقف تھے۔ شاید اسی طرح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے قرآن پاک کے جو نسخے چھوڑے وہ اگرچہ مستند و معتبر تو تھے تاہم نئی وحیوں کے نزول کے باعث ان کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مزید یہ کہ کچھ مسلمانوں کی یہ عادت تھی کہ وہ قرآن پاک میں استعمال کردہ کچھ کلمات و اصطلاحات بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت طلب کرتے رہتے تھے اور ان وضاحتوں کو بھولنے کے ڈر سے، اپنے پاس موجود قرآنی نسخوں کے حاشیوں میں لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے اور بعد ازاں حاشیوں میں موجود ان وضاحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو قرآنی نسخے بنائے گئے انہوں نے بعض مراحل پر بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دیا۔ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس حکم و ہدایت (کہ تمام اختلافی قرآنی نسخوں کو تلف کر دیا جائے) کے باوجود تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بھی ایسا بہت سا مواد موجود تھا جس کے ذریعے ''قرآن پاک میں اختلاف رائے'' کے موضوع کے تحت

بہت سی جلدوں پر مشتمل، ضخیم کتب مرتب کی جا سکتی تھیں۔ یہ تمام اختلافی مواد ہم تک پہنچا اور اس کے بغور مطالعے سے یہ بات علم میں آتی ہے کہ یہ تمام اختلاف رائے یا تو حاشیوں میں موجود وضاحتوں یا پھر قدیم عربی لکھائی میں حروفِ علت کی کمی اور نقطوں کے نہ ہونے کے باعث پیدا ہوا کیونکہ حروفِ علت اور نقاط ایک جیسے الفاظ کے درمیان فرق واضح کرتے ہیں اور آج بھی زیرِ استعمال ہیں۔ مزید یہ کہ مختلف علاقوں میں لہجہ کے ساتھ ساتھ تلفظ اور ادائیگی الفاظ مختلف تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اس بات کی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی کہ وہ اپنے تلفظ و ادائیگی میں قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ عربی زبان کے جو الفاظ ان کے علم سے باہر تھے وہ انہیں اپنی مقامی بولی میں موجود مترادفات سے بدل بھی سکتے تھے۔ یہ محض وقتی نرمی و رحم دلی اور نوازش و مہربانی کا ایک انداز تھا۔ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ اقتدار میں عوامی مداخلت اس حد تک بڑھی کہ یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ اگر قرآن پاک کے تلفظ و مترادفات بارے مزید رعایات برداشت کی جاتی رہیں تو وہ جڑ پکڑ سکتی ہیں اور قرآن پاک کے اصل متن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

59 وہ قرآنی نسخے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صوبائی مراکز کو بھیجے تھے، آنے والی صدیوں میں آہستہ آہستہ غائب ہوتے گئے۔ ان میں سے ایک استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں موجود ہے اور دوسرا نامکمل قرآنی نسخہ تاشقند کے عجائب گھر میں آج بھی موجود ہے۔ روسی حکومت 'زار' نے دوسرے قرآنی نسخے کی لفظ بہ لفظ نقل شائع کی اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ روسی حکومت کے شائع کردہ ان قرآنی نسخوں اور ہمارے زیرِ استعمال قرآن پاک میں مکمل مطابقت و مؤافقت پائی جاتی ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک جتنے بھی مکمل اور نامکمل قرآنی نسخے موجود ہیں ان سب کے لئے بھی یہ بات اسی طرح سچی و صحیح ہے۔

60 سلسلۂ حفظ قرآن پاک تاجدارِ حرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ خلفاء اور اسلامی حکومتوں کے دوسرے سربراہوں نے ہمیشہ حفظ قرآن کی حوصلہ افزائی کی۔ حفظ قرآن جیسے پاکیزہ و خوشگوار عمل نے قرآن پاک کی سالمیت کو کہیں زیادہ مضبوطی فراہم کی۔ دراصل شروع ہی سے مسلمانوں کی یہ عادت تھی کہ کسی بھی مصنف کا کام اس کی یا اس کے قابلِ بھروسہ شاگرد کی موجودگی میں ہی پڑھتے تھے اور پہلے سے قائم شدہ تحریر کی آگے ترسیل و ترویج کے لئے باقاعدہ اجازت طلب کرتے تھے اور مطالعے اور اصل تصنیف کے مقابلے و موازنے کے وقت تحریر کی اصلاح کرتے تھے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآن پاک کی زبانی تلاوت کرتے تھے یا صرف قرآنی تحریر کو پڑھتے تھے وہ بھی اسی انداز میں عمل کرتے تھے۔ یہی سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور اس کا غیر معمولی پہلو یہ ہے کہ ہر استاد اپنے شاگرد کو سند دیتے وقت نہ صرف اس بات کا تفصیلی اظہار کرتا ہے کہ اس کے شاگرد کی ادائیگی قرآن اس ادائیگی قرآن سے مطابقت و مؤافقت رکھتی ہے جو کہ اس استاد نے اپنے استاد سے سیکھی تھی اور شاگرد اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے ادائیگی قرآن اپنے طور پر اپنی

منشاء سے اپنے استاد سے سیکھی ہے یہ سلسلہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک چلا جاتا ہے۔ ان سطور کے لکھاری (ڈاکٹر حمید اللہؒ) نے قرآن پاک مدینہ منورہ میں شیخ القرآن حسن الشاعر سے پڑھا اور جو سند لکھاری نے حاصل کی اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ استادوں کے سلسلے اور استادوں کے استادوں کا بھی ذکر تھا اور جو آخری بات بتائی گئی وہ یہ تھی کہ شیخ القرآن حسن الشاعر کے اساتذہ کا سلسلہ کس طرح استاد در استاد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ان سب نے قرآن پاک کی ایک جیسی تعلیم حاصل کی۔ اس وقت دنیا میں حفاظ کرام لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں اور لاکھوں قرآنی نسخے کرہ ارض کے تمام حصوں میں پائے جاتے ہیں اور جو بات بیان کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ حفاظ کرام کے حفظ کردہ قرآن پاک اور اصل قرآن پاک میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

(61) قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور عربی زبان میں ہی اب تک موجود ہے۔ قرآن پاک کا ترجمہ کم و بیش تمام اہم دنیاوی زبانوں میں ہو چکا ہے اور ان لوگوں کے لئے سود مند ہے جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن پاک ہم تک عربی زبان میں پہنچا ہے اور اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن پاک کا کسی اور زبان میں موجود ترجمے سے دوبارہ عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

(62) ❶ قرآنی نسخوں کی اصل زبان میں موجودگی ❷ خود معلّمِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ سرپرستی قرآنی آیتوں کی ترتیب و تدوین کے ہمرکاب لکھائی اور حفظ قرآن دونوں کے ذریعے بیک وقت تسلسلِ تحفظِ قرآن پاک ❸ مزید یہ کہ ماہر اساتذہ کے زیرِ نگرانی قرآنی تعلیم اور ہر نسل میں ماہر قرآن اساتذہ کی موجودگی اور ❹ قرآن پاک میں کسی قسم کے اختلافِ رائے کی عدم موجودگی...... مسلمانوں کی مقدس و بابرکت کتاب کی غیر معمولی خصوصیات میں سے محض چند خصوصیات ہیں۔

مضامینِ قرآن:

(63) جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ قرآن پاک کلامِ الٰہی ہے جو کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار یہاں درمیانی رابطے کا سا ہے جنہوں نے اللہ عزوجل کی طرف سے نازل کردہ آیاتِ قرآنی کو وصول کرنے کے بعد ان کی تبلیغ و ترویج کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار مصنف یا مرتب کا نہیں ہے۔ اگر بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آیات کو منسوخ کرنے کا حکم دیتے تھے تو وہ صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی نئی وحی کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

64 اللہ تعالیٰ عزوجل قادرِ مطلق و بزرگ و برتر ہے اور تمام انسانی مادی سوچوں سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی بھلائی کی خاطر اپنی مرضی ومنشاء اور اپنے احکامات وارشادات، ایک آسمانی فرشتے و پیامبر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ زبان کی تمام حدود وقیود سے بلند و برتر ہے۔ یہاں ہم وضاحت کے لئے استعارے کا استعمال کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بجلی کے قمقمے تھے اور وحی برقی رو کی حیثیت رکھتی تھی اور برقی رو کے ذریعے ہی بجلی کا قمقمہ اپنی برقی طاقت اور رنگ کے مطابق روشنی دیتا ہے۔ پیغمبر کی مادری زبان بجلی کے قمقمے کا رنگ ہوتا ہے۔ بجلی کے قمقمے کی برقی طاقت، برقی رو اور باقی تمام اشیاء کا تعین صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اعلیٰ صفات ہی کرتی ہے اور ایسے میں انسانی پہلو صرف ایک ذریعہ ترویج اور درمیانی رابطے کی حیثیت رکھتا ہے۔

64 (الف) دینِ اسلام کے مطابق قرآن پاک، کلام الٰہی ہے اور قرآن پاک میں یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ دن اور رات میں جب بھی وقت ملے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ صوفیائے کرام نے بہت اچھے انداز میں اس کی وضاحت کی ہے کہ قرآن پاک اللہ عزوجل تک رسائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کلام الٰہی ایک شاہراہ ہے اور برقی رو روشنی کے لئے راستہ فراہم کرتی ہے جو کہ برقی قمقمے کو بجلی گھر سے جوڑتی ہے۔ یہ محض لفاظی نہیں ہے۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح انداز میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ ہر مسلمان کو ہفتے میں ایک دفعہ پورا قرآن پاک پڑھنا چاہیے۔ یہ بات قرآن پاک کی سات حصوں میں تقسیم کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ جنہیں منزلیں کہتے ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن پاک میں 114 اسباق ہیں جنہیں سورتیں کہتے ہیں اور ہر سورۃ میں ایک خاص تعداد جملوں کی ہوتی ہے جنہیں آیات کہتے ہیں۔ عربی میں منزل کے معنی ایک دن کے سفر کے بعد قیام و مقام کے ہیں۔ سورۃ کے معنی احاطہ و چاردیواری کے ہیں یعنی ایک کمرہ، اور آیت کا لفظ 'آوا' سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے آرام کرنا۔ روحانی یا زمانی سفر کے مسافر کے لئے مقام، کمرہ اور بستر تین اہم عناصر ہیں۔ ایک روحانی مسافر جب سفر شروع کرتا ہے تو اسے ایک دن کے سفر کے بعد کسی نہ کسی مقام پر ٹھہرنا پڑتا ہے جہاں اسے ایک کمرے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس سفرِ آخرت میں جو کہ ابدی اور غیر محدود ہے، اسے اگلے دن مزید قدم بڑھانے سے پہلے ایک آرام دہ بستر کی ضرورت پڑتی ہے۔

65 وقت، علاقے اور نسل کے فرق وتضاد کے بغیر قرآن پاک میں تمام نسلِ انسانی سے خطاب کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید روحانی، زمانی، انفرادی اور اجتماعی تمام شعبہ ہائے حیات کے متعلق انسان کو رہنمائی و رہبری اور ہدایت و مشاورت فراہم کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ریاست کے حکمران سے عام آدمی تک، امیر سے غریب تک، امن وسکون سے جنگ وجدل تک، روحانی ثقافت سے تجارت اور مادی بہبود وخوشحالی تک، سب کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ارشادات واحکامات موجود ہیں۔ بنیادی طور پر قرآن پاک ایک فرد کی

انفرادی شخصیت کی تشکیل وتکمیل اور تنظیم واستحکام کی سعی کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی ذات کے حوالے سے اپنے خالق ومالک کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ اس مقصد کے لئے قرآن پاک میں نہ صرف احکامات بیان کیے گئے ہیں بلکہ ان پر عمل کے لئے قائل ومائل کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن پاک زندہ کہانیوں، مثالوں اور استعاروں کے ذریعے انسانی عقل وشعور کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں صفاتِ خداوندی بیان کی گئی ہیں جیسا کہ واحد، خالق، علیم وخبیر، قوی، موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے والا، ہمارے دنیاوی اعمال کا حساب لینے والا، منصف وعادل، رحیم وغیرہ۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح بہترین عبادات کے ذریعے ہم رب غفور ورحیم کی عبادت وبندگی کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے فرائض، اپنے اردگرد موجود لوگوں کے حقوق اور اپنے بارے ہماری کیا ذمہ داریں ہیں۔ اپنے بارے ہماری ذمہ داریاں اس لئے ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ سے نسبت رکھتے ہیں اسی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اسی نے ہمیں امانت کے طور پر زندگی بخشی ہے۔ قرآن مجید میں معاشرتی زندگی، تجارت، شادی بیاہ، وراثت، تعزیری قانون، بین الاقوامی قانون اور اسی طرح بہت سے موضوعات بارے عمدہ قواعد وضوابط بیان کیے گئے ہیں لیکن قرآن پاک معمولی مفاہیم ومطالب پر مبنی کتاب نہیں ہے قرآن پاک تو کلام الٰہی کا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیئس برس کے عرصے میں وقتاً فوقتاً بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیوں کی صورت نازل فرمایا۔ قرآن پاک میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ''شہنشاہ'' اور انسان کے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جب کوئی شہنشاہ اپنا پیغام اپنے غلام تک پہنچانا چاہتا ہے تو اپنی ہدایات اپنے نمائندے کے ذریعے اپنے غلام تک پہنچاتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو سمجھائی گئی ہیں اور لاگو کی گئی ہیں۔ کچھ چیزوں کا ذکر بار بار کیا گیا ہے اور یہاں تک کہ اظہار کے طریقے تک بدلے گئے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ بعض اوقات واحد متکلم یا جمع متکلم یا واحد غائب کی حیثیت سے کلام کرتا ہے وہ کہتا ہے 'میں'، 'ہم'، 'اس' لیکن کبھی بھی جمع غائب (اُن) کی حیثیت سے خطاب نہیں کرتا۔ نئے قاری کے لئے یہ بات یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ قرآن پاک اُن وحیوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً نازل کی گئیں اور اسی لئے نئے قاری کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کو بار بار پڑھے تاکہ اُس کے معنی ومفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ قرآن پاک میں ہر شخص، ہر جگہ اور ہر وقت بارے ہدایات موجود ہیں۔

66 قرآنی طرزِ تحریر وتقریر اور اسلوب وانداز اپنے مقدس ومطہر معیار کے مطابق موزوں ومناسب اور شاندار وباوقار ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت ان لوگوں کی روحوں تک کو جھنجھوڑ دیتی اور مرتعش ومضطرب کر دیتی ہے جو اس کا مطلب تک نہیں جانتے۔ مزید برآں یہ کہ قرآن پاک اپنی پاکیزہ ومنزہ حیثیت کی بنیاد پر انسانوں اور جنوں دونوں کو دعوتِ مقابلہ ومقاومت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ دونوں اکٹھے مل کر ہی قرآن مجید جیسی چند آیات ہی بنا لائیں لیکن اس مقابلے کی پکار ولکار کا کوئی بھی آج تک جواب نہیں دے پایا۔ رب قادر وقدیر کا واضح

اعلان ہے کہ:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت:88)

ترجمہ ''کہہ دو اگر سب آدمی اور سب جن مل کر بھی ایسا قرآن لانا چاہیں تو ایسا نہیں لا سکتے اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو۔''

اسی طرح ارشاد ربانی ہے کہ:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾

(سورۃ ھود، آیت:13)

ترجمہ ''کیا کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن خود بنا لیا ہے کہہ دو کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر رب العزت اسی نوع کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت:23)

ترجمہ ''اور اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

رب خالق و مالک اپنے کلام کی صداقت وحقانیت کے حوالے سے ایک بار پھر چیلنج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

(سورۃ یونس، آیت:38)

ترجمہ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے (قرآن مجید) خود بنایا ہے۔ کہہ دو تم ایک ہی ایسی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

حدیث شریف:

67 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات یا اعمال سے تعلق رکھتے ہوں یا چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی بات کی ہو یا کوئی عمل کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیان یا عمل سے منع نہ فرمایا ہو تو وہ حدیث کہلاتے ہیں۔ عمل کی یہ منظوری عوامی طرزِ عمل کے جائز ہونے پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

68 قرآن پاک میں درجنوں بار حدیث مبارکہ کی قانونی اہمیت وافادیت بارے توجہ دلائی گئی ہے۔ مثلاً ارشادِ ربِ رحمٰن ورحیم ہے کہ:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾

(سورۃ النساء، آیت: 59)

ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں۔ پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پھیرو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔''

اور یہ کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(سورۃ النجم، آیات: 4,3)

ترجمہ ''اور نہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں۔ یہ تو وحی ہے جو اُن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر آتی ہے۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر رب العزت کا فرمانِ ذی شان ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿21﴾

(سورۃ الاحزاب، آیت: 21)

ترجمہ ''البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔''

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حکم صادر فرماتے تھے لوگوں کی نظر میں وہ حکمِ خداوندی کا درجہ رکھتا تھا۔ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی کے بغیر ہی اپنے ذاتی علم وبصیرت اور چشمِ بینا کی بنیاد واساس پر کسی معاملہ بارے رائے قائم کر لی اور اگر خدائے بزرگ و برتر اس رائے کو شرفِ قبولیت نہیں بخشتا تھا تو اس کی اصلاح کے لئے ایک وحی نازل فرما دیتا تھا۔ حدیث پاک کی ترتیب وتشکیل کا یہ اندرونی وباطنی عمل بعد میں لوگوں کے علم میں آیا تاہم اس سے لوگوں کی عملی زندگی پر کوئی فرق نہ پڑا البتہ حدیث شریف کا ایک اور اہم اور قابلِ ذکر پہلو بھی ہے جس کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

69 قرآنی اندازِ تخاطب اکثر مختصر و جامع ہوتا ہے اور ہر شخص کو کسی بھی چیز یا عمل کے طریقۂ کار، اس کی تفصیل اور ضروری وضاحت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل وعمل کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اس بات کی وضاحت اس انداز میں پیش کی جا سکتی ہے کہ قرآن پاک میں نماز کے طریقۂ کار کی تفصیلات بیان کیے بغیر صرف اتنا حکم دیا گیا ہے کہ "نماز پڑھو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شے صرف زبانی وکلامی بیان نہیں فرمائی۔ اسی لئے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "مجھے دیکھو کہ میں کس طرح نماز پڑھتا ہوں اور اس کی پیروی کرو۔"

70 مسلمانوں کے لئے حدیث کی اہمیت وافادیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام اہم معاملات بارے نہ صرف زبانی تعلیمات دیں بلکہ انہیں اپنے عمل وفعل سے واضح کیا۔ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیئس (23) برس تک زندہ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی امن وسکون اور نظم وضبط میں توازن برقرار رکھتے ہوئے، بیرونی حفاظت پر مامور فوجی دستوں کی سربراہی کرتے ہوئے، انصاف وقوانین کے مطابق لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کرتے ہوئے، مجرموں کو قرار واقعی سزائیں دیتے ہوئے اور تمام شعبہ ہائے حیات بارے قوانین وضع کرتے ہوئے بطور حاکمِ اعلیٰ ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے اور ازدواجی وخاندانی زندگی کے لئے ایک نمونہ پیش کیا۔ دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کبھی بھی ان عام قوانین سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کے لئے وضع کیے تھے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وفرمودات کی تشریح وتوضیح پیش کرتا تھا۔

71 محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمال میں محتاط اور منکسر المزاج انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی پیغمبر کی حیثیت سے قرآن پاک جیسے مقدس پیغام کی تبلیغ وترویج اور تحفظ وحفاظت کے لئے ہمہ جہت ممکنہ ضروری اقدامات کیے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ مبارکہ کے تحفظ ومحافظت کے لئے بھی ایسے ہی اقدامات کیے؟ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) انا پرست تصور کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

حدیث کی کہانی، قرآن کی کہانی سے قدرے مختلف ہے۔

سرکاری دستاویزات:

72 حدیث شریف کا کچھ حصہ ایسا ہے کہ جس کی قدرتی نوعیت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ اسے تحریری شکل میں محفوظ کیا جانا چاہیے۔ یہ حصہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکاری دستاویزات کہلاتا ہے۔

73 تاریخ الطبری کے ایک پیراگراف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب مسلمانانِ مکہ نے مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر حبشہ کی جانب ہجرت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبشہ نجاشی کے نام اپنا ایک نصیحت آموز خط ان مہاجرین کے سپرد کیا۔ اسی طرح کی کچھ اور دستاویزات بھی موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تحریر فرمائی تھیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آبائی شہر مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور ایک حکمرانِ اعلیٰ ریاستی وانتظامی امور میں سرگرمِ عمل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

74 ہجرت مدینہ کے بعد مختصر وقلیل عرصے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسلموں اور غیر مسلموں پر مشتمل ایک شہری ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہری ریاست کے لئے ایک ایسا تحریری آئین تشکیل دیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر وجامع انداز میں سربراہ ریاست کے حقوق وفرائض بیان کیے اور ریاستی امور وفرائضِ منصبی کی ادائیگی سے متعلق شرائط وضوابط کا قطعی طور پر حکم دیا۔ یہ آئینی دستاویز ہم تک پہنچی ہے۔ اس تحریری آئین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرحدی حد بندی اور حدود وقیود کا بھی تعین کیا اور تقریباً اسی عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اسلامی آبادی کی تحریری مردم شماری کا حکم دیا۔ البخاری کے مطابق، مردم شماری کے نتیجے میں 1500 افراد کا اندراج ہوا۔

75 مزید یہ کہ بہت سے عرب قبائل کے ساتھ میثاق اور امن وسکون وسلامتی کے حوالے سے معاہدے کیے گئے۔ بعض اوقات معاہدے کی دو نقول تیار کی جاتیں اور ہر فریق کو ایک ایک نقل دے دی جاتی۔ فرمانبردار و اطاعت گزار قبائلی سرداروں کی حفاظت ونگہبانی میں اضافے کے فیصلے بارے سرکاری اجازت نامے جاری کیے گئے اور زمین اور پانی کے ذرائع وغیرہ کے معاملے میں ان کے سابقہ مالکانہ حقوق کی توثیق کی گئی۔ اسلامی ریاست میں توسیع واضافے کے ہمرکاب صوبائی گورنروں کے ساتھ مختلف موضوعات پر خط وکتابت میں بھی اضافہ ہوا۔ ان موضوعات میں نئے قوانین بارے بات چیت، انتظامی ترتیب، سرکاری اہلکاروں کے اقدامات کے نتیجے میں کچھ قانونی یا انتظامی فیصلوں پر نظرِ ثانی، سرکاری اہلکاروں کے وفاقی حکومت سے کیے گئے سوالات کے جوابات اور ٹیکسوں وغیرہ سے متعلق معاملات شامل تھے۔

76 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تبلیغی و دعوتی خطوط بھی موجود تھے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کی غرض سے مختلف سربراہانِ مملکت اور عرب قبائلی سرداروں جیسا کہ بازنطینی اور ایرانی حکمرانوں، شاہِ حبشہ نجاشی اور دوسرے حکمرانوں کے نام ارسال کیے۔

77 ہر جنگی و عسکری معرکہ و مہم کے لئے رضا کاروں کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا تھا اور اس تعداد کی تحریری فہرست تیار کی جاتی تھی۔ مالِ غنیمت کی ایک تفصیلی فہرست تیار کی جاتی تھی تاکہ جنگی و عسکری مہم سازوں و معرکہ آراؤں کے درمیان برابری کی بنیاد پر مالِ غنیمت کی منصفانہ و عادلانہ تقسیم کی جا سکے۔

78 غلاموں کی آزادی اور ان کی خرید و فروخت بھی تحریری دستاویزات کے ذریعے ممکن بنادی گئی۔ اس طرح کی تقریباً تین عدد دستاویزات ہم تک پہنچی ہیں جن کا تعلق براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

79 یہاں ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ سن 8 ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضروری و اہم اعلان کیا تھا جس میں کچھ قانونی شرائط بھی شامل تھیں۔ ایک یمنی باشندے ابوشاہ کے اصرار پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ فتح مکہ کی ایک تحریری نقل تیار کرنے اور اسے یمنی باشندے ابوشاہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔

80 ہم ترجمہ قرآن شریف بارے ایک واقعہ کا ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی کہ ہر مسلمان کو اپنی عبادت عربی زبان میں کرنی چاہیے۔ کچھ نومسلم فارسی باشندے اس وقت تک عبادت نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک کہ انہیں عربی تحریر یا قرآنی سورتیں زبانی یاد نہ ہو جائیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہ جن کا تعلق فارس سے تھا عربی زبان جانتے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت و منظوری سے ان نومسلم فارسی باشندوں کے لئے قرآن پاک کی پہلی سورۃ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور وہ نومسلم باشندے اس فارسی ترجمے سے تب تک استفادہ حاصل کرتے رہے جب تک کہ انہیں قرآنی تحریر زبانی ذہن نشین نہیں ہو گئی۔ (بحوالہ سرخسی کی ''المبسوط'' 1، 37، تاج الشریعہ کی ''النہایہ حاشیۃ الہدایہ''، باب صلوٰۃ)

81 ایسی کتب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی اس طرح کی دستاویزات پر مشتمل ہیں ہزاروں صفحات پر مبنی و محیط ہیں۔

82 اس امر کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عوامی و سماجی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''خدائے بزرگ و برتر نے مجھے معلّم بنا کر بھیجا ہے۔'' ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کروائی جس کے ایک حصے کو تعلیمی مقاصد کے لئے مخصوص و محفوظ کر دیا گیا۔ یہ مشہور و معروف مقام جو کہ صُفّہ کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا رات کے اوقات میں خواب گاہ اور دن کے اوقات میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے خطبہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا جو کہ اس سہولت سے مستفید و مستفیض ہونا چاہتے تھے۔ سن 2 ہجری میں جب کفارِ مکہ کو بدر کے مقام پر شکست

وہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے نتیجے میں کچھ کفار قیدی بنا لئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام وہ قیدی جو پڑھنا لکھنا جانتے ہیں ان میں سے ہر ایک قیدی دس مسلمان لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھا کر فدیہ ادا کرسکتا ہے۔ (بحوالہ ابنِ حنبلؒ اور ابنِ سعدؒ)۔ قرآن پاک میں بھی حکم دیا گیا ہے کہ دو چشم دید گواہوں کی تحریری دستاویزات کی تصدیق وتوثیق کے بعد ہی تجارتی لین دین عمل میں لایا جائے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 282 میں واضح طور پر حکم ربانی ہے کہ:

"جب تم کسی وقت مقرر تک آپس میں اُدھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو...... اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو۔ تا کہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے......"

یہ اور اس طرح کے دیگر اقدامات وانتظامات کے نتیجے میں مسلمانوں کی شرح خواندگی میں تیزی وسرعت سے خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ یہ بات حیرت انگیز وتعجب خیز نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ سے ہی اپنے عظیم ومعتبر رہنما وپیامبر کے اعلانات وخطبات کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے میں انتہائی دلچسپی رکھتے تھے۔ ہر نو آموز اور پُرخلوص نومسلم کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جوش وجذبہ اور وفاداری وجاں نثاری عظیم تر ہوتی تھی۔ اس بارے ایک امتیازی وانفرادی مثال یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین مکہ کی آبادکاری کے لئے مشہور ومعروف میثاق اخوت ومعاہدۂ مؤاخات کا حکم دیا اور اس کے تحت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک انصاری کے مؤاخاتی بھائی بنے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤاخاتی بھائی دونوں باری باری نخل کے ایک باغ میں کام کرتے تھے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کام پر جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے مؤاخاتی بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے اور شام کو وہ سب باتیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کرتے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سنی اور دیکھی ہوتی تھیں اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باری آتی تو آپ رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے۔ پس اس طرح دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہونے والی تمام باتوں سے باخبر رہتے تھے۔ مثلاً ان باتوں میں نئے قوانین کے نفاذ کا اعلان، سیاست اور حفاظت سے متعلق سوالات کے جوابات اور اسی طرح کی دوسری باتیں شامل ہوتی تھیں۔ جہاں تک حدیث پاک کی ترتیب وتدوین کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں درج ذیل واقعات اپنی مثال آپ ہیں۔

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تدوینِ حدیث:

﴿83﴾ الترمذی کے مطابق ایک دن ایک انصاری (مدینہ کا مسلمان) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس کی یادداشت بہت کمزور ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی وتبلیغی

خطبات بہت جلد بھول جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو۔'' (یعنی کہ لکھ لیا کرو)۔

84 الترمذی اور ابو داؤد وغیرہ اور ان جیسے بہت سے ذرائع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مکی مسلمان نوجوان حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات و فرمودات لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشری تقاضوں والے انسان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات مسرور و مطمئن اور خوش و خرم ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات برہمی یا غصے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں اس لئے کسی بھی شخص کے لئے یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ بلا امتیاز ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی تمام باتیں قلمبند کر لے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمودات قلمبند کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''جی ہاں''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تسلی کی خاطر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پھر دریافت کیا۔ ''حتیٰ کہ تب بھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاد و مسرور یا برہم ہی کیوں نہ ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''یقیناً! اللہ رب العزت کی قسم! اس منہ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں نکلا۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مرتب کردہ حدیث کی اس کتاب کو ''صحیفہ صادقہ'' کا نام دیا (جس کا مطلب ہے سچی کتاب)۔ کئی نسلوں تک یہ ایک انفرادی مجموعۂ حدیث کے طور پر پڑھائی اور آگے منتقل کی جاتی رہی لیکن بعد میں ابن حنبلؒ اور دوسرے فقہائے کرام نے اسے اپنے مرتب کردہ حدیث کے بڑے مجموعے میں شامل و ضم کر دیا۔ الدارمی اور عبدالحکم ایک ہی بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کے حصار میں موجود تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ''روم اور قسطنطنیہ میں سے کون سا شہر مسلمانوں سے پہلے فتح ہوگا؟'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک صندوقچہ اپنے پاس لانے کے لئے کہا۔ پھر اس میں سے ایک کتاب نکالی اور کچھ دیر تک اس کے صفحات پلٹتے رہے اور کچھ اس طرح پڑھا کہ ''ایک دن جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قلمبند کرنے کی غرض سے بیٹھے تھے کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''روم اور قسطنطنیہ میں سے کون سا شہر پہلے فتح ہوگا؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ''اولادِ ہرقل کا شہر۔'' اس بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ارشادات و فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قلمبند کرنے میں از حد دلچسپی رکھتے تھے۔

85 یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ نہایت خصوصیت و اہمیت کا حامل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے چند پڑھے لکھے افراد میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والدین نے آپ رضی اللہ عنہ کو صرف دس سال کی عمر میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی ملازم کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت انس ؓ آخری وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دن رات قیام کے دوران حضرت انس ؓ وہ سب کچھ سن اور دیکھ سکتے تھے جو کہ دوسرے صحابہ کرام ؓ کے لئے ممکن نہیں تھا۔ حضرت انس ؓ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ ''حکمت کو تحریر کے ذریعے مسخر کرو۔'' بعد ازاں حضرت انس ؓ کے ایک شاگرد کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم اصرار کرتے یا دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ہم زیادہ تعداد میں ہوتے تو حضرت انس ؓ اپنی کاغذی دستاویزات کو علیحدہ علیحدہ کرتے اور کہتے'' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ،فرمودات ہیں جو کہ میں نے قلمبند کیےاور پھر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا تا کہ اگر ان کی تصحیح و درستی کرنی ہو تو کر سکوں۔'' حضرت انس ؓ کا یہ اہم بیان نہ صرف عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران حدیث کی ترتیب و تدوین بارے ثبوت پیش کرتا ہے بلکہ ان احادیث مبارکہ کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق و توثیق اور مقابلہ و موازنہ کی گواہی بھی دیتا ہے۔ یہ واقعہ بہت سے مستند و معتبر فقہاء نے بیان کیا ہے جن میں الرامحرزی (وفات تقریباً 360 ہجری)، الحاکم (وفات 405 ہجری)، الخطیب البغدادی (وفات 463 ہجری) شامل ہیں اور ان عظیم فقہاء اور روایت سازوں نے پہلے ذرائع کا حوالہ بھی دیا ہے۔

صحابہ کرام ؓ کے ادوار میں حدیث کی ترتیب و تدوین:

(86) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بارے دلچسپی بڑھنا ایک قدرتی امر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ؓ نے اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کی بہتری و بھلائی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق وہ سب باتیں جو وہ جانتے تھے تحریری شکل میں چھوڑی ہیں۔ نو مسلموں کو اپنے مذہب اسلام کو سمجھنے اور اپنی علمی و دینی پیاس بجھانے کے لئے ذرائع کی ضرورت ہوتی تھی۔ وفات کی صورت میں ان صحابہ کرام ؓ کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہوتی جا رہی تھی جو کہ حدیث کا براہِ راست علم رکھتے تھے اور اس بات نے ان صحابہ کرام ؓ کے اندر یہ جستجو اور لگن اجاگر کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی یادداشتوں کو محفوظ کرنے کی طرف سنجیدگی سے خصوصی توجہ دیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و فرمودات بارے صحابہ کرام ؓ کے بیانات و سرگزشتوں پر مبنی حدیث کی متعدد کتابیں ترتیب دی گئیں۔ یقیناً یہ حدیث کے براہِ راست علم کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔

(87) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن حزم ؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو انہیں ان کے انتظامی فرائض بارے تحریری ہدایات دیں۔ حضرت عمرو ابن حزم ؓ نے یہ دستاویز محفوظ کر لی اور دیگر

اکیس دستاویزات کی نقول بھی حاصل کر لیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو جُہینہ، بنو طئ، بنو ثقیف، بنو جذام وغیرہ جیسے قبائل سے خطاب کیا تھا۔ اور انہیں سرکاری دستاویزات کے مجموعے کے طور پر ترتیب دے دیا۔ یہ دستاویزات ہم تک پہنچی ہیں۔ (بحوالہ ''اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین'' ابن طولون)۔

88 صحیح مسلم میں ہم پڑھتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حج مکہ مکرمہ بارے ایک ایسا شاہکار مرتب کیا کہ جس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور خطبۂ حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کیں۔ متعدد ذرائع صحیفۂ جابر رضی اللہ عنہ بارے بھی نشاندہی کرتے ہیں جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد زبانی یاد کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات و اعمال بارے بات کی گئی ہو۔

89 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ بارے بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے اہل و عیال کے فائدے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی یادداشتوں کو ترتیب دیا۔ ابنِ حجر رضی اللہ عنہ اس بارے بات کرتے ہوئے اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کا کام طویل اور کئی جلدوں پر مشتمل تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بہت کم سن تھے انہوں نے اپنے سے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی باتیں سیکھیں اور پھر اس مواد کو متعدد کتابوں کی صورت میں ترتیب دے دیا۔ تاریخ نویس بیان کرتے ہیں کہ بوقتِ وصال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریروں سے لدا ہوا ایک اونٹ بھی ترکے میں چھوڑا۔ ایک عظیم فقیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث پر مبنی ایک کتاب مرتب کی جسے آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے دوستوں و احباب کو دکھایا کرتے تھے۔ (بحوالہ الحاکم المستدرک، باب ابن مسعود رضی اللہ عنہ)۔

90 البخاریؒ کے بیان کے مطابق حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت المغیرہ ابن شعبان رضی اللہ عنہ خط و کتابت کے ذریعے حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارے کوئی بات یا معلومات دریافت کرتا تو تحریری شکل میں اس کا جواب دیتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سرکاری اہلکاروں اور دوستوں کے ساتھ بات چیت و گفت و شنید کا سلسلہ از خود شروع کیا۔ مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فیصلے بیان کیے کہ جن کا تعلق اس وقت کے مسائل سے تھا۔

91 درج ذیل بیان کے اندر علم کا ایک خزانہ پنہاں و مقید ہے اور اسے بہت سے ذرائع نے محفوظ کیا ہے (جیسا کہ ابن عبدالبرؒ ''جامع بیان العلم'')۔ ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ یہ چیزیں بتائی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ ضعیف العمر تھے

اور ان کی یادداشت بھی کمزور ہو چکی تھی انہوں نے وہ حدیث ماننے سے انکار کر دیا۔ تاہم جب آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد نے اصرار کیا کہ وہ حدیث اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے ہی سیکھی تھی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سیکھی ہے تو یہ ضرور میری تحریروں میں موجود ہو گی۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے گھر لے گئے۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پر مشتمل ''متعدد کتب'' دکھائیں اور آخر کار آپ رضی اللہ عنہ وہ حدیث ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے کہ جس کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر یہ حدیث تم نے مجھ سے سیکھی ہے تو یہ ضرور میری تحریروں میں موجود ہو گی۔ اس واقعہ میں ''متعدد کتب'' جیسے الفاظ و کلمات استعمال ہوئے ہیں جو کہ قابلِ ذکر و قابلِ توجہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن 59 ہجری میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد ہمام ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق 138 شاہکار احادیث سکھائیں (یا تحریری شکل میں دیں)۔ تحفظ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کام نصف صدی ہجری سے ایک صدی ہجری تک جاری و ساری رہا۔ یہ کام ہمارے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے جب ہم بعد ازاں مرتب کردہ کتب احادیث کا مقابلہ و موازنہ اس کام سے کرتے ہیں اور اس حقیقت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے کہ حدیث سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یادداشتوں کو بہت محتاط انداز میں محفوظ کیا گیا ہے تاکہ آئندہ نسلیں ان سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔

92 الذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 500 احادیث مبارکہ پر مشتمل ایک کتاب مرتب کی اور اسے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا لیکن اگلی صبح آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وہ کتاب واپس لے لی اور اسے یہ کہتے ہوئے تلف کر دیا کہ ''میں نے وہ لکھا جو میری سمجھ میں آیا، تاہم ایسا ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ چیزیں ایسی ہوں جو کہ تحریری لحاظ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ سے مطابقت و موافقت نہ رکھتی ہوں۔'' جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو معمر ابن راشد رضی اللہ عنہ ایک مستند بات بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے دورِ حکومت میں حدیث کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے اپنے رفقاء کرام رضی اللہ عنہم سے رائے طلب کی۔ سب نے اس خیال کی تائید کی۔ تاہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بارے مسلسل ہچکچاہٹ کا شکار رہے اور پورا ایک ماہ ربِ ذوالجلال سے ہدایت و رہنمائی (استخارہ) اور ذہن کو منور کرنے کی دعا و التجاء کرتے رہے۔ بالآخر آپ رضی اللہ عنہ نے حدیث کی ترتیب و تدوین کا خیال ترک کر دیا اور فرمایا کہ ''پہلے لوگ اصل الہامی کتب کو نظر انداز کر کے صرف پیغمبروں کے طور و اطوار پر توجہ دیتے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ قرآن پاک اور حدیث مبارکہ کے مابین غلط فہمی کے امکانات جنم لیں۔'' جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باضابطہ

بیانات جو کتابت وحفاظتِ حدیث بارے شواہد پیش کرتے ہیں ان کی تعداد بھی 50 سے کم نہیں ہے۔ یہاں تفصیل بیان کرنا بہت طویل ہو جائے گا۔

کتابتِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم بارے ممانعت:

93 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق آخری دو بیانات و واقعات اس حدیث کے اصل معانی و مفہوم پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ جس میں کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات وفرمودات کو قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اگر کتابتِ حدیث بارے حقیقتاً کوئی ممانعت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو اہم رفقاء کرام رضی اللہ عنہم حدیث کی ترتیب وتدوین بارے سوچنے کی جسارت ہی نہ کرتے اور جب ان دونوں خلفائے راشدین نے کتابتِ حدیث کے خیال کو ترک کر دیا تو ان کے پاس ان لوگوں کو خاموش کرانے کی کہ جو کتابتِ حدیث کی رائے کے حق میں تھے اس کے علاوہ اور کوئی معقول وجہ نہیں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کو قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ جہاں تک ہم علم رکھتے ہیں کہ حضرت ابوسعید الخدری، حضرت زید ابن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے علاوہ کوئی بھی دوسری چیز قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس حدیث کے سیاق وسباق اور نہ ہی اس کے موقع ومحل بارے کسی قسم کی کوئی معلومات ملتی ہیں۔ ہر شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوعمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ سن 5 ہجری میں یہ دونوں بمشکل 15 سال کے تھے۔ تاہم ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں ذہین وفطین ہوں۔ یہ قابلِ فہم بات ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد ابتدائی سالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ارشادات وفرمودات قلمبند کرنے سے منع فرمایا ہو۔ جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ہم نے ابھی دیکھا کہ انہوں نے خود حدیث کی متعدد کتب مرتب کیں۔ تاریخ اسلام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک پارسا ومتقی، اخلاقی اقدار کی پاسداری کرنے والے اور اصول پسند شخص کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی کہ اس طرح کے کردار واطوار کا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات سے بغاوت و انحراف کرسکتا ہے کہ جس کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر منع فرمایا ہو۔ سوائے اس کے کہ اس نے بعدازاں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس ممانعت کی تردید نہ سنی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن 7 ہجری میں یمن سے تشریف لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے ابتدائی دنوں میں انہیں قرآن پاک کے علاوہ کچھ بھی قلمبند کرنے سے منع فرمایا ہو اور بعد میں جب وہ ماہر قرآن بن گئے ہوں اور حدیث شریف اور قرآن پاک میں فرق کرنے کے قابل ہو گئے ہوں تو کتابتِ حدیث سے منع کرنے کی وجہ ختم ہوگئی ہو۔ ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ بھی یہ بات کرتے پائے گئے ہیں کہ ان کی ذاتی رائے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کے حوالے کے بغیر حدیث کو تحریری شکل میں مرتب نہیں کرنا چاہیے۔ پھر بھی جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ تعداد میں احادیث مبارکہ قلمبند کرنے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سبقت حاصل تھی کہ جنہوں نے حدیث کی تحریری طور پر ترسیل کی۔ ان لوگوں کے قول وفعل میں بظاہر تضاد (جو کہ ہمیشہ پارسا ومتقی ومتدین کی حیثیت سے جانے پہچانے گئے اور داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات بارے گہرا مشاہدہ رکھتے تھے) ہمارے اس خیال ومفروضہ کو پختہ کرتا ہے کہ کتابتِ حدیث کی ممانعت ایک خاص سیاق وسباق کے تحت کی گئی ہوگی جو کہ بیانات کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں متضاد احکام سے انکار کرنے کی بجائے ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(94) تین ممکنہ وضاحتیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں 1 ہوسکتا ہے کہ یہ انفرادی ممانعت ہو اور اس کا تعلق ان اشخاص سے ہو جنہوں نے نیا نیا لکھنا سیکھا ہو یا جنہوں نے نیا نیا قبول اسلام کیا ہو اور ان کے لئے قرآن پاک اور حدیث شریف میں فرق کرنا مشکل ہو اور بعد میں مہارت حاصل کرنے کی صورت میں یہ ممانعت ختم ہوگئی ہو۔ (مثال کے طور پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یمن سے تشریف لائے تھے اور شاید ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مسند یا حمیری رسم الخط میں مہارت حاصل کر لی ہو لیکن وہ عربی رسم الخط جو کہ اس وقت مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ میں رائج تھا اس میں ابھی ماہر نہ ہوئے ہوں۔) 2 یہ ہوسکتا ہے کہ اس کا واحد مقصد حدیث کو بھی انہی اوراق پر لکھنے سے منع کرنا ہو کہ جن پر پہلے سے قرآن پاک کی سورتیں لکھی ہوئی ہوں تاکہ قرآن پاک کی اصل آیات اور حدیث کے مابین پیدا ہونے والی غلط فہمی کو روکا جاسکے۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اس جانب اشارہ کرتے ہیں اور ہمارے پاس خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ باضابطہ حکم موجود ہے کہ جو انہوں نے حدیث کے اس خاص طرزِ تحریر کے خلاف دیا تھا۔ 3 ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خاص خطبات سے ہو مثلاً جس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے مستقبل یعنی اسلام کی عظیم روحانی اور سیاسی فتوحات بارے پیشین گوئیاں کی تھیں۔ یہ حکم اس خواہش کے تحت وجود میں آیا کہ قسمت وتقدیر پر یقین کچھ لوگوں کو جدوجہد اور کوشش وکاوش ترک کرنے کی طرف نہ لے جائے۔

(95) اس بارے دیگر وضاحتیں وتشریحات بھی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

مابعد صدیوں کی صورتِ حال

(96) شروع میں حدیث کی ترتیب وتدوین کا عمل چھوٹے پیمانے پر اور انفرادی تھا۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ اپنی یادداشتیں قلمبند کر رہا تھا۔ دوسری نسل میں جب شاگرد ایک سے زیادہ اساتذہ کے خطبات سنتے تو ان

کے لئے یادداشتوں کے مختلف ذرائع کے اختلاف کو مدِنظر رکھ کر ان کے کثیر التعداد ہونے کے باعث انہیں متعدد جلدوں کی شکل میں لکھ کر جمع کرنا قابل عمل ہوتا تھا۔ چند نسلوں بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام یادداشتیں اکٹھی کر لی گئیں اور بعد میں یہ کوشش بروئے کار لائی گئی کہ ان احادیث کو موضوع کے لحاظ سے الگ الگ کرلیا جائے۔ مزید یہ کہ قانونی و عدالتی اصولوں کے ساتھ ساتھ دوسرے سائنسی طریقہ ہائے کار کو بھی اخذ کر لیا جائے۔ قرآن پاک کی طرح حدیث بھی یہ تقاضہ کرتی تھی کہ ہر حدیث کو زبانی یاد کیا جائے اور زبانی یاد کرنے کے لئے کوئی بھی شخص تحریری مسودے کا سہارا لے سکتا تھا۔ حدیث کی تعلیم ماہر اور مستند و معتبر استاد سے لینا بھی ایک شرط تھی۔ تحفظِ حدیث کے اس تہرے طریقہ کار اور حفاظت کے عمل کو کچھ افراد انتہائی سختی و سنجیدگی کے ساتھ بروئے کار لائے جبکہ دوسروں نے اس جانب قدرے کم توجہ دی۔ لہٰذا اس معاملے میں مختلف اساتذہ کرام کی شخصیت اور ان کی اعتباریت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

97 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصے بعد احادیث مبارکہ کے راویوں نے متعلقہ حدیث کے حصول کے بنیادی ذریعے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے اور حدیث کے حصول کے ایک ذریعے کے بعد دوسرے ذریعے کو بیان کرنے کی عادت اپنالی۔ مثال کے طور پر البخاری رحمۃ اللہ علیہ کہیں گے۔ ''میرے استاد ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے کہا: میں نے اپنے استاد عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ کو کہتے سنا۔ میرے استاد معمر ابن راشد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتایا۔ مجھے میرے استاد ہمام ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا۔ میرے استاد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی۔ یہ اور اس طرح کی کئی چیزیں شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر بیان جو کہ اگر چہ چند الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے فقہاء کرام و ماہرینِ دین کے لگاتار و مسلسل حوالہ جات کے ایک جامع و مکمل سلسلے پر مشتمل ہوتا ہے۔ راویوں کے ایک انفرادی سلسلے میں جو کہ ابھی بیان کیا گیا ہمیں نہ صرف البخاری رحمۃ اللہ علیہ کی 'الصحیح' بلکہ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی 'مسند'، عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی 'مصنف'، معمر رحمۃ اللہ علیہ کی 'جامع'، ہمام ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے 'صحیفہ' کے حوالے بھی ملتے ہیں جس کے بارے محترم و مکرم صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمام ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہدایت کی تھی۔ ہمیں ان کاموں میں جو کہ خوش قسمتی سے اصل الفاظ میں ہی ہم تک پہنچے ہیں۔ اس سلسلۂ حوالہ جات سے متعلق بیانات ملتے ہیں۔ ان تمام مستند و معتبر ذرائع کی موجودگی میں یہ کہنا سراسر بے وقوفانہ و جاہلانہ مفروضہ اور تہمت و بہتان کے مترادف ہوگا (مثلاً) ''یہ کہ البخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بیان خود بنایا اور پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا یا خود ہی راویوں کا ایک سلسلہ گھڑا و تراشا'' یا عام طور پر عوامی اعتقادات کہ ''اپنے زمانے کی افواہوں کو اکٹھا کیا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا۔''

نتیجہ:

98 تحفظ کے تہرے طریقہ کار کے ذریعے اسلام کی مذہبی و دینی تعلیمات کو اول روز سے اب تک محفوظ کیا جاتا رہا ہے۔ اس طریقہ کار میں 1 زبانی یاد کرنا اور 2 کتابت کے ذریعے محفوظ کرنا اور 3 ماہر اساتذہ کی زیرِ نگرانی تعلیم حاصل کرنا شامل ہیں۔ ہر طریقہ کار ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے اور بیانات و ارشادات کی ضرورت و اہمیت کو تہرے طریقہ کار سے یقینی بناتا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ حدیث کے متعلق بھی یہ بات سچ ہے۔ حدیث بنیادی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال کی منظوری سے متعلق یادداشتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بانیٔ دین کی حیثیت سے بھی انتہائی کامیاب رہے۔ دراصل سن 10 ہجری میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں تقریباً ایک لاکھ 40 ہزار مسلمان حجاج کرام کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ (ان بہت سے لوگوں کو گنے بغیر جو کہ اس سال مکہ مکرمہ نہیں آئے تھے)۔ سیرت نگار اور سوانح نگار یقین سے کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک بھی واقعہ بیان کیا ہے۔ واقعات کے دوبارہ بیان پر پابندی عائد کی گئی ہے لیکن متعدد ذرائع کا ایک ہی واقعہ کو بیان کرنا اس کو اور زیادہ پُر یقین و قابلِ بھروسہ بناتا ہے۔ ہمارے پاس داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق تقریباً دس ہزار احادیث (اعادہ کے بغیر) کے بیانات موجود ہیں اور ان تمام احادیث کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے شاگردوں کو روحانی و دنیاوی دونوں قسم کے معاملات بارے دی گئی ہدایات سے ہے۔



باب 3

اسلامی نظریۂ حیات

99 کسی معاشرے، قوم یا تہذیب کی طاقت وقوت اور اہمیت وحیثیت کا زیادہ انحصار نظریاتی اور عملی فلسفۂ حیات پر ہوتا ہے۔ انسان قدرتی وفطری طور پر سب سے پہلے اپنے ذاتی وانفرادی مفادات بارے سوچتا ہے۔ بعد ازاں اپنے قریب ونزدیک ترین رشتہ داروں بارے فکر کرتا ہے جبکہ دوسروں کے مفادات کو بمشکل ہی زیر غور لاتا ہے۔ تاہم ہر دور میں افراد واشخاص کا ایک ایسا گروپ اور گروہ رہا ہے جس نے واضح طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز ومنفرد ثابت کیا ہے۔ جب ہم ماضی کی قدیم تہذیبوں کے خدوخال اور خصوصیات و خصائص کا مطالعہ کرتے ہیں (ہوسکتا ہے کہ اب ہم اک نئی تہذیب کی طلوع سحر کے لحات میں ہوں) تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں تہذیب وتمدن کے حوالے سے کسی ایک گروپ نے مشعل بردار اور رہبر ورہنما کے طور پر نمایاں کام کیا ہے لیکن اس کا یہ مفہوم بھی نہیں کہ دوسرے گروپ غیر مہذب اور بد تہذیب تھے۔ تہذیبوں کی درجہ بندی میں متابعتاً ایک گروپ کو دوسرے پر قدرے برتری رہی ہے مثلاً جب قدیم سامی منظر عام پر آئے اور انہوں نے اپنے شاندار تہذیب وتمدن کو عروج وترقی سے ہمکنار کیا تو اس وقت کئی دوسری ہم عصر اقوام بھی شاید مکمل طور پر انہی کی طرح تہذیب یافتہ تھیں مگر انہیں اپنے عمل وکردار کے اظہار کے لئے مناسب میدان اور موزوں موقع میسر نہیں آیا تھا۔ عربی، اسلامی دور میں اگرچہ یونانی، رومی، چینی، ہندوستانی اور دوسری تہذیب یافتہ اقوام کی تمام تر خصوصیات کے حامل تھے مگر وہ اپنے دور کی ارفع واعلیٰ معیار کی حامل تہذیب کے مقابلے میں ان جیسی بلندی ورفعت حاصل نہ کرسکے تاہم اس تمام تر ترقی کے باوجود کرۂ ارض کے کچھ حصوں میں اب بھی وحشیانہ تہذیب کے حامل گروپ موجود ہیں اگرچہ وہ حقیقی طور پر آدم خور نہ ہوں۔

100 سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایک قوم کی تہذیب وتمدن کی ترقی انتہائی تیزی وبرق رفتاری سے ہوئی جبکہ دوسری کی سست رہی؟ اس دور میں جبکہ یونانی شاندار تہذیب وتمدن کی رفعتوں سے بہرہ ور تھے مغربی یورپ والے وحشی وجنگلی کیوں تھے؟ جب عرب والے شان وشوکت کی بلندیوں کو چھو رہے تھے تو روس والے وحشی وحیوانی تہذیب کے حامل کیوں تھے؟ یہی سوال مختلف ادوار میں مختلف ممالک کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ خالصتاً موقع وحالات کا معاملہ ہے؟ یا کیا یہ اس حقیقت کے باعث ہے کہ دوسرے انسانی گروہوں کی نسبت کسی ایک انسانی گروہ میں انتہائی اعلیٰ وارفع کردار اور شرافت ونجابت کی حامل شخصیات نے جنم لیا؟ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی ممکنہ تشریحات وتوضیحات بھی ہوں جن کی بنیاد مختلف اور پیچیدہ وجوہات پر ہو اور جن کا تعلق چند

افراد کی کارکردگی اور افعال و اعمال سے ہو، یا احساسِ مایوسی و محرومی و ناامیدی سے ہو اور حتیٰ کہ ایک کا دوسرے کو ختم کرنے سے ہو۔

﴿101﴾ ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ شان و شوکت کی وقتی حالت کے بعد لوگ کیوں ایک نئی مبہم، غیر واضح اور غیر معروف صورتِ حال میں داخل ہو جاتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ پھر کیوں نیم وحشیانہ حالت اختیار کر لیتے ہیں؟

﴿102﴾ ہماری تجویز یہ ہے کہ تہذیب کے حوالے سے ان سوالات کی تحقیق و تفتیش ہم عصر اسلام کے تناظر میں کی جائے اور اگر ممکن ہو تو متعلقہ تہذیب کی بقاء کے امکانات کو زیرِ بحث لایا جائے۔

﴿103﴾ اگر کوئی ابن خلدون پر یقین کرے تو حیاتیاتی عنصر اس کی بنیادی وجہ ہے۔ ایک نسل اپنے اختتام پر اپنی قوت و طاقت اور اہمیت و حیثیت کھو دیتی ہے۔ یوں اس کی بحالی کے لئے اشخاص و افراد میں کم از کم ضرور تبدیلی آنا چاہیے۔ اس نسلی نظریہ کو اگر علمی مبالغہ ہی سمجھ لیا جائے تو پھر بھی یہ مذہبی تہذیبوں کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ان مذاہب پر اثر انداز ہو سکتا ہے جو تبدیلی و تغیر قبول نہیں کرتے۔ خوش قسمتی و خوش بختی سے اسلام تنزلی کی اس گردش سے محفوظ و مامون ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے ہر نسل میں پائے جاتے ہیں اور یہ رُوئے زمین پر ہر جگہ تھوڑی یا زیادہ ترقی کا عمل جاری و ساری رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ متفقہ طور پر تسلیم شدہ امر ہے کہ اسلام نسلی و قومی امتیاز و تمیز اور بغض و عناد پر یقین نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کسی بھی نسل اور قوم کے افراد کو اپنا لیڈر اور علم بردار قبول کر لیتا ہے۔ قرآن الحکیم میں غلاموں کو منظم طریقے سے آزاد کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کی ایک شاندار مثال پیش کرتا ہے۔ درحقیقت تاریخ میں کئی مسلمان حکمران ایسے گزرے ہیں جو خالصتاً نو آزاد کردہ غلاموں کی نسل سے تھے۔

﴿104﴾ تہذیب کی موت و حیات کا انحصار مساوی طور پر اس کی بنیادی تعلیمات و اخلاقیات و افادات پر ہے۔ اگر وہ اپنے پیروکاروں کو دنیا ترک کرنے کی دعوت دیتی ہے تو وہ یقیناً روحانی طور پر عظیم ترقی کریں گے تاہم انسان کے تشکیلی اجزاء (جسم، ذہنی و فکری صلاحیتیں وغیرہ) کو ان کے فطری فرائض کی ادائیگی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یوں وہ اپنے جوبن پر آنے سے پہلے ہی مر جائیں گے۔ اور اگر تہذیب، زندگی کے مادی پہلوؤں پر زور دے گی تو انسان مادی میدان میں بہت ترقی کرے گا جبکہ دوسرے پہلوؤں کی اسے قربانی دینا ہو گی۔ اس طرح اس قسم کی تہذیب اس کے لئے ایسی چھڑی کی مانند ہو گی جو الٹا اس کے منہ پر آ لگے گی اور یوں تہذیب اپنی موت آپ مر جائے گی کیونکہ مادیت پرستی اکثر و بیشتر ذاتی مفاد پرستی و خود غرضی کو جنم دیتی ہے جس سے انسان دوسروں کے حقوق کا احترام نہیں کرتا۔ یوں اس کے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو انتقامی کارروائی کے لئے موقع کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ باہمی موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں دو رہزنوں کی کہانی کافی مشہور و معروف ہے۔ انہیں جنگل میں خزانہ ملا۔ ان میں سے ایک شہر سے اشیائے خوردنی لینے گیا

جبکہ دوسرے نے کھانا تیار کرنے کے لئے جنگل سے لکڑیاں اکٹھا کرنا شروع کیں۔ تاہم ان دونوں میں سے ہر ایک نے دل میں یہی ارادہ کرلیا کہ دوسرے سے چھٹکارا حاصل کیا جائے تاکہ اس ناجائز دولت کا وہ واحد مالک بن جائے۔ چنانچہ جو سامانِ خورد ونوش خریدنے گیا تھا اس نے اس میں زہر ملا دیا جبکہ اس کا دوسرا ساتھی جنگل میں گھات لگا کر بیٹھ گیا اور جیسے ہی پہلا ساتھی شہر سے سامان خرید کر واپس لوٹا تو دوسرے نے پہلے کو قتل کر ڈالا۔ لیکن جب دوسرے نے کھانا کھایا تو وہ بھی دوسرے جہان میں اس سے جا ملا جبکہ خزانہ وہیں پڑا رہا۔

﴿105﴾ تہذیب میں ایک اور خلقی و پیدائشی خامی ہوسکتی ہے جب اس کی تعلیمات و اخلاقیات ترقی و ارتقاء اور حالات کے مطابق ڈھلنے کی جبلی صلاحیت سے محروم ہوتی ہیں۔ کسی ایک دور یا ماحول کے لئے اس کی تعلیمات و اخلاقیات بہت اعلیٰ و عمدہ ہوسکتی ہیں جبکہ کسی دوسرے دور یا ماحول کے لئے نہیں ہوسکتیں چنانچہ دوسرے دور والے ان تعلیمات و اخلاقیات پر فریفتہ ہوں گے تو وہ ان کے لئے مہلک ثابت ہوں گی۔ ایک عام سی مثال اس نکتہ کو واضح اور روشن کرے گی۔ ایک وقت تھا جب بجلی کی روشنی میسر نہیں تھی اور دینی رسومات کی ادائیگی کے مراکز (مسجد، معبد وغیرہ) کے کوئی ٹھوس اور مستقل آمدنی کے ذرائع بھی نہیں تھے تو ان مذہبی مقامات پر خصوصاً رات کے اوقات میں ایک موم بتی روشن کرنا یقیناً نیکی کا کام تھا۔ اس عقیدہ کی کسی صورت مخالفت نہیں کی جاسکتی کہ کسی پشیمان و نادم فرد کے لئے نیکی کا ایک عمل بھی کفارہ و تلافی کا باعث ہوسکتا ہے اور خدا یا خدا کے کسی بندے کے خلاف کیا گیا اس کا کوئی غلط عمل اور بُرا فعل اپنا نقصان دہ اثر کھو سکتا ہے جبکہ اس کا مداوا کسی اور طریقہ سے ہونا مشکل تھا لیکن کیا ایسے مقام پر موم بتی جلانا کہ جو پہلے ہی بجلی کے قمقموں سے ازحد روشن و منور ہو محض ضیاع و زیاں نہیں؟ آیئے اسلام کا ان حالات و کیفیات کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں۔

اسلام کی نظریاتی بنیاد:

﴿106﴾ یہ ایک معروف و مشہور امر ہے کہ دینِ اسلام کا نصب العین اور مقصد و محور دین و دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد رب العالمین ہے کہ:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 201)

ترجمہ "اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

اسلام یقینی طور پر دونوں قسم کے انتہا پسندوں کو مطمئن نہیں کرتا۔ اول روحانیت پرست انتہا پسند جو کہ تمام دنیاوی نعمتوں سے کنارہ کشی کر کے نفس کشی کو فرض عین سمجھتے ہیں۔ دوم مادیت پرست انتہا پسند جو دوسروں کے حقوق و

مفادات پر قطعی یقین نہیں رکھتے تاہم بنی نوع انسان کی واضح اکثریت درمیانی راستہ اختیار کرتی ہے اور کوشش و کاوش کرتی ہے کہ روح اور جسم میں بیک وقت ہم آہنگی پیدا کر کے اکملیت حاصل کی جائے۔ اسلام جسم اور روح دونوں کی اہمیت و حیثیت پر زور دیتا ہے کیونکہ انسان انہی دو اجزاء کا مرقع و مجموعہ ہے چنانچہ ایک مفاد کے لئے دوسرے کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اسلام مذہبی و روحانی فرائض اور عبادات تجویز و مقرر کرتا ہے تو اس میں مادی مفادات بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسلام کسی دنیاوی مفاد کے حصول کے لئے عمل کی اجازت دیتا ہے تو وہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ عمل کس طرح روحانی تسکین و اطمینان کا ذریعہ بھی ہوسکتا ہے۔ نیچے دی گئی مثالیں اس دلیل کی وضاحت کریں گی۔

﴿107﴾ ہر شخص اس بات سے اتفاق کرے گا کہ روحانی عبادات کا واحد مقصد ذات واجب الوجود کے قرب کا حصول ہے۔ وہ ذات پاک جو خالق و مالک ہے اور اسی کی خوشی و خوشنودی کا حصول ہمارا مقصود ہے۔ چنانچہ انسان کی کوشش و کاوش ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو رب وحدہٗ لاشریک کے رنگ میں رنگ لے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 138)

ترجمہ ”اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔“

حدیث مبارکہ کے مطابق انسان دیکھے تو اللہ کی آنکھ سے دیکھے، بولے تو اللہ کی زبان سے بولے اور خواہش و آرزو کرے تو اللہ کی مرضی و منشاء سے کرے۔ مختصر یہ کہ انسان کا تمام تر قول و فعل اور رویہ و معاملہ مکمل طور پر رب تعالیٰ کی مشیت و مرضی کے مطابق ہو اور وہ اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کا بہتر استعمال کرتے ہوئے رب کریم و رحیم کی اطاعت کرے۔ ایک مومن کو قرآن کے ربانی احکامات کے مطابق لازماً ان اوقات میں روزہ رکھنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں۔ خدا کی اطاعت ہی بنفسہ نیکی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ روزہ جسم کو کمزور کرتا ہے جس سے مادی خواہشات کا خاتمہ ہو کر نفس کشی ہوتی ہے۔ اس طرح مومن روحانی ارتقا محسوس کرتا ہے، رب عظیم و کریم بارے سوچتا ہے، اس بارے سوچتا ہے جو رب رحمٰن و رحیم ہمارے لئے کرتا ہے۔ یوں مومن انسان دوسرے روحانی مفادات سے مستفید ہوتا ہے لیکن روزہ مادی فوائد کا بھی حامل ہے۔ جب ایک مومن روزہ کے دوران بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو غدودوں سے خارج ہونے والے تیزابی مادے، معدے میں موجود بیماری کا سبب بننے والے کئی مائیکروب اور بیکٹیریا کو مار دیتے ہیں۔ اسی طرح روزہ دار بحرانی لمحات میں محرومیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت و قوت پیدا کر لیتا ہے۔ یوں وہ خراب حالات میں بھی پریشان ہوئے بغیر اپنے معمول کے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص محض مادی مقاصد کے تحت روزہ رکھتا ہے تو اس کی کوئی

روحانی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی تاہم اگر کوئی فرد رب العالمین کی خوشی وخوشنودی کے لئے روزہ رکھتا ہے تو اس کے مادی فوائد کبھی بھی ضائع نہیں ہوتے۔ کسی طویل اور تفصیلی بحث میں پڑے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام دوسرے روحانی افعال یا اسلامی عبادات کا اسی طرح دوہرا اثر ہوتا ہے ایک روحانی جبکہ دوسرا دنیاوی ہوتا ہے۔ یہی صورت حال عبادات و پرستش کی ہے چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔ یہی کیفیت حج بیت اللہ کے دوران ہوتی ہے جب انسان اپنی ذات کی نفی کرتا ہے۔ غریبوں کی مدد و معاونت اور دوسری مذہبی و روحانی عبادات کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ یہ سب اعمال و افعال دوہرا اثر (روحانی، دنیاوی) رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کوئی عمل خالصتاً رب کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اس کی دوہری قدر و قیمت اور اہمیت وحیثیت ہوتی ہے۔ مادی مفادات کا نقصان بھی نہیں ہوتا اور روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی فرد وہی کام محض مادی مقصد کے تحت کرتا ہے تو وہ اپنا یہ مقصد تو حاصل کر لیتا ہے لیکن روحانی مفادات وفوائد سے محروم رہتا ہے۔ آیئے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور ومعروف حدیث کو یاد کرتے ہیں کہ ''یقیناً اعمال کا دارومدار محض مقاصد اور ارادوں پر ہوتا ہے۔''

(108) ٹیکس یا جنگ جیسے دنیاوی اعمال وافعال پر بات کریں تو یہ واضح ہے کہ ایک فرد، حکومتِ وقت کو ٹیکس ادا کرتا ہے۔ یہ بات حیرت آفریں نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام اس عمل کو ایمان کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن گردانتا ہے۔ یہ عمل بھی اسی طرح اہم ہے جیسا کہ عقیدۂ توحید و رسالت، نماز، روزہ اور حج ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں زکوٰۃ کا مفہوم خیرات نہیں ہے۔ یہ زرعی پیداوار، معدنیات کے اخراج وحصول، تجارت، مال مویشی وغیرہ پر ایک ٹیکس ہے جسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ جہاں تک اس کے استعمال اور خرچ کا تعلق ہے قرآن پاک واضح طور پر ہدایت کرتا ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ، آیت:60)

ترجمہ: ''زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس (زکوٰۃ) کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ روحانی اور دنیاوی عمل ومفاد کو ایک ہی لفظ میں سمو دیا گیا ہے۔ کوئی بھی فرد اس ٹیکس کو معاشرتی وسماجی فریضہ کے طور پر نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کے لئے ادا کرتا ہے۔ جب اس ٹیکس کی ادائیگی اس

کے ذہن میں اس مقدس فرض کے طور پر اُبھرتی ہے ایک ایسا فرض جو رب کائنات کی جانب سے اگایا گیا ہے وہ رب العالمین جس سے کوئی چیز نہیں چھپائی جاسکتی اور مزید یہ کہ وہ ہمیں موت کے بعد زندہ کرنے کی صلاحیت و طاقت رکھتا ہے اور پھر وہ ہم سے ہمارے اعمال وافعال بارے جواب طلب کرے گا۔ تو وہ شخص با آسانی سمجھ جاتا ہے کہ کس قدر احتیاط اور صحیح حساب ومقدار کے ساتھ وہ اپنے واجبات ادا کر کے اپنے اس فریضہ سے عہدہ براء ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں صرف خدا کے راستے کے علاوہ جنگ کرنا ممنوع ہے اور یہ سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں کہ ایسا سپاہی ومجاہد زخدا انسانیت دوست ہوگا اور وہ اپنی زندگی کو کسی دنیاوی مفاد کی خاطر خطرے میں ڈالنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ دنیاوی فرائض کو روحانی رنگ دینے کا مقصد اسلام کے نزدیک محض اتنا ہے کہ انسان کا روحانی پہلو مضبوط ومستحکم کیا جائے تاکہ وہ مادی چیز سے مادی مفاد حاصل کرنے کی خواہش کرنے کی بجائے صرف اور صرف خدا کی خوشی وخوشنودی کا طالب ہو۔ عظیم روحانی مفکر اور ممتاز صوفی بزرگ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ قطعی مبالغہ نہیں کرتے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عبادت وریاضت یا نماز وروزہ میں ظاہری ونمائشی پہلو کو مدنظر رکھتا ہے تو وہ شرک کرتا ہے کیونکہ اس طرح وہ اپنی ذات کی پرستش کرتا ہے، رب وحدہٗ لاشریک کی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی فرد اپنی بیوی کے ساتھ 'وظیفہ زوجیت' ادا کرتا ہے اور اس کا یہ عمل جسمانی وشہوانی لطف اندوزی کی بجائے محض خدا کی جانب سے عائد کردہ فرض کی ادائیگی کی نیت سے ہوتا ہے تو پھر اس کا یہ عمل نیکی واطاعت کے سوا کچھ نہیں جس سے وہ خدا کی خوشنودی اور جزا کا حق دار بنتا ہے۔

﴿109﴾ نظریۂ حیات بارے قرآن پاک اکثر وبیشتر دہرا فارمولا استعمال کرتا ہے یعنی ''خدا پر ایمان لے آؤ اور نیک اعمال کرو۔'' محض خدا اور خدائی احکامات پر ایمان رکھنا مگر ان پر عمل نہ کرنا کوئی قدر وقیمت اور اہمیت وحیثیت نہیں رکھتا۔ اسلام جس طرح ایمان لانے پر زور دیتا ہے اسی طرح عمل کرنے پر بھی اصرار کرتا ہے۔ گویا ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں۔ معاشرے کی بھلائی کے نقطہ نظر سے اچھے اعمال، خدا پر ایمان لائے بغیر یقینی طور پر بُرے اعمال کی نسبت قابلِ ترجیح ہو سکتے ہیں مگر جہاں تک مذہبی وروحانی نکتۂ نظر کا تعلق ہے، ایمان کے بغیر نیک عمل آخرت میں نجات کا کسی صورت باعث نہیں بن سکتا۔

﴿110﴾ لیکن اچھائی اور بُرائی میں تمیز کیسے کی جائے؟ سب سے پہلے تو قانونِ قرآن ہی اول معیار ہے لیکن آخری کوشش کے طور پر کسی کا ضمیر ہی اس کا ثالث ومنصف ہو سکتا ہے۔ جب کوئی مسئلہ جنم لیتا ہے تو اسلامی قانون سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ذاتی طور پر ایسا کر سکتا ہے تو درست ہے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو ضرورت کے مطابق وہ کسی صاحبِ علم اور ماہرِ قانون کی مدد لے سکتا ہے۔ تاہم فقیہ یا مشیر وماہر قانون انہی حقائق کی بنیاد پر مشورہ دے گا جو اس کے علم میں لائے جائیں گے۔ اگر چند ٹھوس اور مادی حقائق اس سے پوشیدہ رکھے جائیں گے چاہے ایسا ارادی طور پر ہو یا غیر ارادی طور پر ہو تو اس کے نتیجہ میں ہونے والی ناانصافی کا ذمہ دار قانون کو قطعی نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ہم معلّم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خوب صورت اور مختصر خطاب کا

حوالہ دے سکتے ہیں۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگو! مجھ تک جو شکایات پہنچتی ہیں میں ان کا فیصلہ ان حقائق کی بنیاد پر کرتا ہوں جو میرے علم میں لائے جاتے ہیں۔ اگر مکمل معلومات کی عدم فراہمی کے باعث میں کسی اس شخص کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں جو اس کا مستحق نہیں ہوتا تو اسے بتا دو کہ میں نے اسے دوزخ کی آگ کا ایک حصہ دے دیا ہے۔" ایک اسلامی عدالتی مقولہ بھی اسی بات پر زور دیتا ہے جس کے مطابق "اگر مشیر قانون (فقیہ) تمہیں جواز اور توجیہ (فیصلہ) مہیا کر بھی دے تو پھر بھی تم اپنے ضمیر سے مشورہ کرو۔"
(الحدیث، ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ، الدارمی رحمتہ اللہ علیہ)

111 دوسروں کے بارے کبھی نہ سوچنا اور صرف اپنی ذات بارے ہی فکر کرنا انسانی نہیں بلکہ حیوانی عمل ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد دوسروں کے بارے سوچنا عمومی اور جائز فعل ہے۔ تاہم قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ الحشر، آیت:9)

ترجمہ "اور وہ (مال) ان کے لئے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے۔ جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو۔ اور جو اپنے نفس کی لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔"

یقینی طور پر یہ ایک سفارش ہے اور ایک عام شخص پر لازمی فریضہ نہیں۔ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو وہ مجرم یا گنہگار نہیں ہوگا۔ اسی سفارش کے تناظر میں ہم داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور قول کا حوالہ دے سکتے ہیں۔ "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔"

112 قرآنی ہدایت وحکم کو دینِ اسلام کی ممتاز و منفرد خوبی سمجھنا چاہیے۔ ارشادِ رب العزت ہے کہ:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

(سورۃ الضحیٰ، آیت:11)

ترجمہ "اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان (نعمت) کا ذکر کیا کرو۔"

ترمذی نے معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ بیان کی ہے جو اس کی متاثر کن انداز میں وضاحت کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رب العالمین اپنی مخلوق پر اپنی عطا و

عنایت کی جھلک و چمک دیکھنا پسند فرماتا ہے۔'' ایسا ہوا کہ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کے لئے آئے تو انہوں نے گھٹیا اور کم قیمت پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی حالانکہ وہ ایک امیر فرد تھے۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواباً کہا کہ اس نے ایک مصیبت زدہ نظر آنے کو ترجیح دی۔ اس نے ایسا کنجوسی کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ نیکی کی وجہ سے کیونکہ وہ ایک ضرورت مند کو اپنی ذات پر فوقیت دیتا ہے۔ ہادیٔ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس عمل کی توثیق نہیں کی بلکہ ذاتی قربانی کی ایک حد مقرر کرتے ہوئے حکم دیا کہ ''جب رب العزت نے تمہیں وسائل دیئے ہیں تو اس کی عطا و عنایت کے آثار تم پر نمایاں طور پر نظر آنا چاہئیں۔'' (ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ) قرآن حکیم مزید ہدایت و حکم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

(سورۃ القصص، آیت: 77 درمیانی حصہ)

ترجمہ ''اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول۔''

اسلام اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ کام نہ کرو اور روزی نہ کماؤ اور یوں دوسروں کے مال پر زندہ رہو بلکہ اس کے برعکس ہر فرد کو رب قادر و قدیر کی تمام مخلوقات سے اپنی لیاقت و اہلیت استعمال کرتے ہوئے جائز فائدہ و مفاد ضرور حاصل کرنا چاہیے اور وہ جس قدر ممکن ہو سکے حاصل کرے تاہم جو اس کی ضروریات سے زائد ہو اس سے ضرورت و حاجت مندوں کی مدد کرے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شک و شبہ کے بغیر واضح طور پر فرمایا کہ ''یہ بہتر ہے کہ تم اپنے پیچھے اپنے رشتہ داروں کو خوشحال چھوڑ جاؤ۔ بجائے اس کے کہ وہ دوسروں سے خیرات مانگ کر احسان مند ہوں۔'' روزانہ کی بھاری عبادات کے باوجود اسلام نفس کشی یا رضا کارانہ تکلیف و خود ساختہ پریشانی کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کے برعکس قرآن مجید فرقان حمید ان لوگوں کی ملامت کرتا ہے جو ایسا رویہ و طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف، آیت: 32)

ترجمہ ''کہہ دو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور کس نے کھانے کی صاف ستھری چیزیں (حرام کیں) کہہ دو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ قیامت کے روز خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی اسی طرح

ہم آیات مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔"

جو نعمتیں رب العالمین کے قانون کے مطابق انسان کے استعمال اور مفاد کے لئے جائز قرار دی گئی ہیں ان سے رضا کارانہ وخود ساختہ انکار نیکی کا عمل نہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ان چیزوں کا استعمال نیکی نہیں جو ممنوع قرار دی گئی ہیں۔

اللہ پر ایمان:

(113) انسان ہمیشہ اپنے خالق کی تلاش میں رہا ہے تاکہ اس کی اطاعت کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر دور کے بہترین مذہبی پیشواؤں نے چند اصولِ عمل متعین کیے ہیں۔ ازمنۂ قدیم وعہد رفتہ کے لوگ خدا کی طاقت وقوت اور الطاف وکرم کے مظاہرہ کی پرستش کرتے تھے تاکہ خدا کو خوش کر سکیں۔ کچھ دوسرے دو مختلف خداؤں پر یقین رکھتے تھے ایک خوراک کا خدا جبکہ دوسرا بڑائی کا خدا۔ تاہم وہ اس امر کو نظر انداز کر جاتے تھے کہ اس قسم کی درجہ بندی کا منطقی نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ خداؤں کے مابین خانہ جنگی ہو سکتی ہے۔ کچھ اور لوگ خدا کو پُراسراریت کے لبادہ میں ڈھانپ لیتے تھے جس سے بعض اوقات خدا کی ذات سربستہ راز بن جاتی تھی۔ اور کچھ ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے اس حوالے سے علامتوں، فارمولوں یا اشاروں کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے افراد کے مذہبی تصورات کو بت پرستی یا شرک سے بمشکل ہی متفرق قرار دیا جا سکتا ہے۔

(114) اس میدان میں اسلام اپنی انفرادیت اور مخصوص شناخت رکھتا ہے۔ اسلام خدا کی مطلق وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور ایک ایسی عبادت و پرستش (نماز) کی صورت تجویز کرتا ہے کہ جو نہ تو کسی مجسمہ وتصویر کو قبول کرتی ہے اور نہ ہی علامات وارشادات پر یقین رکھتی ہے کیونکہ اسلام انہیں فرسودہ ودقیانوسی نظام اور بت پرستی کی باقیات سمجھتا ہے۔ اسلام میں خدا نہ صرف ماورائے ادراک اور غیر مادی ہے بلکہ وہ ہر جگہ موجود اور قادر مطلق ہے۔ قرآن پاک واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

(سورۃ الانعام، آیت: 103)

ترجمہ "اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے۔"

اسی طرح:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾

(سورۃ ق، آیت: 16 آخری حصہ)

ترجمہ "اور ہم اس (انسان) سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

مزید یہ کہ:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۖ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(سورۃ المجادلہ، آیت: 7)

ترجمہ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ (اللہ) چوتھا ہوتا ہے اور جو (مشورہ) پانچ میں ہوتا ہے تو وہ (اللہ) چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر انہیں قیامت کے دن بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

انسان اور خالق کے درمیان تعلق اور رابطہ بلا واسطہ اور ذاتی ہے جسے کسی درمیانی وسیلے اور رابطہ کار کی ضرورت نہیں۔ حتیٰ کہ اولیاء وانبیاء بھی محض رہبر و رہنما اور پیغام و پیمبر ہیں اور یہ بات ہر انسان کی مرضی ومنشاء پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اپنا انتخاب (صحیح یا غلط راستے کا) خود کرے اور وہ خدا کے رُوبرو بلا واسطہ جوابدہ ہے۔

(115) یہ امر واضح ہے کہ اسلام فرد کی شخصیت کی تشکیل وترقی چاہتا ہے۔ اسلام اس بات کو قبول کرتا ہے کہ انسان میں خامیاں اور کمزوریاں ہیں کیونکہ اسے بیک وقت اچھائی اور بُرائی کی صلاحیتوں کے ساتھ تشکیل دیا گیا ہے تاہم اسلام یہ نہیں مانتا کہ انسان میں فطری وقدرتی طور پر گناہ کا عنصر ہوتا ہے کیونکہ یہ تو پھر نا انصافی ہوئی۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تھی تو اس کی ذمہ داری آنے والی نسلوں پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ ہر شخص صرف اور صرف اپنے فعل وعمل کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

(116) اپنی خامی وکمزوری کی وجہ سے انسان اپنے رب کے خلاف یا دوسرے انسانوں کے خلاف جرائم کا ارتکاب کرسکتا ہے۔ اصولی طور پر ہر جرم کی اس کے تناسب کے مطابق سزا ہے تاہم اسلام معافی کے امکان کو تسلیم کرتا ہے۔ معافی، توبہ و پچھتاوے اور تاوان وتلافی پر دی جا سکتی ہے۔ جہاں تک انسانوں کے خلاف جرائم کا تعلق ہے ان میں ممکن حد تک ترمیم وتصحیح کی جانی چاہیے تاکہ متاثرہ شخص یا تو رحم دلی سے معافی دے دے یا اسے وہ چیز دے دی جائے جو اس سے چھینی گئی ہے یا اس کا متبادل دے دیا جائے یا اسی طرح کا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔ جہاں تک خدا کے خلاف جرائم کا تعلق ہے تو انسان یا تو مناسب وموزوں سزا پا سکتا ہے یا رب رحمٰن و رحیم اسے اپنی رحمت وعنایت سے معاف کر سکتا ہے۔ اسلام اس بات کو نہیں مانتا کہ خدا کو پہلے چند معصوم افراد کو سزا دینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بعد میں وہ پچھتاوا کرنے والے گنہگاروں کو معاف کر سکے۔ اس طرح خدا کی

جانب سے یہ بالواسطہ سزا ناانصافی کے زمرے میں آئے گی۔

معاشرہ:

117 اسلام جہاں انسان میں انفرادی ترقی کا آرزومند ہے وہاں معاشرتی اجتماعیت بھی چاہتا ہے۔ یہ بات اسلام کے تمام احکامات (چاہے وہ مذہبی وروحانی ہوں یا دنیاوی ودنیوی ہوں) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ نماز اصولی طور پر اجتماعی عبادت ہے۔ ضرورت کے تحت روزانہ کی نماز پنجگانہ میں استثنا ہے مگر ہفتہ وار اور سالانہ نمازوں میں اجتماعیت ضروری ہے۔ حج ایک اور واضح اور روشن مثال ہے کیونکہ اس میں مسلمان دنیا کے تمام علاقوں سے آکر ایک ہی مقام پر جمع ہوتے ہیں۔ روزہ میں اجتماعیت کا پہلو اس حقیقت میں نمایاں ہے کہ تمام دنیا میں اہل ایمان ایک ہی مہینہ میں روزے رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ایک خلیفہ کی ضرورت، زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ (جو کہ ضرورت مندوں کی اجتماعی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے لگایا گیا ایک ٹیکس ہے) وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں ایک ہی مقصد کی تصدیق وتوثیق کرتی ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اجتماعیت یا معاشرت میں ایسی قوت وطاقت ہوتی ہے کہ جسے کوئی بھی شخص انفرادی طور پر حاصل نہیں کرسکتا۔

118 رب قادر وقدیر نے مختلف افراد کو مختلف صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس کی وجہ رب العالمین ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک ہی والدین کے دو بچے، ایک ہی استاد کے دو شاگرد ہمیشہ ایک جیسی خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل نہیں ہوتے۔ تمام علاقوں کی زمین ایک جیسی زرخیز نہیں۔ اسی طرح موسم بھی مختلف مقامات پر مختلف ہوتے ہیں۔ ہر وجود اور ہر وجود کا ہر حصہ اپنی انفرادی خصوصیات رکھتا ہے۔ اس قدرتی عمل کی بنیاد پر اسلام ایک طرف تو بنیادی وفطری مساوات کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ دوسری طرف افراد کی ایک دوسرے پر برتری کا بھی اعلان کرتا ہے۔ تمام مخلوق کی خالق ایک ہی ذات پاک ہے اور یہ مادی برتری نہیں جو رب ذوالجلال کی خوشی وخوشنودی کے حصول کا باعث بنتی ہے بلکہ صرف نیکی وتقویٰ ہی کسی فرد کی عظمت کا واحد معیار ہے۔ بہرحال یہ دنیاوی زندگی عارضی اور چندروزہ ہے۔ چنانچہ انسان اور حیوان کے رویہ میں لازماً فرق ہونا چاہیے۔

قومیت:

119 مقام پیدائش اور مشترک خاندان وخون کی بنیاد پر اتحاد کے عنصر کو اسلام مسترد کرتا ہے۔ اپنے خاندان یا مقامِ پیدائش سے لگاؤ اور وابستگی بلاشک وشبہ ایک فطری وقدرتی امر ہے تاہم نسلِ انسانی کے مفاد کا تقاضا یہی ہے کہ دوسرے گروہوں اور گروپوں کے ساتھ قدرے رواداری کا مظاہرہ کیا جائے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں قدرتی وسائل ودولت کی مختلف مقدار میں تقسیم نے لوگوں کو ایک دوسرے پر انحصار کرنا سکھایا ہے

چنانچہ ہر کوئی ''جیواور جینے دو'' کی پالیسی پر لازماً عمل پیرا ہونے پر مجبور ہے ورنہ خاندانوں میں ہونے والی جنگوں کے لامتناہی سلسلے نے سب کچھ تباہ و برباد کر دیا ہوتا اور زبان، نسل، رنگ یا مقامِ پیدائش کی بنیاد پر قائم قدیم ترین قومیت میں بھی اس قدر ہلاکت خیزی اور پھر ایسا تعطل کہ انسان کے پاس کوئی دوسرا انتخاب ہی نہ رہتا۔ اسلامی نظریۂ حیات ترقی پسندانہ ہے اور صرف فرد کے انتخاب کی بنیاد پر قائم ہے کیونکہ یہ نسل، زبان یا مقامِ پیدائش و رہائش کے امتیاز کے بغیر ان سب افراد کے اتحاد و اتفاق کو تجویز کرتا ہے جو ایک ہی نظریاتی نظام پر یقین رکھتے ہیں۔ چونکہ اس نظام میں دوسروں کا قلع قمع کرنا یا انہیں مغلوب و زیرِ نگیں کرنا خارج از امکان ہے اس لئے اس میں دوسروں کو اپنے اندر جذب و قبول کرنے اور سمونے کی قانونی گنجائش ہے۔ اور ایسے جذب و قبول کے لئے کون سا ذریعہ بہتر ہوگا اگر ایک ہی نظریاتی نظام پر یقین نہ کیا جائے؟ اس بات کا اعادہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظریاتی نظام جسم اور روح دونوں کی ضروریات کا مرقع و مجموعہ ہے۔ مزید یہ کہ یہ رواداری کا قائل ہے۔ اسلام اعلان کرتا ہے کہ رب قادر و قدیر نے مختلف ادوار میں مختلف اقوام میں اپنے پیغمبر بھیجے۔ اسلام دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا کام محض رب ذوالجلال کے ازلی و ابدی پیغام کی تجدید و احیاء ہے اور یہ کام تسلسل و تواتر کے ساتھ پیغمبروں سے لیا جاتا رہا ہے۔ اسلام مذہبی اعتقادات کے حوالے سے ہمہ قسم کے زبردستی جبر اور زیادتی و زبردستی کو سختی سے منع کرتا ہے۔ یہ حقیقت چاہے کس قدر ہی ناقابلِ یقین محسوس ہو لیکن یہ ٹھوس سچائی ہے کہ اسلام اپنی اسلامی ریاست کی سرزمین میں رہائش پذیر غیر مسلموں کو خود مختاری دینا اپنی مذہبی و اعتقادی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ قرآن، حدیث اور ہر دور کی روایت اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کے اپنے قوانین و ضوابط ہونے چاہئیں جنہیں ان کے اپنے ججوں کے اپنے ٹربیونل کے ذریعے لاگو کیا جائے اور یہ کہ ان میں مسلمان اربابِ اختیار و اقتدار کی کوئی مداخلت نہ ہو، چاہے یہ مذہبی معاملات ہوں یا سماجی و معاشرتی روایات ہوں۔

معاشی نقطہ نظر:

﴿120﴾ معاشیات کی سماجی و معاشرتی اہمیت مسلّم ہے۔ قرآن یہ اعلان کرتے ہوئے قطعی مبالغہ نہیں کرتا کہ مادی اشیاء انسانیت کی بقاء کے ذرائع تشکیل کرتی ہیں۔ ارشادِ رب علیم و خبیر ہے کہ:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 5)

ترجمہ ''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام (بقا) کا ذریعہ بنایا ہے ناسمجھوں کے حوالے نہ کرو البتہ انہیں ان مالوں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو۔''

اگر ہر فرد محض اپنی ذات کے مفاد کے لیے سوچے اور کسی بھی دوسرے شخص کے مفاد کے لئے فکر کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو معاشرہ خطرات در خطرات میں گھر جائے گا۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ امراء ہمیشہ قلیل تعداد میں رہے ہیں جبکہ غرباء ان گنت اور بے شمار ہوتے ہیں۔ اس طرح وجود کے بقاء کی جنگ اور جدوجہد میں فاقہ زدہ غرباء کی اکثریت بالآخر امراء کی اقلیت کو نیست و نابود کر دے گی۔ ایک شخص مفلوک الحالی، غربت اور افلاس تو برداشت کر سکتا ہے مگر فاقہ کشی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس موضوع پر اسلامی نکتہ نظر بڑا واضح اور مشہور و معروف ہے۔ اسلام قومی دولت کی مستقل تقسیم در تقسیم اور گردش پر زور دیتا ہے چنانچہ غریبوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے جبکہ امراء اس لئے ٹیکس ادا کرتے ہیں تاکہ ضرورت و حاجت مندوں کی امداد و اعانت کی جا سکے۔ مزید یہ کہ ایسے قوانین موجود ہیں جو ترکہ کی تقسیم کو فریضہ قرار دیتے ہیں اور چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو ممنوع ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ ورثہ و ترکہ کو قریبی رشتہ داروں کی جانب سے ضرر پہنچانے سے منع کرتے ہیں۔ ایسے قوانین بھی ہیں جو ریاست و سلطنت کی آمدنی و محصولات کی مستحقین میں فائدہ مند تقسیم کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان مستحقین میں غرباء سرفہرست ہیں۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھا جائے تو یہ علاقوں، زمانوں اور حالات کے مطابق ذرائع اور طریقہ ہائے کار کے اختلاف کو گوارا کرتا ہے۔ آزادانہ تجارت و کاروبار کے مقابلہ کو بھی گوارا کیا جا سکتا ہے اگر یہ تباہ کن استحصال کے ذریعے بگاڑ اور خرابی پیدا نہ کرے اور ان افراد کی تباہی کا باعث نہ بنے جو معاشی طور پر کمزور ہیں۔ اجتماعی منصوبہ بندی بھی اسی طرح گوارا کی جا سکتی ہے اگر حالات یا معاشی ارتقاء بلحاظ خصائص آبادی کے باعث ایسا کرنا ضروری دکھائی دے تاہم کسی بھی صورتِ حال میں مال و متاع اور توانائی کے ضیاع و زیاں سے اجتناب کیا جائے اور ایسے ذرائع اور طریقہ ہائے کار اختیار کیے جائیں کہ جو لمحہ موجود کی ضروریات کے لئے بہتر، موزوں اور فائدہ مند ہوں۔

آزادیٔ اختیار اور تقدیر:

﴿121﴾ جہاں تک انسان کی آزادیٔ اختیار کے فلسفیانہ سوال کا تعلق ہے تو یہ ابدی و دائمی مخمصہ کبھی بھی منطق کے ذریعے حل نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اپنے تمام اعمال و افعال کے حوالے سے آزادیٔ اختیار رکھتا ہے تو پھر رب العالمین کے قادر مطلق ہونے پر اور اس کی قدرتِ کاملہ پر اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر رب قادر و قدیر انسان کی تقدیر کا مالک و خالق ہے تو پھر انسان کو اس کے اعمال کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟ معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کو پرزور الفاظ میں ہدایت و نصیحت کی کہ وہ اس موضوع (تقدیر) کے حوالے سے مباحث میں اپنے آپ کو نہ الجھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آپ سے پہلے کے لوگوں (اقوام) کو اس بحث نے راستہ سے بھٹکا دیا تھا۔“ (بحوالہ ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ، ترمذی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ) سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو سوالوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے ❶

رب العالمین کا قادر مطلق ہونا 2 انسان کی ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی...... دراصل محبت میں کوئی منطق نہیں ہوتی اور مسلمان اپنے خالق سے محبت کرتا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ رب ذوالجلال کی صفات میں کوئی نقصان ہوسکتا ہے (معاذ اللہ)۔ رب تعالیٰ نہ صرف حکیم وعلیم اور قوی وقادر ہے بلکہ عادل ومقسط اور رؤف ورحیم بھی ہے۔ اسلام روحانی معاملات کو دنیاوی انسانی معاملات سے یکسر جدا کرتا ہے۔ روحانیت کا تعلق رب تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں اور صاحبانِ ایمان کو منزہ اعمال و پاکیزہ افعال کی ہدایت ونصیحت کرتا ہے اور چونکہ رب تعالیٰ کی قدرت انسان سے خفیہ و پوشیدہ رہے گی اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ ابتدائی ناکامی پر غم زدہ وافسردہ نہ ہو بلکہ اس وقت تک کوشش وکاوش اور جدوجہد کرتا رہے جب تک یا تو وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا یا پھر اس کے مقصد کا حصول قطعی ناممکن اور خالصتاً ناقابلِ حصول نہیں ہو جاتا۔ تقدیر کا اسلامی تصور انسان کی ناکامی کی صورت میں اس کی تسلی وتشفی ودلجوئی کرتا ہے کیونکہ اس کے مطابق یہ رب قادر وقدیر کی مرضی ومنشاء تھی اور یہ کہ اخروی نجات کے مقابلے میں دنیاوی کامیابی یا ناکامی کی کوئی حیثیت واہمیت نہیں۔ دراصل قادرِ مطلق، انسان کو اس کے ارادے ونیت اور کوشش وکاوش کی بنیاد پر پرکھتا ہے۔ دنیاوی کامیابی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کی بنیاد پر نہیں پرکھتا۔

122 یہی وہ حقیقت وسچائی ہے جو رب علیم وخبیر نے اپنے پیغمبروں پر ہمیشہ وحی کی ہے۔ قرآن الحکیم میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۝ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۝ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ۝

(سورۃ النجم، آیات: 36 تا 42)

ترجمہ ”کیا اسے ان (باتوں) کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے جس نے (اپنا عہد) پورا کیا۔ وہ یہ کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش جلد دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ سب کو آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔“

اگر انسان اپنے تمام جرائم وکرائم کا ذمہ دار اپنے آپ کو نہیں سمجھتا بلکہ اسے قوی وقادر رب مطلق کی طرف سے تقدیر ومقدر کے طور پر خیال کرتا ہے تو اسے اپنے اعمال وافعال حسنہ کے حوالے سے انعام واکرام اور اجر وثواب کا مطالبہ ودعویٰ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کے یہ اعمال وافعال حسنہ بھی تو قادر مطلق کی طرف سے مقدر کیے گئے تھے چنانچہ یہ بالارادہ اور اس کی اپنی مرضی ومنشاء سے نہیں ہوئے تھے بلکہ مکینیکل ومشینی انداز سے اس سے کرائے گئے تھے۔ مختصراً یہ کہ چونکہ اسلام آزادیٔ اختیار اور تقدیر کو مکمل طور پر جداگانہ انداز میں دیکھتا ہے اس لئے

اس کے لئے یہ مشکل امر نہیں ہے کہ وہ انسان کے فرائض (کوشش وکاوش، احساس ذمہ داری) اور رب قادرو قدیر کے حقوق کو (اس کی تمام تر صفات کے ساتھ کہ جس میں اس کی تقدیر ومقدر لکھنے کی طاقت وصفت بھی شامل ہے) ایک ساتھ تسلیم کرے۔

﴿123﴾ رب قادرو قدیر کی جانب سے تقدیر لکھنے کی اسلام میں ایک اور اہمیت بھی ہے۔ یہ کہ رب مطلق ہی واحد ذات ہے جو کسی انسانی فعل وعمل کو نیکی یا بُرائی کا درجہ دیتی ہے۔ یہ رب العالمین ہی ہے جو تمام تر قوانین کا منبع وماخذ ہے۔ یہ خدائی احکامات ہی ہیں جو ہمیں ہر حال میں اور ہر موقع پر بجالانا ہیں۔ رب علیم وخبیر نے ہم تک اپنے احکامات اپنے منتخب پیغمبروں کے ذریعے پہنچائے ہیں۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان پیغمبروں میں آخری پیغمبر ہیں اور یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد پیغمبر ہیں کہ جن کی تعلیمات مکمل طور پر محفوظ ومامون ہیں۔ ہمارے پاس قدیم پیغاماتِ الٰہی اصل حالت میں موجود نہیں ہیں کیونکہ انہیں انسانی معاشرہ میں ہونے والی ناخوشگوار مہلک جنگوں میں نقصان پہنچا ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید نہ صرف محفوظ ترین کلامِ الٰہی ہے بلکہ یہ رب قادرو قدیر کے تازہ ترین احکامات وپیغامات کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک عام سی حقیقت ہے کہ ایک ہی قانون ساز کا تازہ ترین قانون سابقہ تمام قوانین کو منسوخ کردیتا ہے۔

﴿124﴾ آیئے نتیجہ کے طور پر اسلامی زندگی کے ایک اور وصف کا حوالہ دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیاوی وروحانی معاملات میں انفرادی واجتماعی طور پر اپنی حیاتِ ناپائیدار ومستعار کے روزمرہ کے تمام تر رویوں میں احکاماتِ خداوندی پر عمل پیرا ہو۔ اس کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور فلاح و اصلاح کی خاطر اُترنے والے احکاماتِ الٰہی کی تبلیغ واشاعت میں حتی الوسع اور مقدور بھر کوشش وکاوش کرے اور اسلامی نظریۂ حیات کو پھیلانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔

﴿125﴾ اسلام جیسا مرکب ومکمل مسلک ومذہب انسان کی روحانی ودنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور یوں ایک شخص آخرت کی تیاری کی خاطر اس فانی دنیا میں لمحاتِ مستعار گزارتا ہے۔

❀----❀

باب 4

ایمان اور عقیدہ

126 انسان بہت سی اقسام کی اشیاء پر یقین وایمان رکھتا ہے جن میں سچ اور اس سے متعلقہ اشیاء، توہمات اور حتیٰ کہ بعض اوقات ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کی بنیاد غلط فہمیوں پر استوار ہوتی ہے۔ دوسرے عناصر کے علاوہ عمر اور تجربے کے ساتھ ساتھ انسان کے ایمان و یقین میں بھی تبدیلی آسکتی ہے لیکن کچھ مشترک نکات ایسے ہوتے ہیں جن پر پورا ایک گروہ یقین رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم نکتہ انسان کا اپنے وجود سے متعلق تصور ہے۔ وہ کہاں سے آیا؟ وہ کہاں جاتا ہے؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ اس کے وجود کا مقصد و مطلب کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ علم مابعد طبیعیات والٰہیات انسانی ذہن کے لئے حیرت و اذیت کا باعث بننے والے ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ ایک ایسے مذہب کا صرف ایک حصہ ہے جو کہ زیادہ جامع و مفصل ہے اور اس طرح کے تمام سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ مذہب ہی وہ سائنس ہے جو اس طرح کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ یقین واعتقاد خالصتاً ذاتی معاملات ہوتے ہیں۔ پھر بھی اس معاملے میں تاریخ نسلِ انسانی برادرکشی کے عمل سے پیدا ہونے والی دہشت و وحشت سے جانی پہچانی جاتی ہے کہ جس پر خونخوار درندے بھی شرمندہ ہوتے ہوں گے۔ اس معاملے میں قرآن پاک کی یہ آیت اسلام کے بنیادی اصول پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(سورۃ البقرہ، آیت: 256)

ترجمہ ”دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔ بے شک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ پھر جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

دوسروں کو ہدایت دینے اور اپنے ساتھیوں کو کسی چیز پر ایمان لانے کی زور و زبردستی کے بغیر جہالت و تاریکی سے دور سیدھے و سچے راستے کی طرف لے جانے والے رویے، اسلام میں مدد اور قربانی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

127 انسانی علم و فہم اور قابلیت و صلاحیت ارتقاء کے مسلسل عمل سے گزرتے رہتے ہیں۔ گیلن (Galan) کا طبی و ریاضیاتی علم یا یوکلڈ (Euclid) کا علم آج کل کے میٹرک کے امتحان کے لئے بھی بمشکل

کافی ہوتا ہے جامعہ کے طالب علموں کے لئے اس سے زیادہ علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدیم انسان شاید مذہبی عقائد کے شعبے میں اس خدائے بزرگ و برتر اور قادر مطلق بارے تصوراتی و خیالی نظریے کے قابل نہیں تھا کہ جس کی عبادت و پرستش کے لئے نہ ہی اشارات و علامات اور نہ ہی مادی مظاہر و اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ قدیم انسانی زبان بھی اس رب قادر و قدیر کے عظیم نظریات کو ان اصطلاحات کے سہرے کے بغیر اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر تھی جو کہ رب قادر و قدیر کے پیغامات و نظریات کی صحیح طور پر تشریح کے لئے موزوں نہیں ہوں گی۔

﴿128﴾ اسلام اس حقیقت پر بہت زور دیتا ہے کہ انسان کو ایک ساتھ دو عناصر سے تشکیل دیا گیا ہے جن میں جسم اور روح شامل ہیں اور یہ کہ انسان کو ان میں سے صرف کسی ایک کے فائدے کے لئے دوسرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کسی انسان کا اپنی ذات کو صرف روحانی ضروریات کے لئے وقف کر دینا فرشتہ بننے کی آرزو و تمنا کرنے کے مترادف ہوگا۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے علاوہ فرشتوں کو بھی تخلیق کیا ہے) کسی انسان کا اپنی ذات کو صرف مادی ضروریات کے لئے وقف کر دینا اگر شیطان بننے کے مترادف نہیں بھی ہوگا تو جانور (حیوانات) یا پودا (نباتات) بننے کے مترادف تو ضرور ہی ہوگا!! (جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے انسانوں کے علاوہ دوسری اشیاء بھی تخلیق کی ہیں) اگر انسان اپنے جسم اور اپنی روح کی ضروریات دونوں میں بہتر طور پر ہم آہنگ توازن پیدا نہیں کرتا تو انسان کو دوہری صلاحیت و قابلیت کے ساتھ تخلیق کرنے کا مقصد نامکمل ہی رہے گا۔

﴿129﴾ مسلمان داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مذہب پر یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ ایک دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ ایمان کیا ہے فرمایا کہ "تمہارا ایک خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی بھیجی گئی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر (جس دن تمام انسانوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا) اور مالک روزِ جزا کی طرف سے اچھائی اور برائی کے تعین پر ایمان لانا" اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ خدائی بندگی کے لئے عملی عبادت کو کیا اہمیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ یہ وہ نکات ہیں کہ جن کے بارے اگلے دو ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ:

﴿130﴾ کفار و ملحدین، مشرکین اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ ایک خدا کے لئے عربی زبان میں اللہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو کل کائنات کا خالق و مالک ہے۔

﴿131﴾ سادہ ترین، قدیم ترین اور غیر مہذب انسان بھی بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو خود تخلیق نہیں کر سکتا۔ ہم سب کا اور تمام کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہوگا۔ کفر و الحاد اور مادیت پرستی

انسان کی منطقی ضروریات کو پورا نہیں کرتیں۔

﴿132﴾ اگر شرک پر یقین مختلف خداؤں کے مابین خانہ جنگی کا باعث نہ بھی ہے تو اس کے نتیجے میں خداؤں کے مابین اختیارات کی تقسیم کا مسئلہ ضرور پیدا ہوگا۔ کوئی بھی شخص آسانی سے یہ دیکھ اور پرکھ سکتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام چیزیں ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر انسان کو نباتات، دھاتوں، جانوروں اور ستاروں کی ضرورت پڑتی ہے یہاں تک کہ ان تمام چیزوں کو بھی کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس ان حالات میں خدائی اختیارات کی تقسیم ناقابلِ عمل بن جاتی ہے۔

﴿133﴾ خدا کے ساتھ بُرائی کو منسوب نہ کرنے کی اپنی قابلِ تعریف و تحسین تشویش و جستجو کے باعث کچھ مفکرین اچھائی اور بُرائی کے دو مختلف خداؤں کا نظریہ رکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دونوں خدا باہمی تعاون سے کام کرسکیں گے یا ان دونوں کے مابین کوئی تنازعہ و جھگڑا کھڑا ہو جائے گا؟ پہلی قابلِ غور بات یہ ہے کہ دو خداؤں کا نظریہ غیر ضروری، فضول اور بے مقصد بن جاتا ہے اور اگر اچھائی کا خدا، بُرائی کے خدا کو تسلیم کر لیتا ہے تو وہ بُرائی کے خدا کا شریک و رفیقِ جرم بن جاتا ہے پس یہ چیز دو خداؤں کے مقصد کو بے اثر و بے مایہ کر دیتی ہے۔ دوسری بات جو غور کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو یہ ماننا پڑے گا کہ بُرائی کا خدا اکثر ہی فاتح قرار پائے گا اور اچھائی کے خدا کے مقابلے میں اس کا پلڑا ہمیشہ بھاری ہی ہوگا۔ کیا اس صورت میں کسی بھی شخص کو اچھائی کے خدا کو ایک کمزور ذات کی حیثیت سے اپنا خدا تسلیم کرنا چاہیے؟ مزید یہ کہ بُرائی ایک متعلقات میں سے ہے اگر ایک شخص کے حوالے سے کوئی چیز بُری ہے تو وہی چیز دوسرے شخص کے حوالے سے اچھی ہوتی ہے اور چونکہ مکمل بُرائی کا وجود نہیں رہتا اس وجہ سے بُرائی، خدائی کے ساتھ منسوب نہیں کی جا سکتی۔ (مزید تفصیل کے لئے اسی کتاب کا پیراگراف نمبر 228,157,155 ملاحظہ فرمائیے۔)

﴿134﴾ یہ توحید اور وحدانیت ہی ہے جو خالص اور کسی قسم کی آلائش سے پاک ہے اور عقل و فہم کو مطمئن کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے تاہم وہ تمام قسم کے کام سرانجام دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ لاتعداد صفات کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف تمام چیزوں کا خالق ہے بلکہ مالک بھی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین پر حکومت کرتا ہے کوئی بھی شے اس کے علم اور اس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے بے حد خوب صورت اسماء ہیں جو اس کی ننانوے بنیادی صفات کے لئے مخصوص ہیں وہ خالق ہے، تمام موجودہ چیزوں کا لازمی و ناگزیر جزو ہے۔ وہ مہربان، منصف و عادل رحیم و رؤف، حاضر و ناظر، قادر مطلق، علیم و بصیر، ہر چیز کا تعین کرنے والا ہے۔ زندگی، موت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا وغیرہ سب اسی کی طرف سے ہے۔

﴿135﴾ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کا خدا بارے نظریہ مختلف ہوتا ہے۔ ایک فلسفی اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک عام آدمی دیکھتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سادہ لوگوں کے جوش و جذبہ

ایمان کی تعریف کیا کرتے تھے اور اکثر اوقات ان بوڑھی عورتوں کے ایمان کی مثال دیا کرتے تھے کہ جن کا ایمان کامل غیر متزلزل اور پُر خلوص ہوتا تھا۔ ہاتھی اور اندھے لوگوں کے گروہ کی چھوٹی سی خوب صورت کہانی بہت مشہور و معروف ہے۔ ان لوگوں نے پہلے کبھی ہاتھی کے بارے نہیں سنا تھا اس لئے ہاتھی کی آمد پر وہ سب اس عجیب وغریب جانور کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ ایک اندھے شخص نے ہاتھی کی سونڈھ پر ہاتھ رکھا۔ دوسرے نے اس کے کان پر، تیسرے نے اس کی ٹانگ پر، چوتھے نے اس کی دُم پر اور پانچویں نے اس کے دانتوں وغیرہ پر ہاتھ رکھا۔ واپسی پر ہر ایک نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور ہاتھی کے بارے اپنے ذاتی تجربے کو اپنے انداز میں ایک دوسرے سے بیان کیا۔ جیسا کہ ”وہ ستون کی طرح“ ”پَر کی طرح“ ”پتھر جیسی کسی سخت چیز کی طرح“ یا ”نرم اور پتلی اور لمبی چیز کی طرح تھا۔“ ہر ایک اپنی جگہ صحیح تھا تاہم کوئی بھی اس مکمل سچ تک رسائی حاصل نہ کر سکا جو کہ اس کے سوچنے کی صلاحیت سے باہر تھا۔ اگر ہم اس مثال میں موجود اندھے لوگوں کو ان لوگوں کی جگہ کھڑا کریں کہ جو دکھائی نہ دینے والے خدا کو تلاشتے پھر رہے ہیں تو ہم نہایت آسانی سے انفرادی تجربات کی صداقت وسچائی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام کے کچھ صوفیائے کرام نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ ”خدا کے بارے ایک سچ عام آدمی جانتا ہے۔ دوسرا سچ نَو مسلم کو معلوم ہوتا ہے ایک اور سچ پیغمبرانِ خدا کے علم میں ہوتا ہے اور آخر میں ایک سچ وہ ہوتا ہے جو خود خدا ہی جانتا ہے۔“ اس تشریح و وضاحت میں جو کہ پہلے بیان کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی کہنا ہے کہ دینِ اسلام میں ہر طبقہ فکر کے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی لچک موجود ہے اور ان میں پڑھے لکھے اور اَن پڑھ، ذہین اور سادہ، ادیب و شاعر، آرٹسٹ، قانون دان، صوفیائے کرام اور علمائے دین سمیت دوسرے

کامل غیر متزلزل اور پُر خلوص ہوتا تھا۔ ہاتھی اور اندھے لوگوں کے گروہ کی چھوٹی سی خوب صورت کہانی بہت مشہور و معروف ہے۔ ان لوگوں نے پہلے کبھی ہاتھی کے بارے نہیں سنا تھا اس لئے ہاتھی کی آمد پر وہ سب اس عجیب وغریب جانور کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ ایک اندھے شخص نے ہاتھی کی سونڈھ پر ہاتھ رکھا۔ دوسرے نے اس کے کان پر، تیسرے نے اس کی ٹانگ پر، چوتھے نے اس کی دُم پر اور پانچویں نے اس کے دانتوں وغیرہ پر ہاتھ رکھا۔ واپسی پر ہر ایک نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور ہاتھی کے بارے اپنے ذاتی تجربے کو اپنے انداز میں ایک دوسرے سے بیان کیا۔ جیسا کہ ”وہ ستون کی طرح“ ”پَر کی طرح“ ”پتھر جیسی کسی سخت چیز کی طرح“ یا ”نرم اور پتلی اور لمبی چیز کی طرح تھا۔“ ہر ایک اپنی جگہ صحیح تھا تاہم کوئی بھی اس مکمل سچ تک رسائی حاصل نہ کر سکا جو کہ اس کے سوچنے کی صلاحیت سے باہر تھا۔ اگر ہم اس مثال میں موجود اندھے لوگوں کو ان لوگوں کی جگہ کھڑا کریں کہ جو دکھائی نہ دینے والے خدا کو تلاشتے پھر رہے ہیں تو ہم نہایت آسانی سے انفرادی تجربات کی صداقت وسچائی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام کے کچھ صوفیائے کرام نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ ”خدا کے بارے ایک سچ عام آدمی جانتا ہے۔ دوسرا سچ نَو مسلم کو معلوم ہوتا ہے ایک اور سچ پیغمبرانِ خدا کے علم میں ہوتا ہے اور آخر میں ایک سچ وہ ہوتا ہے جو خود خدا ہی جانتا ہے۔“ اس تشریح و وضاحت میں جو کہ پہلے بیان کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی کہنا

ہماری قابلیتوں وصلاحیتوں کا بھی خالق ہے ایسی قابلیتیں جو کہ مختلف ہیں اور ہر قابلیت وصلاحیت ترقی ونشوونما اور تعمیر وتکمیل کا ہنر جانتی ہے۔ وہی ہے جس نے ہمیں وجدان، اخلاقی ضمیر اور بھلائی وسیدھے راستے کی طرف نشاندہی کرنے والے ذرائع عطا کیے ہیں۔ انسانی روح پر اچھی اور بری دونوں طرح کی ترغیبات اثر کرتی ہیں۔ عام لوگوں کے درمیان یہ ممکن ہے کہ اچھے لوگ بعض اوقات بری ترغیبات اور برے لوگ اچھی ترغیبات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ترغیبات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف سے بھی آسکتی ہیں جیسا کہ بری ترغیبات شیطان کی طرف سے آتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم آسمانی چیزوں (جو کہ پیروی کرنے کے قابل ہیں) اور شیطانی (جو کہ ناقابلِ پیروی اور قابلِ گریز ہیں) کے درمیان تمیز کرسکیں۔

﴿138﴾ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان گفتگو وکلام یا رابطہ قائم کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ بہتر یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مجسم صورت میں انسان سے خود کلام کرتا لیکن اسلام نے اس کی نفی کی ہے۔ یہ رب خالق ومالک اور قادرِ مطلق کے لئے بہت ہی پستی کا مقام ہوگا کہ وہ انسانی شکل اختیار کرلے اور انسانوں کی طرح کھائے، پیئے، اپنی مخلوق کا ظلم برداشت کرے اور یہاں تک کہ وفات پاجائے۔ انسان اللہ عزوجل کی طرف سفر کرکے چاہے اللہ سے جتنا بھی قریب ہوجائے یہاں تک کہ فنا فی اللہ کے درجے پر بھی پہنچ جائے انسان بہرحال انسان ہی رہے گا اور وہ اللہ عزوجل کا مقابلہ کسی صورت نہیں کرسکتا۔ صوفیائے کرام کے بقول انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کے لئے اپنے آپ کو ختم کرسکتا ہے اور اپنی ہستی تک کو مٹا سکتا ہے لیکن تب بھی..... اور آیئے اس بات کو دہرائیں کہ...... انسان اپنی تمام تر کمزوریوں وکوتاہیوں سمیت انسان ہی رہے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام کمزوریوں وکوتاہیوں سے پاک وبالاتر ہے۔

﴿139﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ اور انسان کے درمیان گفتگو اور رابطے کے ایسے ذرائع جو کہ انسانی دسترس میں ہیں شاید ان میں سے سب سے کمزور ترین ذریعہ خواب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

﴿140﴾ دوسرا ذریعہ القا ہے (اس کے لفظی معنی کوئی چیز کسی دوسرے کی طرف پھینکنے کے ہیں) یہ خود خیال کی ایک قسم ہوتی ہے جو آنے والے خطرے کا احساس وجدان کے ذریعے دلاتی ہے اور تعطل شدہ، : قابلِ حل یا مشکل مسائل کے حل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

﴿141﴾ ایک ذریعہ الہام بھی ہے جسے 'خدائی ترغیب' کہا جاسکتا ہے۔ اس کے ذریعے ترغیبات ایسے انسان کے (ذہن) میں خیال کی صورت ڈالی جاتی ہیں کہ جس کی روح کی ترقی ونشوونما کافی حد تک انصاف، انسانی ہمدردی، بے غرض وبے لوث پن اور دوسروں کو فیض پہنچانے کے جذبے جیسی نیکیوں سے ہوئی ہوتی ہے۔ تمام ادوار میں تمام ملکوں کے اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم، خدا تعالیٰ کی اس نوازش ومہربانی سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں جب کوئی شخص اپنی ذات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے وقف کردیتا ہے اور اپنا آپ بھلانے کی کوشش کرتا ہے تو کچھ

لمحات ایسے ہوتے ہیں جن کا دورانیہ بہت ہی قلیل ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا جلوہ بجلی کی طرح چمکتا ہے تو ایک شخص کسی کوشش کے بغیر ہی وہ سب کچھ جان وسمجھ لیتا ہے کہ جو اسے کوئی بھی دوسری کوشش وکاوش کسی طور بھی سمجھانے میں کامیاب نہیں ہو پائے گی۔ جیسا کہ پُرانے وقدیم لوگ کہتے تھے کہ اس طرح انسانی روح یا انسانی دل روشن ہو جاتا ہے اور پھر اس میں یقینِ کامل کا جذبہ واحساس، طمانیت وسکون اور سچ کی پہچان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اعلیٰ صفات ہی ہوتی ہے کہ جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اور اس کی ذات اور اس کے خیالات کے ساتھ ساتھ اس کی حرکات وسکنات کی بھی نگرانی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبروں کو بھی جو کہ اللہ تعالیٰ کے انسانی پیامبر ہوتے ہیں انہیں بھی دوسروں کی طرح اللہ کی طرف سے ہدایات دی جاتی ہیں۔ پھر بھی انسان کی طرف سے فیصلے یا سمجھنے میں غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ صوفیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم اس بات کی تصدیق وتوثیق کرتے ہیں کہ بعض اوقات بہت زیادہ متقی و پرہیزگار لوگ بھی اپنی غیر محسوس اَنا کے ہاتھوں سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اور ان بنیادی ترغیبات کو نہیں پہچان سکتے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی شکل میں آتی ہیں۔

﴿142﴾ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان گفتگو وکلام کے لازمی ویقینی اور سب سے حتمی وحکمی ذریعے اور رابطے کے سب سے بلند درجے کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے نام سے پکارا ہے۔ یہ کوئی عام ترغیب نہیں ہوتی بلکہ آسمانی کلام و پیغام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے پر حقیقی وحی کی صورت اُتارا جاتا ہے۔ انسان مادے سے تخلیق کیا گیا ہے جبکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ روح سے بھی ماورا اور بالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور انسان کے مابین براہ راست جسمانی رابطہ ناممکن ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

(سورۃ الانعام، آیت: 103)

ترجمہ ''اسے (اللہ کو) آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ (اللہ) آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے۔''

اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے اور جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾

(سورۃ قٓ، آیت: 16)

ترجمہ ''اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کے دل میں گزرتا ہے اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

تاہم کسی قسم کا جسمانی رابطہ ممکن نہیں ہے اس لئے وہ ملک ہی ہے...... جس کا لفظی مطلب پیغام رساں ہے جیسا کہ

ایک آسمانی پیغام لانے والا جسے عام طور پر "فرشتہ" کہا جاتا ہے..... جو اللہ کے پیغام کی اس کے انسانی نمائندے یا پیامبر (پیغمبر) تک ترسیل و ابلاغ اور درمیانی رابطے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ پیغمبر کے علاوہ کسی اور پر آسمانی پیغام رساں کے درمیانی رابطے کے ذریعے وحی نازل نہیں ہوتی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام میں پیغمبر سے مراد ایک ایسا شخص نہیں ہے کہ جو پیش گوئیاں کرے بلکہ وہ اللہ کا ایک نمائندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ جہاں تک فرشتہ کا تعلق ہے یہ ہماری بحث کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہے کہ آیا فرشتہ روحانی مخلوق ہوتا ہے؟ کائنات میں موجود مادی چیزوں سے الگ ہوتا ہے یا کچھ اور ہوتا ہے؟

(143) قرآن پاک کے مطابق وہ آسمانی فرشتہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لاتا تھا اسے جبرائیل علیہ السلام کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ جس کے اشتقاقی معنی 'اللہ کی اطاعت' کے ہیں قرآن پاک میں میکائیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے فرائض بارے کچھ نہیں بتایا گیا۔ دوزخ کے داروغہ کو مالک کا نام دیا گیا ہے جس کے لفظی معنی 'مالک' کے ہیں۔ قرآن پاک میں دوسرے فرشتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن ان کے اسماء اور ان کی خوبیاں و فرائض بیان نہیں کیے گئے۔ البتہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسلامی ایمان و یقین یہ ہے کہ قرآن پاک جبرائیل علیہ السلام کے لئے قابلِ بھروسہ روح (روح الامین) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور انہیں دوسرے فرشتوں سے اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو کہ قرآن پاک کے الفاظ سے تھوڑی بہت مختلف ہیں ان میں ہم پڑھتے ہیں کہ یہ آسمانی پیغام رساں، حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ہمیشہ ایک ہی شکل میں حاضر و ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ہوا میں معلق چیز کی شکل میں دیکھتے، بعض اوقات انسانی شکل میں اور بعض اوقات پروں والی شے وغیرہ کی شکل میں دیکھتے تھے۔ ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی محفوظ کردہ حدیث میں کسی شک وشبہ کے بغیر واضح طور پر بیان ہوتا ہے کہ ایک دن ایک اجنبی آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کئی افراد کی موجودگی میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات پوچھے اور اس کے بعد چلا گیا۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا مجھے یہ یقین کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ شخص جس نے اس دن مجھ سے سوالات پوچھے تھے وہ جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اور میں نے کبھی بھی انہیں پہچاننے میں اتنی دیر نہیں کی۔ ایسا اس وجہ سے ہوا کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغام دینے نہیں آئے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبادلۂ خیالات کی غرض سے آئے تھے۔

(144) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزولی طریقہ کار کا اندازہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا موقع پر موجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درج ذیل بیانات سے لگایا جا سکتا ہے۔ البخاری رحمتہ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ "بعض اوقات یہ میرے پاس بجتی ہوئی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی

ہے اور یہ میرے لئے بہت ہی سخت ترین تجربہ ہوتا ہے اور جب وہ اختتام پذیر ہوتی ہے۔ میں اپنی یادداشت میں وہ سب کچھ یاد کرنے کی صورت میں نقش و محفوظ کر لیتا ہوں جو کہ نزولِ وحی کے دوران کہا گیا ہوتا ہے۔'' ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اپنے مجموعہ حدیث میں اسی بیان کو اس طرح لکھتے ہیں کہ ''میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دھڑکتی ہوئی آوازیں سنتا ہوں اور اس کے بعد میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ مجھ پر نزولِ وحی کے دوران ایسا موقع کبھی نہیں آیا کہ جب میں اس بات سے خوفزدہ نہ ہوا ہوں کہ میری روح پرواز کر جائے گی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزولِ وحی سے متعلق اپنے مشاہدات و تجربات کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: ''جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی، ایک قسم کی آرام و سکون کی کیفیت (ناقابلِ حرکت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتی۔'' (ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ) یا یہ کہ ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیم مدہوشی کی کیفیت میں گھر جاتے اور کچھ لمحے اسی کیفیت میں رہتے۔'' (ابن سعد) یا یہ کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی سرد ترین دن میں آتی اور جب وہ اختتام پذیر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پسینہ موتیوں کی طرح چمک رہا ہوتا۔'' (البخاری) مزید یہ کہ ''ایک بار جب نزولِ وحی کی گھڑی آ پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک (کسی کپڑے کے) اندر جھکا لیا اور نیچے کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد ازاں یہ حالت ختم ہو گئی۔'' (البخاری رحمتہ اللہ علیہ) اسی طرح ایک صحابی یہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب بھی وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کو برداشت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا۔'' (ابن سعد) ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز سنتے۔'' یا البخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ درد برداشت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹوں کو حرکت و جنبش دیتے۔'' ایک اور سلسلۂ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تب بہت زیادہ بھاری وزن و بوجھ محسوس کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار تھے، اونٹ نے غصے سے منہ سے جھاگ نکالنا شروع کر دیا اور اپنی ٹانگوں کو اس حد تک موڑا کہ مجھے اس بات کا ڈر و خوف محسوس ہونے لگا کہ اس کی ٹانگیں ایک دھم کے وزنا کے کے ساتھ ٹوٹ جائیں گی۔ دراصل بعض اوقات اونٹ بیٹھ جاتا، لیکن بعض اوقات وہ زبردستی و سختی کے ساتھ کھڑے رہنے کی کوشش کرتا۔ تاہم نزولِ وحی کے وقت ایسا لگتا کہ جیسے اس کی ٹانگیں میخوں کی طرح گڑی ہوئی ہوں اور ایسا تب تک رہتا جب تک وحی کی کیفیت اختتام پذیر نہ ہو جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے پسینہ موتیوں کی طرح بہہ رہا ہوتا۔'' (ابن سعد) ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی مسند کے مطابق ''وزن و بوجھ ایک زناٹے کے

ساتھ اونٹ کی ٹانگوں کو تقریباً توڑ دیتا تھا۔" حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک خاص دن بارے اپنا ذاتی تجربہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ٹانگ مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی اور اس کا اتنا زیادہ وزن پڑا کہ مجھے خوف محسوس ہونے لگا کہ میری ران ایک زناٹے کے ساتھ ٹوٹ جائے گی۔" (بحوالہ الصحیح البخاری رحمۃ اللہ علیہ) ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ" اگر اس وحی کا نزول پیغمبرِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتا تو میں ایک چیخ مار کر اپنی ٹانگ کھینچ لیتا۔" ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری جگہ پہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ" ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے منبر پر کھڑے تھے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حس وحرکت کھڑے رہے۔" یا ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مزید روایت کرتے ہیں کہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے اور گوشت کا ایک ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں تھا اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور جب وحی کا نزول ختم ہوا تو گوشت کا ٹکڑا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ہی تھا۔" بعض اوقات ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کے سہارے لیٹ جاتے۔ بعض اوقات حالات کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بطور عزت واحترام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کپڑے کے ایک ٹکڑے سے ڈھانپ دیتے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی کے دوران کبھی بھی اپنے ہوش وحواس نہیں کھوئے نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پائے ہوں۔ تبلیغی مشن کے ابتدائی دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے دوران وہ سب کچھ اونچی آواز میں دہراتے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل ہوتا لیکن جلد ہی مکہ مکرمہ میں سکونت کے دوران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس ساتھ ساتھ دہرانے والی عادت کو ترک کر دیا اور وحی کی کیفیت کے اختتام پذیر ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کرنا شروع کر دی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنے کاتبین کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچاتے تاکہ وہ اسے لکھ کر محفوظ کر سکیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝

(سورۃ القیمۃ، آیت:16)

ترجمہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) (وحی کے ختم ہونے سے پہلے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے جلدی جلدی لیں۔"

اسی طرح:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ۝

(سورۃ طٰہٰ، آیت:114)

ترجمہ ''سو اللہ بادشاہ حقیقی بلند مرتبے والا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کے لینے میں جلدی نہ کریں جب تک اس کا اُترنا پورا نہ ہو جائے اور کہہ دیجیے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔''

اور جب پیغمبرِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عام حالت میں واپس آتے تو قرآن پاک کا وہ حصہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت وحی کی صورت نازل ہوا ہوتا اس کی املا اپنے کاتبین کرام رضی اللہ عنہم کو کرواتے تاکہ وہ اس حصے کی نشر و اشاعت مسلمانوں کے درمیان کر سکیں اور اس کی بہت سی نقول تیار کر سکیں۔ ابن اسحاق اپنے مخطوطہ ''المبعث و المغازی'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''جب بھی قرآن پاک کا کوئی حصہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس کی مردوں کے درمیان اور پھر عورتوں کے درمیان تلاوت فرماتے۔''

کتبِ الٰہی:

(145) اللہ تعالیٰ چونکہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اس لئے یہ انسان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت و بھلائی کے لئے پیغمبروں کو اس دنیا میں بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق شہنشاہ ہے اور وہ روحانی کے ساتھ ساتھ عارضی و دنیاوی قوانین کا سرچشمہ ہے۔ ہم نے ابھی وحی کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے لئے احکامات اور ان کے ابلاغ و ترسیل بارے بات کی ہے۔ تمام کتابیں انہی وحیوں کی تالیف و تدوین اور مجموعات پر مشتمل ہیں۔

(146) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد و مذاہب کا جو قانون و قاعدہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس ایک کتاب کا ذکر نہیں کیا کہ جس میں قرآن پاک کا حوالہ دیا گیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی کتب کا ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی قوت برداشت و تحمل ہی بحیثیت معلّمِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے نمایاں وصف و خوبی ہے۔ قرآن پاک میں اس کا کئی بار تذکرہ کیا گیا ہے مثال کے طور پر:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ

(سورۃ البقرہ، آیت: 285)

ترجمہ ''رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اُترا ہے اور مسلمانوں نے بھی مان لیا۔ سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس

کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو مان لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب! تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ایک اور جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

(سورۃ فاطر، آیت: 24)

ترجمہ ''بے شک ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا دین دے کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں گزری مگر اس میں ایک ڈرانے والا گزر چکا ہے۔''

اور مزید فرمان نازل ہوتا ہے کہ:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا

(سورۃ النساء، آیت: 164)

ترجمہ ''اور ایسے رسول بھیجے جن کا حال اس سے پہلے ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سنا چکے ہیں اور ایسے رسول جن کا ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے خاص طور پر کلام فرمایا۔''

اسی طرح:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ

(سورۃ المومن، آیت: 78)

ترجمہ ''اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے کئی رسول بھیجے تھے بعض ان میں سے وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بیان کر دیا اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کا حال بیان نہیں کیا اور کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ اذنِ الٰہی کے بغیر ظاہر کر سکے۔ پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا ٹھیک ٹھیک

فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھائیں گے۔"

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی دیگر کتب وصحائف کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں تسلیم بھی کیا گیا ہے ان کتب و صحائف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات، حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل شامل ہیں۔

﴿147﴾ یہ سچ ہے کہ آج کے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کردہ صحائف کا کوئی سراغ تک نہیں ملتا۔ ہر شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب توریت کی افسوسناک داستان بارے علم رکھتا ہے کہ کس طرح کفار نے متعدد بار اسے ضائع کیا۔ یہی حال حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب زبور کا بھی ہوا۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے ان کے پاس اپنی تعلیمات کی ترتیب و تدوین یا اس کی املا کروانے کا وقت نہیں تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین اور ان معتقدین کے جانشین ہی تھے کہ جنہوں نے آپ علیہ السلام کے منتخبہ خطبات و تعلیمات کو جمع کیا اور پھر تصحیح شدہ نسخوں کی ایک تعداد اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کی۔ جن میں سے تقریباً 70 تصحیح شدہ نسخے یا انجیلیں جانی و پہچانی جاتی ہیں جن میں سے چار کے علاوہ باقی سب کو کلیسا نے مسترد قرار دے دیا ہے۔ چاہے جو کچھ بھی ہو ہر مسلمان کے عقیدے کے لئے یہ ضروری و لازمی ہے کہ وہ نہ صرف قرآن پاک پر بلکہ اسلام سے پہلے نازل شدہ تمام تر آسمانی کتب وصحائف پر ایمان لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی گوتم بدھ، زرتشت یا ہندو برہمنیت کے بانیوں کا ذکر نہیں کیا۔ بس مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی بھی محترم کلام جیسا کہ زرتشتوں کی اوستا، یا ہندوؤں کی وِیدوں کی قطعی طور پر تصدیق و توثیق بیان کریں۔ تاہم وہ اس امکان کا باضابطہ انکار بھی نہیں کر سکتے کہ اوستا یا وِیدوں کے مذہب کی بنیاد مقدس تعلیمات پر نہیں رکھی گئی یا یہ کہ ان کی تعلیمات کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب تورات کی طرح بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑا۔ چین، یونان اور دوسری جگہوں سے متعلق یہی بات سچ پر مبنی ہے۔

﴿148﴾ ایک فرشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغام اس کے منتخب بندے تک پہنچاتا ہے اور اس پیغام کی ترسیل و ابلاغ اور ترویج و اشاعت کی ذمہ داری اس منتخب بندے کو سونپی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے والے انسانی نمائندے کے لئے قرآن پاک میں مختلف اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جیسا کہ نبی (پیغمبر)، رسول (پیامبر)، مرسل (نمائندہ)، بشیر (خوشخبری دینے والا)، نذیر (ڈرانے والا) وغیرہ۔

﴿149﴾ پیغمبرانِ خدا اللہ تعالیٰ کے نہایت متقی و پرہیز گار بندے ہوتے ہیں اور وہ روحانی کے ساتھ ساتھ عارضی و دنیاوی اور معاشرتی شعبہ جات زندگی میں اپنے بہترین و قابلِ تقلید طرزِ عمل کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ پیغمبروں کے لئے معجزے ضروری و لازمی نہیں ہوتے (تاہم تاریخ اسلام پیغمبرانِ خدا کے ساتھ معجزوں کو منسوب کرتی ہے لیکن انہوں نے ہمیشہ اس بات کی تصدیق و توثیق کی ہے کہ ان کے پاس اتنی طاقت و قابلیت نہیں ہے کہ وہ یہ معجزے سرانجام دے سکیں بلکہ یہ تو رب قادر و قدیر ہی ہے جو یہ سب کرنے والا ہے) صرف ان کی

تعلیمات ہی ان کی صداقت اور راستبازی کو پرکھنے کا بہترین معیار و اصول ہوتی ہیں۔

﴿150﴾ قرآن پاک کے مطابق، کچھ پیغمبروں پر آسمانی کتب نازل کی گئیں اور کچھ پر نئی کتب نازل نہیں کی گئیں بلکہ انہوں نے اپنے سے پہلے آنے والے پیغمبروں پر نازل کردہ کتب کی پیروی کی۔ مقدس پیغامات کی بنیادی تعلیمات و سچائیاں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اچھائی کا تقاضا کرنا اور بُرائی سے روکنا وغیرہ۔ تاہم وہ مقدس پیغامات معاشرتی ارتقاء کے مطابق لوگوں کے اپنائے گئے معاشرتی طرزِ عمل کے اصولوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مسلسل و متواتر پیغمبر اس دنیا میں بھیجے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پرانی تعلیمات و ہدایات کو منسوخ کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئی تعلیمات و ہدایات نے لے لی اور ان نئی تعلیمات و ہدایات کے ساتھ ساتھ کچھ پُرانے اصولوں کو بھی عقلمندی و ذہانت کے ساتھ برقرار رکھا۔

﴿151﴾ کچھ پیغمبروں کا مقدس مقصد صرف ایک قبیلے یا خاندان یا ایک نسل یا ایک علاقے کے افراد کو سیدھے راستے کی تعلیم دینا تھا۔ کچھ دوسرے پیغمبر پوری انسانیت کی تبلیغ پر مشتمل اور تمام زمانوں پر محیط بڑے مقصد لے کر آئے تھے۔

﴿152﴾ قرآن پاک میں کچھ پیغمبرانِ خدا کا ذکر واضح الفاظ میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت آدم، حضرت یونس، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت موسیٰ، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکن قرآن پاک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی پیغمبر اس دنیا میں آئے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کی آمد کے سلسلے پر اختتامی مہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی یعنی خاتم النبیین ہیں۔

عقیدۂ آخرت یا جزا و سزا:

﴿153﴾ پیغمبرِ خدا، داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدۂ آخرت پر ایمان لانے کا بھی تقاضا کیا ہے۔ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے دنیاوی اعمال کی بنیاد پر پرکھے گا تاکہ اسے اس کے اچھے کاموں کا صلہ اور بُرے کاموں کی سزا دے سکے۔ ایک دن ہماری کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم سے فناء ہو جائے گی اور پھر قلیل وقفے کے بعد اللہ تعالیٰ جس نے ہمیں موت سے پہلے زندگی دی تھی ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ جنت سے انعام کے طور پر نوازا جائے گا اور دوزخ میں سزا کے طور پر ڈالا جائے گا لیکن یہ صرف نقشی اصطلاحات ہیں جو ہمیں ان اشیاء بارے آگاہی دیتی ہیں کہ جو ہماری زندگی کے تمام دنیاوی نظریات کی دسترس سے باہر ہیں اس بارے بات کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

(سورۃ السجدہ، آیت: 17)

ترجمہ ''پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عمل کے بدلہ میں ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔''

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

(سورۃ التوبہ، آیت:72)

ترجمہ ''اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور عمدہ مکانوں اور ہمیشگی کے باغوں میں اور اللہ کی رضا ان سب سے بڑی ہے۔ یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ کے پاس انسان کے لئے اس کے فکر و خیال سے بھی بڑھ کر انعامات موجود ہیں حتیٰ کہ جنت کے باغات سے بھی بڑھ کر ہیں۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ہم پڑھتے ہیں کہ:

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

(سورۃ ق، آیت:35)

ترجمہ ''ان (پرہیزگاروں) کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہاں (جنت) ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔''

البخاری رحمتہ اللہ علیہ اور مسلم رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے کہ ایک متقی و پرہیزگار انسان کے لئے جنت کے بعد اللہ تعالیٰ کا دیدار آخری انعام و تحفہ ہوگا۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اس بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ حدیثِ قدسی دہرایا کرتے تھے کہ ''اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے متقی و پرہیزگار غلاموں (بندوں) کے لئے جنت میں ایسی اشیاء کا اہتمام کیا ہے کہ جنہیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ نہ ہی کسی کان نے سنا ہے حتیٰ کہ کسی انسان کے دل (اور دماغ) میں ان کا کبھی خیال تک نہیں آیا۔'' جہاں تک جنت سے بڑھ کر انعامات کا تعلق ہے تو اس بارے البخاری رحمتہ اللہ علیہ، مسلم رحمتہ اللہ علیہ، ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے مستند و معتبر ذرائع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم حدیث بیان کرتے ہیں۔ ''جب جنت کے حقدار لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا۔ مجھ سے مانگو میں تمہیں اس سے بڑھ کر کیا دے سکتا ہوں؟ لوگ عزت ملنے، جنت دیئے جانے اور دوزخ سے بچائے جانے پر مسرت آفریں حیرت میں مبتلا ہوں گے اور انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیا مانگیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے اوپر سے پردہ اٹھائے گا اور کوئی بھی منظر اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلوے و دیدار سے بڑھ کر دلکش و

دلفریب نہیں ہوگا۔" (ایک اور روایت میں 'پردہ'، 'حجاب' کی بجائے 'عظمت و کبریائی کی چادر'، 'رداء الکبریا' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔) دوسرے الفاظ میں ایک ایمان والے کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار و جلوہ ہی دراصل حقیقی و اصلی انعام ہوگا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دوسری دنیا کے تصوراتی و خیالی نظریے کو سمجھنے اور اس کی تعریف و توصیف کرنے کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس مستند و معتبر تفسیر و تشریح کی روشنی میں ہر شخص کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں موجود جنت کے انعامات اور دوزخ کے عذاب اور مصائب و آلام بارے بیانات کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ جن کو عام آدمی کے لئے مسلسل و متواتر ان اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جو ہمیں ہمارے اردگرد موجود چیزوں کی یاد دلاتی ہیں۔ جنت میں باغات، ندیاں یا نہریں، نوجوان حوریں، قالین، مکلّف ملبوسات، ہیرے جواہرات، قیمتی پتھر، پھل اور شرابِ طہور کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ ہوگا کہ جس کی انسان خواہش و آرزو کرے گا۔ اسی طرح دوزخ میں آگ، سنپولیے، اُبلتا ہوا پانی اور دوسری اذیتیں ہوں گی اور ایسی جگہیں بھی ہوں گی جو بہت زیادہ سرد ہوں گی اور ان تمام مصائب و آلام کے باوجود ان سب سے چھٹکارا پانے کے لئے موت نہیں ہوگی۔ جب کوئی شخص انسانوں کی وسیع تعداد بارے سوچتا ہے یا مقدس پیغام تمام لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو یہ سب وضاحت کے ساتھ بیان کرنا آسان ہوتا ہے۔ ہر شخص سے اس کی سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت اور اس کی ذہانت کے مطابق گفتگو کرنا ضروری و لازمی ہوتا ہے۔ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک دن جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایمان لوگوں کے ایک گروہ سے جنت اور اس کی لذتوں سے متعلق بات کر رہے تھے (جنت میں موجود براقوں سمیت) ایک بدوی کھڑا ہوا اور اس نے سوال اٹھایا "کیا وہاں گھوڑے بھی ہوں گے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور نرم لہجے میں فرمایا "وہاں ہر چیز ہوگی جس کی کوئی شخص آرزو کرے گا۔" قرآن پاک جنت اور دوزخ بارے صرف اس لئے بات کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے ایک اوسط انسان کو منصفانہ زندگی گزارنے اور سچ کے راستے پہ چلنے کی ترغیب دے سکے۔ اس معاملے میں تفصیلات کی کوئی اہمیت نہیں چاہے ان میں جگہ یا اشیاء کی حالت بارے ہی کیوں نہ بیان کیا گیا ہو۔ ہمیں ان میں سے کسی چیز میں دلچسپی نہیں لینی چاہیے۔ ہر مسلمان جنت اور دوزخ پر ایمان رکھتا ہے یہ پوچھے بغیر کہ "کیسے؟"

154 یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جنت ابدی و دائمی ٹھکانہ ہوگی۔ جو ایک بار اس کا حقدار بن جائے گا پھر اسے وہاں سے نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ قرآن پاک اس بات کا یقین ان الفاظ میں دلاتا ہے کہ:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

(سورۃ الحجر، آیت: 48)

ترجمہ "نہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔"

کچھ لوگ جنت میں فوراً داخل ہو جائیں گے کچھ لوگ جنت میں داخل ہونے سے پہلے قید و بند کا طویل یا قلیل عرصہ دوزخ میں گزاریں گے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایمان نہ لانے والوں کے لئے دوزخ ابدی و دائمی ٹھکانہ ہو

گا؟ اس نکتے پر مسلمان علمائے دین کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاہم ان میں سے کثیر تعداد اس بات کی قرآنی آیات کی بنیاد پہ تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سوائے کفر کے ہر گناہ اور ہر جرم معاف کرسکتا ہے اور یہ کہ کفر جیسا گناہ کرنے کی صورت میں جو سزا دی جائے گی وہ ابدی و دائمی ہوگی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

(سورۃ النساء، آیت:48)

ترجمہ "بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخشتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا ہی گناہ کیا۔"

اسی طرح ارشاد رب العزت ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

(سورۃ النساء، آیت:116)

ترجمہ "بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

دوسرے علمائے کرام کی یہ رائے ہے کہ حتیٰ کہ ایک دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے کفر کی سزا بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ان علمائے دین نے اپنی آراء قرآن پاک کی کچھ آیات سے بھی اخذ کی ہیں۔

خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾

(سورۃ ھود، آیت:107)

ترجمہ "اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان زمین قائم ہیں۔ ہاں اگر تیرے اللہ ہی کو منظور ہوا (تو دوسری بات ہے) بے شک تیرا رب جو چاہے اسے پورے طور سے کرسکتا ہے۔"

مزید ارشاد رب العزت ہے کہ:

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾

(سورۃ الزمر، آیت:35)

ترجمہ ''تاکہ اللہ ان سے وہ بُرائیاں دور کردے جو انہوں نے کی تھیں اور اللہ ان کو ان کا اجر دے ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔''

یہاں ہمیں اس بحث کو مزید جاری رکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے لامحدود رحم وکرم کی امید کرتے ہیں۔

تقدیر اور اختیار:

﴿155﴾ اپنے بیان میں سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس ایمان و یقین کا تقاضا کرتے ہیں کہ اچھی اور بُری تقدیر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیا ان الفاظ کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ انسان کے لئے ہر چیز پہلے سے لکھی ہوئی ہے یا اس بیان کا صرف یہ مفہوم ہے کہ انسان جو بھی اچھے اور بُرے کام کرتا ہے ان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ دوسرے الفاظ میں کوئی بھی شے خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی بلکہ ایسا صرف اس لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا بنایا ہے اور انسان کو سوائے مشاہدے کے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا۔

﴿156﴾ دراصل یہاں علمائے دین کے لئے ایک مشکل ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے تو یہ بات انسان کے اعمال کی تقدیر کے برعکس ہوگی۔ اسی طرح اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال میں آزاد ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو انسان کے دنیاوی اعمال کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انسان پر کوئی طاقت واختیار رکھتا ہے۔ یہ دونوں متبادلات پریشانی وپیچیدگی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ صرف منصف بلکہ قادرِ مطلق اور علم و بصیر جیسی صفات منسوب کرنا چاہے گا۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بحث کو مضحکہ خیز قرار دیا ہے کہ جس کا کبھی بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو باضابطہ طور پر یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس قسم کی بحث میں نہ الجھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ'' تم سے پہلے لوگ اس بے معنی و بے نتیجہ بحث کی وجہ سے اپنے راستے سے بھٹک گئے تھے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پہلو وزاویے اور تعظیم کو مدِنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قادرِ مطلق اور علیم و بصیر جیسی صفات منسوب کی ہیں اور اس بات کی بھی تصدیق وتوثیق کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسری کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث کو اس طرح کی غیر سودمند اور فضول و بے فائدہ بحث بنا دیا ہے جیسے کہ یہ بحث کی جائے کہ انڈہ پہلے وجود میں آیا تھا یا مرغی؟

﴿157﴾ مزید یہ کہ اچھائی اور بُرائی واضح طور پر اصطلاحاتِ متعلقہ ہیں۔ ایک چیتا، خرگوش کو اپنی خوراک کے لئے شکار کرتا ہے جو چیز ایک کے لئے اچھی (غذا) ہے وہی دوسرے کے لئے بُری (موت) ہے۔ اس لئے جو بُرائی ہم تک پہنچتی ہے وہ ہماری اپنی فطرت کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ اس بُرائی کے قابل ہوتی ہے یا اس کا تقاضا کرتی ہے۔ یوں یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ ایک عمل کس کے لئے اچھا ہے اور کس کے لئے بُرا ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فرض و ذمہ داری کا نظریہ ایک دنیاوی چیز ہے۔ جبکہ'' اللہ تعالیٰ

کی طرف سے سزا یا جزا' کا تعلق روحانی معاملات سے ہے۔ ہمیں صرف تب دھچکا پہنچتا ہے یا پریشانی ہوتی ہے جب ہم ان دونوں کو ایک ہی درجہ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا مغالطہ ہوگا۔

158 آیئے ہم یہ بات یاد رکھیں کہ رب قادر مطلق پر یہ دوہرا ایمان و یقین مکمل طور پر ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان کو کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے یہاں تک کہ یہ اسے اپنی ناگزیر بدقسمتی سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیتا ہے۔ یہ انسان کو غیر متحرک پن سے دور لے جاتا ہے اور اسے چاق و چوبند و متحرک رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو اس بیان کی سچائی بارے یقین دلانے کے لئے ہمیں ان ابتدائی نومسلموں کے اعمال و افعال کا حوالہ دینا پڑتا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بہترین پیروکار تھے۔

نتیجہ:

159 یہ ان سب چیزوں کا عملی خلاصہ ہے جن پر ایک مسلمان کو یقین کرنا پڑتا ہے۔ عقیدے کے اس پورے طریقہ کار کا خلاصہ ان دو جملوں کے ذریعے مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور بندے ہیں۔" یہ دو جملے ہمیں یہ یاد دلانے کا کام کریں گے کہ اسلام نہ صرف ایک عقیدہ ہے بلکہ یہ روحانی و دائمی کے ساتھ ساتھ دنیاوی و عارضی عمل بھی ہے۔ دراصل یہ ایک مکمل انسانی ضابطہ حیات ہے۔

❀......❀

باب 5

جاں نثارانہ حیات اور اسلامی عبادات

160 اسلام کا مقصد انسانی سرگرمی کے مختلف میدانوں میں سے کسی ایک کو بھی نظرانداز کیے بغیر ایک مکمل ضابطۂ حیات فراہم کرنا ہے۔ اسلام کا مقصد تمام متعلقہ عناصر و پہلوؤں میں ربط و توازن پیدا کرنا ہے۔ مرکزیت پیدا کرنے میں اسلام کی دلچسپی اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ تمام اسلامی عبادات کا تعلق بیک وقت جسم اور روح سے ہے۔ نہ صرف عارضی و دنیاوی عبادات مقدس اخلاقی کردار کے حصول کا ذریعہ بنتی ہیں کہ جب ان پر مقدس ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے بلکہ روحانی عبادات کی بھی اپنی ایک افادیت ہوتی ہے۔ اِسلامی طرزِ عمل کے اصول خواہ وہ روحانی ہوں یا عارضی و دنیاوی، دونوں کے ظہور پذیر ہونے کا ایک ہی ذریعہ قرآن پاک ہے جو کہ کلامِ الٰہی ہے۔ ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اصطلاح کے مطابق امام کے معنی و مفہوم نہ صرف مسجد میں نماز کی امامت و سربراہی کرنے کے ہیں بلکہ اس کے معنی مسلمان ریاست کے سربراہ کے بھی ہیں۔

161 ایک مشہور حدیث میں داعئ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین (ایمان) اطاعت (اسلام) اور عمل کرنے کا بہترین طریقہ (احسان) وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ زیر بحث مضمون کی وضاحت کے مقصد کے لئے یہ باعثِ تعریف و قابلِ ستائش ہوگا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسرے موقع پر کہی گئی حدیث کا حوالہ دیں اور اُس کے متعلق اظہارِ خیال کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت (اسلام) کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص نماز قائم کرے، سالانہ روزے رکھے، حج بیت اللہ ادا کرے اور زکوٰۃ (ٹیکس) ادا کرے۔

نماز

162 حدیث محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "نماز دین کا ستون ہے"۔ قرآن پاک میں سو سے زائد بار نماز کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے مختلف مواقع پر صلوٰۃ (رغبت، میلان)، دعا (مانگنا، التجا کرنا) ذکر (یاد کرنا)، تسبیح (حمد و ثناء)، انابہ (لگاؤ، وابستگی) وغیرہ جیسے ناموں سے پکارا گیا ہے۔

163 زمین پر قادر مطلق کے اقتدار اعلیٰ کا اقرار کرنے کے لئے اسلام روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ ہر شخص کو صبح بیدار ہوتے ہی نماز ادا کرنی چاہیے۔ اور ہر شخص کو صبح سویرے بیدار ہونا چاہیے۔ پھر ابتدائی دوپہر میں، آخری دوپہر میں، غروبِ آفتاب کے فوراً بعد اور رات کو سونے سے پہلے نماز ادا کرنی

چاہیے۔ ہر شخص کو ہر نماز کی ادائیگی کے چند منٹوں کے دوران تمام مادی دلچسپیوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ رب خالق و مالک کے حضور اپنی اطاعت و فرمانبرداری اور شکر گزاری و ممنونیت کا ثبوت پیش کر سکے۔ نماز ہر بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے۔

﴿164﴾ ابتدائی دوپہر کی نماز ہر جمعے کو باضابطہ طور پر ہفتہ وار اجتماعی عبادت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں علاقے کا امام نمازِ جمعہ سے پہلے خطبہ دیتا ہے۔ اسلام میں سالانہ دو عیدیں منائی جاتی ہیں۔ ایک ماہِ رمضان کے اختتام پر اور دوسری حج مکہ مکرمہ کے موقع پر منائی جاتی ہے۔ ان دونوں عیدوں پر روزانہ کی نمازِ پنجگانہ کے علاوہ ایک خاص نماز عید کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس صبح سویرے لوگ عید کی اجتماعی نماز کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں جس کے بعد امام خطبہ دیتا ہے۔ ایک اور نماز جو فرض کی گئی ہے وہ نمازِ جنازہ ہے جو کہ مرحوم شخص کی تدفین سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

﴿165﴾ نماز کے مخفی و پوشیدہ معانی و مطالب اور پُر اسرار اثرات کے بارے بات کرتے ہوئے ایک عظیم صوفی شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں کہ "جان لو کہ بعض اوقات وجد و کیف کی مقدس کیفیت بجلی کی سی تیزی سے کسی شخص کا احاطہ و گھیراؤ کر لیتی ہے اور وہ شخص اپنے آپ کو عظیم ترین ممکنہ وابستگی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی دہلیز سے منسلک پاتا ہے۔ تب اُس شخص پر مقدس تبدیلی (تجلّی) اترتی ہے جو اُس کی روح پر غلبہ پا لیتی ہے۔ وہ شخص ایسی چیزیں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے جو کہ انسانی زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ایک دفعہ جب تجلّی کی یہ کیفیت اختتام پذیر ہوتی ہے، وہ شخص اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس وجد و کیف کی کیفیت کی محرومی کے احساس میں مبتلا پاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اُسی کیفیت میں جانے کی کوشش کرتا ہے جو اُسے چھوڑ چکی ہوتی ہے۔ اور اس عاجز دنیا کی اُس حالت کو اپنا لیتا ہے جو کہ مالک ارض و سماء کے عشق میں جذب و محو ہونے کی حالت سے قریب تر ہوتی ہے۔ یہ عزت و احترام اور جاں نثاری و وفاداری کا ایک انداز ہے اور مناسب و موزوں اعمال و الفاظ کے ہمرکاب رب تعالیٰ سے تقریباً براہِ راست گفتگو کا ایک انداز بھی ہے۔ عبادت تین ضروری و لازمی عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ ❶ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور شاہانہ جاہ و جلال کی موجودگی کے احساس کے نتیجے میں دل (روح) کی عاجزی و انکساری ❷ موزوں و مناسب الفاظ و کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری اور انسان کی عاجزی و انکساری ❸ تعظیم کے ضروری و لازمی انداز کا جسمانی اعضاء کے ذریعے اظہار کرنا...... کسی کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے ہم اپنی پوری توجہ مرکوز کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے چہرے کو اس کی جانب موڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ بہت عزت و احترام کرنے کی حالت وہ ہوتی ہے جب ہم اپنے سر کو کسی کی تعظیم میں موڑتے اور جھکاتے ہیں پھر بھی بہت زیادہ احترام کا اظہار اپنے چہرے کو نیچے رکھنے سے ہوتا ہے۔ ایک شخص قابلِ تعظیم ہستی کی بارگاہ میں اپنا سر جتنا نیچے زمین سے لگاتا ہے اتنا ہی اُس شخص کی عاجزی و انکساری کے بلند ترین درجے کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک انسان اپنے روحانی ارتقاء کے درجے پر صرف آہستہ آہستہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِس طرح کی

بلندی پانے کے لئے تینوں درجوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ایک مکمل نماز کے تین انداز ہوتے ہیں۔قیام، رکوع اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونا؛ اور یہ تمام اعمال روح کے ضروری و لازمی ارتقاء کے لئے ادا کیے جاتے ہیں تاکہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور انسان کی عاجزی و انکساری کو سچے اور کھرے انداز میں محسوس کر سکے۔" (حجۃ البالغہ جلد نمبر 1، نماز کے اسرار و رموز)

166 قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ﴿١٨﴾

(سورۃ الحج، آیت:18)

ترجمہ "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ہیں کہ جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کرتا ہے پھر اُسے کوئی عزت نہیں دے سکتا بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤٤﴾

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت:44)

ترجمہ "ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اس (اللہ) کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اس (اللہ) کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بردبار بخشنے والا ہے۔"

درحقیقت نماز تمام مخلوقات کی عبادت کے طریقوں کو اکٹھا کر دیتی ہے۔آسمانی اجسام سورج، چاند، ستارے نماز کی رکعت کے بعد رکعت کی طرح اپنے ابھرنے اور ڈوبنے کا عمل دہراتے ہیں۔ پہاڑ نماز میں قیام کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔ جانور نماز میں رکوع کی طرح مڑے اور جھکے ہوئے رہتے ہیں۔ جہاں تک درختوں کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی خوراک اپنی جڑوں سے حاصل کرتے ہیں جو کہ اُن کے منہ ہوتے ہیں اور دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مطلب و مفہوم ہے کہ درخت نماز میں سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے کی طرح ہمیشہ جھکے رہتے ہیں۔مزید یہ کہ قرآن پاک کے مطابق پانی کا بنیادی مقصد پاک صاف کرنا ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

(سورۃ الانفال: آیت 11)

ترجمہ ''جس وقت اس (اللہ) نے تم پر اپنی طرف سے تسکین کے لئے اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس سے تمہیں پاک کردے اور شیطانی نجاست تم سے دور کردے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس سے تمہارے قدم جمادے۔''

پانی کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد صاف کرنا ہے اور اس کا موازنہ نماز کی خاطر وضو کے لئے پانی کی ضرورت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ بجلی کی گرج خدا کی حمد کرتی ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

(سورۃ الرعد: آیت 13)

ترجمہ ''اور رعد اس (اللہ) کی پاکی کے ساتھ اس کی تعریف کرتا ہے اور سب فرشتے اُس کے ڈر سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر انہیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور یہ تو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑی قوت والا (سخت پکڑ والا) ہے۔''

یہ آیت ہمیں اللہ اکبر کو اونچی آواز میں پڑھنے کی یاد دلاتی ہے۔ جسے نماز کے دوران بہت بار دہرایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ہم نماز کے دوران اونچی آواز میں تلاوت کو نظر انداز بھی کر دیں جو کہ کچھ نمازوں کے دوران اونچی آواز میں کی جاتی ہے اور کچھ کے دوران نہیں کی جاتی۔ غول کی شکل میں اُڑتے ہوئے پرندے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

(سورۃ النور: آیت 41)

ترجمہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے پرندے جو پر پھیلائے اڑتے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح سمجھ رکھی ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔''

جیسا کہ مسلمان اپنی باجماعت نماز میں کرتے ہیں۔ اسی طرح روزمرہ زندگی میں سائے کا پھیلنا اور سکڑنا بھی اللہ

تعالیٰ کی اطاعت وبندگی کا ایک خاص انداز ہے۔ارشادِ رب العزت ہے:

وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۩

(سورۃ الرعد: آیت 15)

ترجمہ ''اور چار و ناچار اللہ ہی کو آسمان والے اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح اور شام (سجدہ) کرتے ہیں۔''

اسی طرح:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ

(سورۃ الحج: آیت 18)

ترجمہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔''

نمازی بھی نماز کے دوران قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کی صورت میں پھیلتے اور سکڑتے ہیں۔
پہلے بیان کیے گئے مختلف مخلوقات کے اعمال کو نماز میں مجتمع کیا گیا ہے۔اس میں اُن اعمال کا اضافہ کیا گیا ہے جو دوسری مخلوقات میں نہیں پائے جاتے اور انسان کے لئے مخصوص ہیں۔(آگے اسی کتاب کا پیراگراف نمبر 167 دیکھئے)۔

166 (الف) یہ بات لائقِ اعادہ ہے کہ نماز کے لئے اسلامی لفظ ''عبادت'' ہے جو کہ 'عبد' (غلام) سے اخذ کیا گیا ہے۔دوسرے الفاظ میں عبادت یہ ہے کہ غلام وہ کرے جو اس کا آقا اس سے چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ پہاڑوں سے کھڑے رہنے اور جانوروں سے جھکے رہنا کا تقاضا کرتا ہے۔اور یہی ان کی نماز اور ان کی عبادت ہے۔ ہر ایک کے لئے عبادت کا وہ طریقہ ہے جو اُسے جچتا ہے اور وہ جو اس کا مالک اُس سے چاہتا ہے۔ یقیناً انسان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے جو اُسے عاقل، اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ بناتا ہے۔

166 (ب) وضو یا مذہبی رسم کے طور پر غسل اور جسمانی صفائی ستھرائی قبولیتِ نماز کی بنیادی شرط ہے جسے بعد میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔(اسی کتاب کا پیراگراف نمبر 549 دیکھئے)۔ایک مسلمان فلسفی نے بڑے بہترین انداز میں وضو کی اہمیت بیان کی ہے۔وضو کے لئے ایک شخص کو اپنے ہاتھ، منہ، ناک، چہرہ، بازو، سر، کان اور بازو دھونے پڑتے ہیں۔اِن تمام اعضاء کو دھونے سے نہ صرف بیرونی صفائی و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ ماضی سے متعلق برے اعمال بارے پچھتاوے اور مستقبل سے متعلق عزم و ارادہ کرنے کا

ذریعہ بھی ہے۔ پچھتاوا ماضی کے گناہوں کو دھو دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعے مدد طلب کرتے ہوئے عزم وارادہ کرنے کا تعلق ہماری آئندہ زندگی سے ہوتا ہے اور اس کا تعلق ہمارے ایسے بنیادی اعضاء سے ہوتا ہے جن کے ذریعے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ ہاتھ حملہ کرتے ہیں، منہ بولتا ہے، ناک سونگھتا ہے، چہرہ یا وضع قطع وقار کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اثر اور دباؤ ڈالنے کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ہاتھ تھامتے ہیں، دماغ سوچتا اور منصوبے بناتا ہے، کان سنتے ہیں، قدم برائی کے راستے پر چلتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ہم نفسانی گناہ بارے بات نہیں کرتے جس سے کوئی بھی شخص طہارت خانے میں پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ پاکیزگی کا یہ علاماتی اور صوفیانہ پہلو دعاؤں کے اُن طریقہ ہائے کار کے ذریعے ثابت وظاہر ہوتا ہے جو کہ ہم وضو کے دوران ہر عضو کو دھوتے وقت پڑھتے ہیں۔ طہارت خانے میں ہم کہتے ہیں کہ ''اے اللہ، میرے دل کو منافقت سے پاک کر دے اور میرے نفس کو شرمناک اعمال اور زنا بالقصد سے بچا۔'' ایک شخص وضو کی نیت ان الفاظ میں باندھتا ہے: ''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پانی کو خالص اور پاک صاف کرنے والا بنایا ہے۔'' جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اللہ سے دعا کرتا ہے کہ ''روزِ قیامت میرے چہرے کو روشن کرنا اور اُسے تاریک نہ کرنا۔'' بازو دھوتے وقت دعا کرتا ہے کہ ''میرے بازوؤں کو برے کاموں کے لئے نہیں بلکہ اچھے کاموں کے لئے استعمال کرانا، قیامت کے دن نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں نہیں بلکہ دائیں ہاتھ میں دینا اور میرا حساب مجھ پر مشکل نہیں بلکہ آسان کر دینا۔'' مسح کرتے وقت دعا کرتا ہے کہ ''اے اللہ مجھے مفید علم سکھا۔'' کانوں کو دھوتے وقت دعا کرتا ہے کہ ''مجھے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سننے کی توفیق عطا فرما۔'' اور پاؤں دھوتے وقت دعا کرتا ہے کہ ''پل صراط سے گزرتے وقت میرے قدموں کو استحکام عطا کرنا اور میرے قدموں کو اُس دن ٹھوکریں کھانے سے بچانا جس دن تیرے دوستوں کے قدم مضبوط و جمے ہوئے ہوں گے اور تیرے دشمنوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔''

(167) شب معراج کے موقع پر مسلمانوں کے لئے روزانہ کی پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ مومن کی نماز اُس کے مرتبے کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہے اور نماز سے اُس کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور بلند ہو جاتا ہے۔ یہ الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ ایک مسلمان اپنی نماز کس طریقے سے ادا کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ کھڑا ہوتا ہے، اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ''اللہ سب سے بڑا ہے۔'' پس اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور صفات بیان کرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے شاہانہ جاہ وجلال اور شان وشوکت کے آگے اتنی عاجزی و انکساری محسوس کرتا ہے کہ خود نیچے جھکتا ہے اور اپنے سر کو تعظیماً بارگاہِ خداوندی میں جھکاتے ہوئے یہ اعلان کرتا

ہے کہ ''پاک ہے وہ رب جو بڑی عظمت والا ہے۔'' پھر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے کہ اُس رب رحیم وکریم نے اُسے ہدایت بخشی اور اس کا ذہن رب تعالیٰ کی عظمت و بڑائی سے اِس قدر متاثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے پر مائل محسوس کرتا ہے اور بڑی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنا سر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں رکھ دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ''پاک ہے وہ رب جو سب سے بلند و برتر ہے۔'' وہ ان افعال کو بار بار دہراتا ہے یہاں تک کہ اُس کا جسم اِس روحانی مشق کا عادی ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا مرتبہ بلند سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اِس مادی دنیا سے بے نیاز ہوتے ہوئے آسمانی فضا سے گزر کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے حضور سلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اپنے سلام کا جواب وصول کرتا ہے۔ دراصل وہ اس مقصد کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس سنت پر عمل کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر قائم کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کچھ اس انداز میں آداب وتسلیمات کا تبادلہ کیا تھا۔ ''ادب وتعظیم کے سب کلمات، تمام دعائیں وعبادات، تمام پاکیزہ باتیں اور عمل اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسم پر سلام ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں بھی ہوں۔ ہم سب پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام پرہیزگار بندوں پر بھی سلام ہو۔'' مادی اور بتوں جیسی علامات کے بغیر ایک نمازی ربِ قادر مطلق کی جانب روحانی سفر کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سلام کا نذرانہ پیش کر سکے جس کے لئے کچھ لوگ ''راز و نیاز آمیز رابطہ'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

168 یہ نماز کے روحانی فضائل ہیں۔ جہاں تک نماز کے مادی فضائل کا تعلق ہے نماز کے متعدد مادی فضائل ہیں۔ نماز ایک علاقے کے باشندوں کو روزانہ پانچ وقت جمع کرتی ہے اور انہیں ان کے یکسانیت آمیز پیشہ ورانہ انفرادی فرائض کے دوران کچھ منٹوں کے لئے سکون واطمینان کا موقع فراہم کرتی ہے اور اونچے طبقے سے نچلے طبقے تک کی شخصیات کو مکمل برابری کی سطح پر ایک ہی جگہ اکٹھا کرتی ہے (کیونکہ وہ علاقے کا سربراہ ہوتا ہے جسے امامت کا فریضہ سرانجام دینا ہوتا ہے اور دارالحکومت کی مرکزی مسجد میں یہ فریضہ ریاست کا سربراہ خود سرانجام دیتا ہے)۔ پس ایک شخص نہ صرف اپنے علاقے کے دوسرے باشندوں سے ملاقات کرتا ہے بلکہ اُس علاقے کے ذمہ دار اہلکاروں سے بھی ملاقات کرتا ہے اور بغیر کسی باضابطہ کارروائی یا رکاوٹ کے ان تک رسائی وپہنچ حاصل کر لیتا ہے۔ نماز کا معاشرتی پہلو یہ ہے کہ ایک صاحبِ ایمان اپنے گرد اللہ تعالیٰ کی مطلق حکمرانی وحکومت محسوس کرتا ہے۔ اور فوجی اصول پسندی پر مبنی ریاست میں بستا ہے۔ مؤذن کے بلاوے پر تمام لوگ مسجد کی جانب دوڑتے ہیں۔ امام کے پیچھے ترتیب وار صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں اور تمام لوگ مکمل یکسانیت اور ربط کے ساتھ ایک جیسے افعال اور حرکات وسکنات کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ کرۂ ارض کے تمام حصوں میں نمازی اپنی نماز کے دوران اپنے چہرے ایک ہی مرکزی نقطے، کعبہ شریف یا مکہ مکرمہ میں موجود اللہ تعالیٰ کی

طرف موڑتے ہیں۔ یہ بات انہیں مرتبے، نسل یا علاقے کے امتیاز کے بغیر اُمتِ مسلمہ کے اتحاد و یگانگت کی یاد دلاتی ہے۔

169 عبادت کا سب سے افضل اور باضابطہ طریقہ باجماعت نماز ہے۔ اس طرح کے امکان یا مناسب و موزوں سہولت کی عدم دستیابی کی صورت میں مرد ہو یا عورت اکیلے اور انفرادی طور پر نماز ادا کرتے ہیں۔ دن میں پانچ نمازوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ 24 گھنٹوں کے دوران تقریباً 24 منٹ بارگاہِ خداوندی میں یا اللہ تعالیٰ کی یاد میں کم سے کم درجے کے فرض کی صورت میں گزارے جائیں بلکہ دراصل ایک صاحب ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر لمحہ چاہے خوشی میں ہو یا غم و الم کی کیفیت میں، کام میں مصروف ہو یا بستر میں آرام کر رہا ہو یا کسی بھی شعبے میں مصروف ہو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

(سورۃ آل عمران: آیت 190 تا 191)

ترجمہ ”بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تُو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تُو سب عیبوں سے پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے اور استعمال کے لئے کائنات کو اس کے تابع کیا ہے لیکن کائنات میں موجود آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں و برکتوں کی قدر افزائی و شکر گزاری اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت بھی کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت اور اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنی چاہیے۔

170 یہاں یہ بات لائقِ توجہ ہے کہ جس لمحے نماز فرض کی گئی اسی لمحے قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

(سورۃ البقرہ: آیت 286)

ترجمہ "اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔ نیکی کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی۔ اے رب ہمارے! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑ۔ اے رب ہمارے! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تُو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے رب ہمارے! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کر دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تُو ہی ہمارا کارساز ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں تُو ہماری مدد کر۔"

نگاہِ خداوندی میں ایک چیز کی تعداد یا اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے استعمال کیے گئے طریقہ کار کی نہیں بلکہ اُس چیز بارے رضا و ارادے اور عزم و استقلال کی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر ایک سچا و مخلص انسان ایمانداری سے اُس بات پر ایمان و یقین رکھتا ہے کہ وہ روزانہ کی نماز پنجگانہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو اُسے اس کے مواقع اور حالات و واقعات اور رکاوٹ کے دورانیے کے مطابق روزانہ چار بار، تین بار، دو بار حتیٰ کہ ایک بار نماز ادا کرنا چاہیے۔ ضروری و لازمی نکتہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو مادی اور دنیاوی سوچوں و فکروں کے درمیان اپنا روحانی فرض نہیں بھولنا چاہیے۔ نماز میں اس طرح کی رعایت وتخفیف کی اجازت غیر معمولی حالات میں دی جاتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص بیمار ہو اور اُسے بے ہوشی کے دورے پڑتے ہوں یا وہ ناگزیر فرائض سرانجام دینے میں مصروف ہو۔ اس بارے ہم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ دراصل یہ بیان کیا جاتا ہے کہ غزوہ خندق کے دوران ایسا ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء یہ تمام چار نمازیں رات کو اکٹھی ادا کیں۔ کیونکہ دشمن نے تمام دن کے دوران ادائیگی نماز کے لئے آرام کی ایک گھڑی بھی مہیا نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازیں دو حصوں میں ادا کیں۔ ایک اور جگہ حضرت ابنِ عباسؓ جیسے معتبر صحابی یہ بیان کرتے ہیں کہ (بحوالہ بخاری و مسلمؒ، ترمذیؒ، ابن حنبلؒ، مالکؒ اور خاص طور پر صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین الصلوتین فی الحضر نمبر 54,50,49) "بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کرتے تھے جب کہ نہ ہی دشمن کا کوئی خوف ہوتا تھا اور نہ ہی سفر کی کوئی تکلیف ہوتی تھی۔" مزید اضافہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ "اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو کوئی تکلیف نہ ہونی چاہیے۔" یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یقیناً یہ سب کچھ ہر صاحب ایمان کے اپنے ضمیر پر منحصر ہوتا ہے جو کہ ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ اللہ جسے نہ تو کوئی دھوکا دے سکتا ہے اور جس سے نہ ہی کوئی بھی چیز مخفی و پوشیدہ رکھی جا سکتی ہے۔ ایک بار پھر نماز کے اوقات بارے سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ عام ملکوں (استوائی۔ منطقہ حارّہ) کے درمیان اور وہ علاقے جو دور ہیں اور قطبین تک پھیلے ہوئے ہیں سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے اوقات میں بہت زیادہ فرق ہے۔ البیرونی کے جائزے کے مطابق سورج چھ ماہ تک غروب رہتا ہے اور پھر مسلسل چھ ماہ

تک روشنی پھیلانے کے لئے طلوع رہتا ہے۔ (نقطۂ اعتدال کے دونوں کے علاوہ)۔ اسلامی قانون دان اور ماہر علمائے دین اس بات کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ 45 ڈگری متوازی سے 90 ڈگری متوازی تک جو گھنٹے ہوتے ہیں ان میں نماز جائز ہوتی ہے۔ قطبین تک اور ان علاقوں میں جو کہ 45 ڈگری متوازی سے 90 ڈگری متوازی کے درمیان محیط ہیں ان علاقوں میں ہر شخص کو سورج کے حساب سے نہیں بلکہ گھڑی کے حساب سے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ یہ اصول نماز کے ساتھ ساتھ روزوں اور اس طرح کے دوسرے فرائض پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

171 ماہواری اور زچگی کے دوران عورتوں کو نماز سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

172 مومن کا دوسرا مذہبی فریضہ ہر سال ایک ماہ کے روزے رکھنا ہے۔ ہر شخص جو کہ استوائی اور منطقہ حارہ ملکوں میں بستا ہے اُس پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ ماہِ رمضان کے دوران ہر روز صبح سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے، پینے اور سگریٹ نوشی سے پرہیز کرے۔ (اس میں ویکسین اور انجکشن بھی شامل ہیں)۔ اور اسی کے مساوی مدت اُن مسلمانوں کے لئے بھی ہے جو کہ اُن علاقوں میں رہتے ہیں جو کرۂ ارض کے مرکز سے بہت دور ہیں۔ وہ لوگ 45 ڈگری متوازی پر گھنٹوں کی تعداد کی بنیاد پر روزے رکھیں۔ جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ بیمار افراد کے بارے ہم بعد میں اسی کتاب کے پیراگراف نمبر 174 میں بات کریں گے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اسی طرح ایک مسلمان شخص کا نفسانی خیالات اور اس طرح کی دوسری لذتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے جو کہ روحانی طرز واصولوں کے برعکس و متضاد ہیں۔ یہ بہت سخت گیر اصول ہے جو کہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لئے مشکل ثابت ہوسکتا ہے۔ تاہم اگر نو مسلم افراد بھی مضبوط قوت ارادی اور دین سے رغبت و میلان کا مظاہرہ کریں تو وہ بہت جلد اس اصول کے عادی ہو جاتے ہیں جیسا کہ صدیوں کے تجربوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

173 روزے ایک ماہ پر محیط ہوتے ہیں اور جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اسلام خالصتاً قمری مہینوں کو شمار کرتا ہے۔ نتیجتاً ماہِ صیام یعنی رمضان باری باری سال کے تمام موسموں خزاں، سردی، بہار اور گرمی کے ہر حصے میں گردش کرتا ہے اور ہر شخص موسم گرما کی چلچلاتی وجلا دینے والی گرمی کے ساتھ ساتھ موسم سرما کی سخت سردی میں بھی روزے کی تمام سختیوں کا عادی ہو جاتا ہے اور ہر شخص یہ تمام تکالیف صرف اور صرف روحانی اصولوں کے تحت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت کے باعث برداشت کرتا ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک شخص دوسرے فوائد و ثمرات کے ساتھ ساتھ روزے کے دنیاوی و عارضی ثمرات و فوائد بھی حاصل کر لیتا ہے جن میں حفظانِ صحت، فوجی تربیت، قوتِ ارادی کی نشوونما شامل ہیں یہاں تک کہ ان میں نماز کی ادائیگی کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ثمرات و فوائد بھی شامل ہیں۔ یہ فوجی ہی ہیں جنہیں کسی بھی دوسرے شخص سے زیادہ محاصرے اور جنگ کے دوسرے مواقع کے دوران خوراک کی سختیوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے اور پھر بھی وہ اپنی حفاظت و نگرانی کے فرض کو جاری رکھتے ہیں۔ پس سب سے زیادہ احمق و بے وقوف حکمران یا سپہ سالار اعلیٰ وہ ہوگا جو اپنی فوج کو ماہِ رمضان کے دوران روزے رکھنے سے روکے گا۔ لیکن یہ دہرانا ضروری و لازمی ہے کہ روزے کا خاص اور بنیادی

مقصد مذہبی عمل اور روحانی مشق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث بنتی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف دنیاوی و عارضی مقاصد کے لئے روزہ رکھتا ہے..... مثال کے طور پر ڈاکٹر کی ہدایت پر..... تو وہ اپنے مذہبی فرض کی تکمیل سے بہت دور ہوگا اور اُسے روحانی طور پر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

(174) ماہواری کے دوران عورتوں کے لئے نماز کی طرح روزے رکھنا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ تاہم اِس فرق کے ساتھ کہ انہیں بعد میں چھوڑے گئے روزوں کی تعداد کے برابر دوسرے دنوں میں اُسی تعداد میں روزے رکھ کر چھوڑے گئے روزوں کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ یہی اصول بیمار پر لاگو ہوتا ہے جہاں تک بہت ضعیف و بزرگ انسان کا تعلق ہے اُس کے لئے رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہوتا تاہم اگر اس کے پاس وسائل ہیں تو اسے چاہیے کہ ماہِ رمضان میں ہر روز ایک غریب کو کھانا کھلائے۔

(175) یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل کئی روز تک (مثال کے طور پر 48 گھنٹے یا 72 گھنٹے) پورے ایک سال تک، یا پوری زندگی کے دوران روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ یہ ممانعت اُن لوگوں کے لئے بھی ہے جو کہ روحانی عبادات کے ذریعے ثواب و اجر حاصل کرنے کے لئے اپنے جوش و جذبے کے تحت ایسا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حتیٰ کہ تم پر اپنے آپ کو نحیف و کمزور کرنے سے متعلق بھی فرائض ہیں"۔ رمضان المبارک کے فرض روزے کے علاوہ ایک شخص نفلی روزے رکھ سکتا ہے۔ اگر ایک شخص چاہتا ہے کہ وہ وقت بہ وقت روزے رکھے تو اس طرح کے رضا کارانہ یا نفلی روزے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ طبی نکتہ نگاہ سے ایک شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ لگاتار روزے رکھنے سے یہ ایک عادت و فطرت بن جاتی ہے اور اس کے وہ اثرات نہیں ہوتے جو اثرات وقفوں کی صورت میں روزہ رکھنے سے ہوتے ہیں۔ ایک مہینے سے کم روزے رکھنے سے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے اِسی طرح 40 دن سے زیادہ رکھنے سے یہ ایک عادت بن جاتی ہے۔

(175) (الف) یہ انسانی معاشرے کا ایک انوکھا و منفرد نظریہ ہے کہ انسان کو اپنی کمائی کا دسواں حصہ یعنی "عشر" اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ فصل کا عشر اس کی ایک مثال ہے۔ روزے کی صورت میں ہم اللہ تعالیٰ کو اپنی خوراک کا عشر ادا کرتے ہیں۔ اور پھر رب رحمٰن و رحیم ہمیں اس کا اجر بھی اسی طرح عطا فرماتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

(سورۃ الانعام: آیت 160)

ترجمہ "جو کوئی ایک نیکی کرے گا اس کے لئے دس گنا اجر ہے اور جو بدی کرے گا تو اُسے اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک اچھے کام کا دس گنا ثواب وانعام دیتا ہے۔ اس بات کی تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ''ایک شخص کا ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور اس کے بعد شوال کے مزید چھ روزے رکھنا ایسا ہے کہ جیسے اُس نے پورا سال روزے رکھے۔'' دراصل ایک اسلامی قمری سال کے 355 دن ہوتے ہیں اور ایک قمری مہینہ بعض اوقات 29 اور بعض اوقات 30 دن پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس ایک مسلمان ہر سال 35 یا 36 دن روزے رکھتا ہے جن کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ 350 یا 360 دنوں کی اوسط 355 دن ہے جو کہ قمری سال کے کل دنوں کی تعداد ہے۔

176 صوفیائے کرام اپنے علم و تجربے کی بنیاد پر بیان کرتے ہیں کہ شدت پسند حیوانی فطرت انسانی روح کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ روح کے مقابلے میں جسم کو زیر و مغلوب کرنے کے لئے جسم کی طاقت کو ختم کرنا اور روح کی طاقت میں اضافہ کرنا از حد ضروری و لازمی ہے۔ تجربہ بھی بتاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے بھوک، پیاس، نفسانی خواہشات سے قطع تعلقی، زبان، دل، دماغ کے ساتھ ساتھ دوسرے اعضاء پر مکمل کنٹرول کے علاوہ اور کوئی بھی چیز اتنی کارگر ثابت نہیں ہوتی جتنی کہ یہ سب ہوتی ہیں۔ انفرادی تکمیل کے دیگر نمایاں عناصر میں سے ایک بنیادی عنصر حیوانی فطرت کو عقل و فہم اور روح سے کمتر و ماتحت بنانا ہے۔ بعض اوقات فطرت بغاوت کرتی ہے جب کہ بعض اوقات اس کا رویہ اطاعت شعاری و فرمانبرداری لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک شخص کا روزے جیسی سخت مشقوں اور مشقتوں پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ حیوانیت سے خبردار رہ سکے۔ اگر ایک شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ روزے کی صورت میں جنم لینے والی نفس کشی اور توبہ و پشیمانی کے ذریعے اپنی روح کو تسکین پہنچانے کے ساتھ ساتھ اُسے پاکیزہ و مطہر کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ اعمال انسان کی قوت ارادی کو مضبوط و مستحکم کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ برائیوں کی طرف راغب نہ ہونے پائے۔ صوفیائے کرام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ کھانا، پینا فرشتوں کا وصف و خصوصیت نہیں ہے اور فرشتوں کا یہی طور طریقہ اپنانے سے انسان فرشتوں کے ساتھ اپنی ذات کی زیادہ سے زیادہ مماثلت پیدا کرتا ہے اور پھر تب سے ہی اُس کے اعمال کا مقصد رب قادر و قدیر کے احکامات پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کر لیتا ہے جو کہ انسان کا اولین مقصد ہے۔

حج

177 حج کے لفظی معنی سفر کرنے یا دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سفر کرنے اور کسی چیز کو فوقیت دینے اور نمایاں کرنے کی کوشش و کاوش کرنے کے ہیں۔ رسمی طور پر اس اصطلاح کو زیارت کے معنی دیئے جاتے ہیں حالانکہ یہ معنی و مفہوم لفظ حج کی صحیح اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے سے کوسوں دور ہے۔ حج مسلمانوں کا تیسرا مذہبی فریضہ ہے۔ ہر بالغ مرد اور عورت پر اپنی زندگی میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جانا فرض ہے تاکہ وہ وہاں اپنی انا و

خود پسندی کو فنا کرنے کی عظیم وبھرپور کوشش کر سکے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ وہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے تابع کر سکے۔ وہ لوگ جن کے پاس اِس سفر پر جانے کے لئے مادی ذرائع موجود نہیں ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن کون سا مسلمان ہوگا جو ضروری رقم تھوڑی تھوڑی کر کے جمع نہیں کرے گا تا کہ وہ ایک دن مذہب اسلام کے مرکز کعبہ یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر جانے کے قابل ہو جائے؟ قرآن پاک میں اِرشاد ہوتا ہے کہ:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾

(سورۃ آل عمران: آیت 96)

ترجمہ "بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا۔ یہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ برکت والا ہے اور سب جہانوں کے لئے رہنما ہے۔"

قرآن پاک مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتا جب کہ وہ کہتا ہے کہ کعبۃ اللہ دنیا کا سب سے قدیم ترین گھر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے لئے رہبر، رہنما اور توحید سے متعلق مذہبی رسوم ادا کرنے کی جگہ ہے۔ اگر کوئی شخص محض حضرت ابراہیمؑ کے بارے ہی سوچے جنہوں نے حضرت آدمؑ کی تعمیر کردہ شاندار عمارت کو دوبارہ تعمیر کیا۔ پھر بھی کعبۃ اللہ حضرت سلیمانؑ کے تعمیر کیے گئے یروشلم کے عبادت کدے سے زیادہ قدیم ہوگا۔ کوئی بھی دوسری عبادت گاہ کعبۃ اللہ سے زیادہ قدیم نہیں ہے جو کہ ابھی تک عبادت گاہ کے طور پر استعمال کی جا رہی ہو۔

178 حج کی رسومات کا مختصراً ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے مکہ مکرمہ کے گرد ایک مقدس علاقے کی سرحد پر، ایک حاجی اپنا عام لباس اتار دیتا ہے اور کپڑے کی دو چادریں مذہبی وردی کے طور پر اوڑھ لیتا ہے۔ ایک کپڑا نچلے حصے کو اور ایک کندھوں کو ڈھانپنے کے لئے۔ یہ لباس جو کہ عورتوں کے لئے نہیں بلکہ مردوں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مرد ننگے سر ہوتا ہے اور ایک شخص حج کے سات دنوں کے دوران اپنے آپ کو بھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کے مضافات میں واقع عرفات کے میدان میں جاتا ہے اور وہاں ایک دن مراقبے میں گزارتا ہے شام کے وقت، وہ واپس مزدلفہ جاتا ہے اور وہاں ایک رات گزارتا ہے اور پھر اگلی صبح مکہ کے دور افتادہ علاقے منیٰ پہنچتا ہے۔ منیٰ میں وہ تین دن قیام کرتا ہے اور اُن تین دنوں کے دوران ہر روز شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ بکرے وغیرہ کی قربانی دیتا ہے، کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کی رسم پوری کرنے کے لئے کعبہ میں مختصر قیام کرتا ہے۔ اور کعبہ کے سامنے واقع صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے یہاں علامتی پس منظر بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

179 حضرت آدمؑ اور اماں حوا جنت سے نکالے جانے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور زمین میں کھو گئے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو تلاش کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عرفات کے مقام پر ایک دوسرے سے ملے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی شکر گزاری و ممنونیت کے اظہار کے لئے حضرت آدمؑ اور اماں حوا کے پیروکار اللہ تعالیٰ کی جانب رُخ کرتے ہیں اپنے آپ کو فراموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں

اور اپنے آپ کو اِس نظریے کے تحت اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیتے ہیں کہ التجا و التماس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنے پچھلے گناہوں وکوتاہیوں کی مغفرت طلب کریں اور مستقبل کے لئے رب رحیم وکریم کی مدد کے خواستگار ہوں۔

180 جہاں تک شیطان کو کنکریاں مارنے کا تعلق ہے تو اِس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے کسی بھی دوسری شے سے بڑھ کر محبت کرنے کا دعویٰ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے ثبوت کے طور پہ اُن کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی دینے کو کہا تھا۔ اِس آزمائش میں اضافے کی غرض سے شیطان پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس گیا تاکہ انہیں ان کے عزم وارادے سے باز رکھے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب منٰی کے مقام پہ وقوع پذیر ہوا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے ہر دفعہ شیطان پر پتھر پھینکتے ہوئے اُس کا دور تک پیچھا کیا۔ پھر وہ حضرت بی بی حاجرہؓ کے پاس گیا اور سب سے آخر میں حضرت اسماعیلؑ کے پاس گیا لیکن ان دونوں نے بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ پس ایک حاجی علامتی طور پر یہ عمل دہراتا ہے اور شیطانی ترغیبات سے لڑنے کا مصمم و پکا ارادہ کرتا ہے۔

181 ''اللہ تعالیٰ کے گھر'' جانا ایک تشریح و وضاحت طلب موضوع ہے۔ ایک شخص عزت وتکریم اور عجز و انکسار کے ہمرکاب اپنی فرمانبرداری واطاعت شعاری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر جاتا ہے۔ ایک شخص کا الفت ومحبت، کسی کی فکر یا پروا کرنے اور جاں نثاری و وفاداری کے جذبے کے تحت اپنی کسی چیز کی قربانی دینے پر آمادگی کا اظہار کرنے کے لئے کسی چیز کے گرد طواف کرنا بہت ہی پرانا وقدیم رواج ودستور ہے۔

181 (الف) حجرِ اسود کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کی وجہ سے اس کا خاص طور پر ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ شہابِ ثاقب نہیں بلکہ ایک کالا پتھر ہے اس کی عملی اہمیت یہ ہے کہ طواف کے مقامِ آغاز کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس کا رنگ اِسے عمارت میں واضح نمایاں کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اِس پتھر کی پوجا وعبادت نہیں کی جاتی نہ ہی مسلمان اِس کی جانب رُخ کر کے سجدہ کرتے ہیں۔ سجدہ تو کعبہ کی عمارت کے کسی بھی حصے کی جانب رُخ کر کے کیا جاتا ہے۔ پس اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک دفعہ قرامطیوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تھا اور وہ حجرِ اسود کو اپنے ساتھ مالِ غنیمت کے طور پر اٹھا لے گئے تھے اور حجرِ اسود کئی سال تک وہیں رہا تھا۔ حجرِ اسود کی اِس غیر حاضری کے دوران کسی بھی مسلمان نے اُس جانب رُخ نہیں کیا کہ عمان میں جس جانب حجر اسود کو رکھا گیا تھا۔ بلکہ مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں واقع کعبہ شریف کی جانب ہی رخ کرنا جاری رکھا۔ حتیٰ کہ کعبہ کی عمارت بھی ضروری ولازمی نہیں ہے مثال کے طور پر اگر کعبہ کی عمارت کو مرمت کرنے یا دوبارہ تعمیر کرنے کے مقصد کے تحت مسمار کیا جاتا ہے پھر بھی مسلمان کعبہ کی جانب رخ کریں گے چاہے کعبہ کی عمارت مع حجرِ اسود وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حجرِ اسود کی عملی اہمیت یہ ہے کہ یہ اُس جگہ کی نشاندہی کرتا ہے جہاں سے طواف شروع ہوتا ہے اور جہاں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ لیکن اِس کی علامتی اہمیت بھی ہے۔ ایک حدیث

شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ (یمین اللہ) کا نام دیا ہے۔ دراصل ایک شخص وہاں اپنا ہاتھ معاہدہ طے کرنے والے انداز میں اٹھاتا ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ ہم سے ہماری فرمانبرداری اور اطاعت کا عہد لیتا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ شہنشاہ ہے اور وہ نہ صرف خزانوں کا مالک ہے اور اُس کی اپنی فوجیں ہیں بلکہ اس کی اپنی ایک سلطنت ہے اور اس سلطنت میں ایک دارالحکومت (اُم القریٰ) ہے۔ اور قدرتی بات ہے کہ دارالحکومت میں ایک بادشاہی محل ہے (بیت اللہ، اللہ کا گھر)۔ اگر اس سلطنت کا کوئی باشندہ اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہتا ہے تو اُسے بادشاہی محل میں جانا پڑے گا اور ذاتی طور پر اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرنا پڑے گا۔ ایک دکھائی نہ دینے والے خدا کے داہنے ہاتھ کو علامتی طور پر ضرور دکھائی دینا چاہیے اور وہ حجرِ اسود ہے۔ ایک کالا پتھر جو کعبہ میں نصب ہے۔

182 جہاں تک صفا اور مروہ کے درمیان سات دفعہ دوڑنے کا تعلق ہے۔ یہ اس سے متعلق ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنی شریک و رفیقِ حیات حضرت بی بی حاجرہؓ اور اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ مکرمہ کے اجاڑ و بیابان اور غیر آباد علاقے میں چھوڑ گئے تھے تو پانی کی فراہمی جلد ہی منقطع ہوگئی۔ پس حضرت حاجرہؓ مادری الفت و محبت سے مجبور ہوکر اپنے پیاسے بچے حضرت اسماعیلؑ کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑیں۔ اور تب آبِ زم زم کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ پس ایک حاجی حضرت حاجرہؓ کی مادری الفت و محبت کو خراجِ تحسین پیش کرنے اور اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر شکر گزاری اور ممنونیت کے اظہار کے لئے حضرت حاجرہؓ کے اُس عمل کو ٹھیک اسی جگہ دہراتا ہے۔

183 حج کا معاشرتی پہلو بھی ذہن پر خاطر خواہ اثر ڈالتا ہے۔ حج کے موقع پر مسلمانی بھاری چارہ و اخوات کا بڑے صاف و واضح انداز میں اظہار ہوتا ہے۔ مسلمان نسل، زبان، جائے پیدائش اور حتیٰ کہ طبقے کے فرق و تضاد کے بغیر حج کے فرض کو ادا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور اخوت و بھائی چارے اور برابری کے جذبے و احساس کے ساتھ ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں۔ وہ صحرا میں اکٹھے خیمہ زن ہوتے ہیں اور ایک ہی انداز میں اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لئے مقررہ گھنٹوں تک طواف کرتے ہیں، پڑاؤ ڈالتے ہیں، خیموں میں یا کھلے آسمان تلے رات گزارتے ہیں۔ کسی حد تک یہ سب مناسکِ حج روزانہ کی نمازِ پنجگانہ سے بھی عظیم تر ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے سپاہیوں کو اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔

183 (الف) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند ماہ پہلے حج ادا کیا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل الرحمہ کی پہاڑی سے ایک خطبہ دیا جو کہ میثاقِ انسانیت پر مشتمل تھا۔ اُس سال تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان عرب کے تمام حصوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سننے آئے تھے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بنیادی عناصر یاد دلائے یعنی کسی قسم کے نشانات یا مادی

علامات کے دکھاوے کے بغیر ایک خدا پر یقین، نسل اور طبقے کے تضاد کے بغیر مسلمانوں کی برابری واخوت اور سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے کسی ایک کو کسی دوسرے پر برتری و فوقیت حاصل نہیں۔ ہر انسان کے اپنی شخصیت و کردار کے ساتھ ساتھ جائیداد واملاک اور عزت و وقار سے متعلق بنیادی و مرکزی حقوق کا مقدس کردار، سودی کاروبار کی ممانعت، قتل پر خاندانی لڑائیوں اور غیر سرکاری و نجی انصاف کی ممانعت، عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے بارے تاکید، وراثت کے لازمی قانون، وصیتوں پر پابندیوں اور سود کی ممانعت وغیرہ کے ذریعے نجی دولت کو صرف چند ہاتھوں میں ذخیرہ ہونے سے روکنے کے لئے مستقل بنیادوں پر اُس کی دوبارہ تقسیم اور گردش اور پُر زور تاکیدی انداز میں اس بات کا دوبارہ بیان کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہمارے طرزِ عمل بارے قوانین کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف مقدس وحی ہی ہونی چاہیے۔ حاجی ہر سال عرفات کے مقام پر یہی خطبہ سنتے ہیں جو کہ جبل الرحمہ کی پہاڑی سے دیا گیا تھا۔

184 یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کم از کم مسلمانوں کی ابتدائی نسلوں میں حج کی تقریبات کے دوران قبل از اسلام رائج رسوم جاری وساری تھیں جیسا کہ حج کے وسیع جم غفیر واجتماع کے موقع سے فائدہ اٹھانا۔ ایک سالانہ ادبی مجلس کا انعقاد کیا جاتا تھا جس میں شعراء اپنے نئے کلام ''چھپواتے''، مقرر مسحور ومبہوت لوگوں کے سامنے اپنی لیاقت و قابلیت کے اظہار کے لئے زوردار تقریریں کرتے، پیشہ ور پہلوان لوگوں کے دل موہ لیتے اور تاجر ہر قسم کا تجارتی مال لاتے تھے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے اس موقع کو ایک مفید وسودمند انتظامی کردار عطا کیا۔ کیونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے لئے ایک ایسا موقع ہوتا تھا کہ جب آپؓ اپنے گورنروں اور فوجی افسروں کے خلاف اپیل کورٹ کے اجلاس بلاتے اسی طرح اہم زیر نظر منصوبوں پر عوامی مشاورت کے سلسلے میں بھی اجلاس بلاتے۔ آیئے ہم ایک دفعہ پھر اس بات کا ذکر کریں کہ اسلام میں دینی اور دنیوی، روحانی اور زمینی دونوں مل جل کر ہم آہنگ اشتراک کے ساتھ رہتے ہیں۔

زکوٰۃ۔محصول

185 جدید دور میں ایک عام آدمی کے نزدیک زکوٰۃ سے مُراد اُس کی جمع شدہ رقم کا صدقہ کچھ فیصد حصہ ہے جو کہ ہر سال غریبوں کو دیا جاتا ہے لیکن قرآن پاک، حدیث مبارکہ اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کے طرزِ عمل کے مطابق زکوٰۃ (جو کہ صَدَقَت یا حق بھی کہلاتی ہے) سے مراد وہ تمام محصولات ہیں جو ایک مسلم ریاست اپنے مسلمان شہریوں پر لاگو کرتی ہے۔ جن میں زرعی مصنوعات پر، کاشتکاری کے ذریعے ناجائز منافع کمانے پر، تجارتی سرمائے پر، پالتو جانوروں کے گلوں پر جو کہ عوامی چراگاہوں کی خوراک پر زندہ ہوں اور جمع شدہ رقم وغیرہ پر محصول شامل ہیں۔ ابتداء میں یہ تمام ٹیکس براہِ راست سرکار کو دیے جاتے تھے لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں آپؓ نے فیصلہ کیا کہ مسلمان اپنی جمع شدہ رقم پر عائد ہونے والا محصول سرکار

کے درمیانی راستے کے بغیر ہی قرآن پاک کے بتائے گئے مستحقین کو براہِ راست دے سکتے ہیں۔(بحوالہ سورۃ التوبہ: آیت 60)

﴿185﴾ (الف) قرآن پاک اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دولت انسانیت کی بقاء و وجود کا بنیادی اور ضروری ذریعہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

(سورۃ النساء: آیت 5)

ترجمہ "اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے سمجھوں کے حوالہ نہ کرو البتہ انہیں ان مالوں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو۔"

اسی لئے یہ بات حیران کن نہیں ہونی چاہیے کہ محصول کی ادائیگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزوِ ایمان کی عظمت جتنا بلند کردیا اور نماز، روزہ اور حج کی طرح زکوٰۃ اسلام کے چار بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اسلام میں کوئی فرد ریاست کے سربراہ یا اُس کی آسائش اور جھوٹی شان کے لئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا بلکہ ہر شخص زکوٰۃ کے واجبات اجتماعی وابستگی کے حق کے طور پر اور خاص طور پر ضرورت مندوں کے فائدے کے لئے ادا کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعے ایک شخص اپنی نشوونما کرتا ہے اور اپنے آپ کو پاک وصاف کرنے کا مقصد پورا کرتا ہے۔ اصطلاح زکوٰۃ کا اشتقاقی مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دراصل ایک قوم کا سربراہ اُس قوم کا خادم ہوتا ہے۔" اپنے اس فرمان کی صداقت کے اظہار اور ریاست کے سربراہ کی مکمل بے لوثی و بے غرضی کے اظہار کے لئے (جس کے ذریعے ایک سربراہ اپنے لوگوں کے لئے راستے کا تعین کرتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ طور پر اعلان کیا کہ مسلمان ریاست کی وہ آمدنی جو کہ مسلمانوں کے محصول ادا کرنے کی صورت میں اکٹھی ہوتی ہے وہ ریاست کے سربراہ اور اس کے قبیلے کے تمام افراد کے لئے مذہبی طور پر ممنوعہ قرار دی گئی ہے۔ اگر ریاست کا سربراہ اپنے لوگوں کے اعتماد کا ناجائزہ فائدہ نہیں اٹھاتا تو اِس کے نتیجے میں اس کے ماتحت بھی اپنے فرائض محتاط طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

﴿186﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قدیم خلفائے راشدین کے زمانے میں مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی محصول لاگو نہیں تھا۔ خیراتی مقصد سے ہٹ کر زکوٰۃ ایک ریاستی محصول کا درجہ رکھتی تھی ایک لازمی چندہ جس کا زمانہ اور تعداد مقرر تھی اور اسے متعلقہ اسلامی قانون کے تحت ہی لاگو کیا گیا تھا۔ ایک صاحب ایمان کے ذہن میں ان محصولات کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ ایک مذہبی فرض اور مقدس ہدایت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج

ادا کرنے کے مساوی و برابر ہے۔ اگر ایمان و یقین روحانی فرض ہے اور نماز، روزہ اور حج بدنی فرائض ہیں تو زکوۃ کی ادائیگی مالی فرض ہے۔ فقہائے کرام اسے مالی عبادت کہتے ہیں (یعنی مال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت) اگر کسی شخص کو ثبوت کی ضرورت ہے تو اس حقیقت کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ اسلام انسانی تشکیل کے دو عناصر جسم اور روح میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی جانبدارانہ یا حقارت آمیز سلوک کیے بغیر ان دونوں کے مابین ہم آہنگ توازن پیدا کرنے کے لئے پوری انسانی زندگی کو ایک ہی مجموعے کی شکل میں مربوط کر دیتا ہے۔

﴿187﴾ قرآن پاک میں محصول کے تعین و تقرر کے لئے غیر جانبدارانہ طور پر متعدد اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ متعدد آیات میں لفظ زکوۃ استعمال کیا گیا ہے جس کے دو معانی نشوونما اور پاکیزگی و صفائی ہیں۔ زکوۃ کا پوشیدہ و مخفی مطلب و مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کو اپنی بڑھتی ہوئی دولت میں سے کچھ حصہ "صَدَقٰت" یعنی دولت کی پاکیزگی کے لئے ضرور ادا کرنا چاہیے۔ (بحوالہ سورۃ التوبہ: آیت 60) جس سے مراد صدق اور صدقہ دونوں ہیں جو یہ لاگو کرتے ہیں کہ انسانیت کے ساتھ صدق کے اظہار کے لئے ایک شخص کو اپنے سے کم حیثیت شخص کی امداد کرنی چاہیے اور قرآن پاک میں حق بارے ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ؁

(سورۃ الانعام: آیت 141)

ترجمہ "اور اسی نے وہ باغ پیدا کیے جو چھتوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار پیدا کیے جو ایک دوسرے سے مشابہ اور جدا جدا بھی ہیں ان کے پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور جس دن اسے کاٹو اس کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اگر یہ کم حیثیت شخص کا حق ہے تو جو صاحب حیثیت ہے یہ لازمی طور پر اُس کا فرض ہے۔ حقوق اور فرائض متعلقہ اصطلاحات ہیں اور معاشرے کی تمام تر کارکردگی کی بنیاد اشتراک پر ہوتی ہے۔

﴿188﴾ بچت پر، فصلوں پر، پالتو جانوروں کے گلوں پر جو کہ عوامی چراگاہوں پہ پلتے ہیں۔ کانوں پر اور بحری مصنوعات وغیرہ پر محصول عائد ہوتے ہیں۔ محصولات کی شرح نامے مختلف ہوتے ہیں تاہم سب کو زکوۃ، صدقت اور اسی طرح کے مترادف ناموں سے غیر جانبدارانہ طور پر پکارا جاتا ہے۔

189 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے شرح نامے سخت و بے لچک اور تبدیلی و ترمیم سے مبرّا دکھائی نہیں دیتے۔ ہم نے پہلے اسی کتاب کے پیراگراف نمبر 88 میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود طائف کے لوگوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (دوسرے علاقوں کے لئے کچھ دوسری مثالوں کے ساتھ)۔ ابو عبیدؒ کے مطابق عظیم المرتبت خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ میں کھانے پینے کے درآمدی سامان پر محصول میں کمی کی تھی۔ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ ایسے مواقع بھی آئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اضافی چندے کی ہدایت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مثال کے طور پر اُن میں بیرونی خطرے کے خلاف ملک کی حفاظت کے لئے چندے کی ہدایت شامل ہے۔ یہ بات فقہائے کرام کو اِس قابل بناتی ہے کہ وہ یہ نتیجہ اخذ کریں کہ حکومت مصیبت کے دوران نئے عارضی وعبوری محصول لاگو کرسکتی ہے۔ جنہیں شرح فی صد میں اضافہ کرنا کہتے ہیں۔ قرآن پاک کی قابلِ محصول اشیاء اور محصول کے شرح نامے بارے خاموشی فقہائے کرام کے اخذ کیے گئے نتائج کی تصدیق کرتی ہے۔

190 لیکن قرآن پاک میں ریاست کے اخراجات اور سرکاری بیزاریے کے بنیادی نکات بارے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ: آیت 60)

ترجمہ ”زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو دی جائے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ صدقٰت اور زکوٰۃ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی جو مسلمان باشندوں پر عائد کی جاتی ہے۔ غیر مسلموں پر خراج، جزیہ، غنیمہ وغیرہ عائد کیے جاتے ہیں۔ یہ سب زکوٰۃ میں شامل نہیں ہیں اور مسلمان پر عائد ہونے والی زکوٰۃ اور غیر مسلموں پر عائد ہونے والے جزیہ، خراج اور غنیمہ سے مستفید ہونے والے افراد بھی کافی حد تک مختلف ہیں۔

191 جہاں دوسرے قانون ساز، آمدنی کے اصولوں بارے ہدایت دیں گے وہاں قرآن پاک اُن کے برخلاف ریاستی اخراجات بارے اصول وضع کرتا ہے۔ زکوٰۃ سے مستفید ہونے والی آٹھ اقسام میں کہ جن کے بارے آیت میں بیان کیا گیا ہے یہ بات غور طلب ہوگی کہ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔

اس آیت کے وسیع تر مفہوم اور حدود و قیود کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے کچھ آراء مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ جن میں خاص طور پر وصول کنندگان بارے بیان کیا گیا ہے۔

192 حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم اور مستند و معتبر رہبر و رہنما کے مطابق (بحوالہ ابو یوسف، ''خراج'') مسلمانوں کے ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) لوگ تقریباً غریب غیر مسلم باشندوں کے مساوی و برابر ضرورت مند ہوتے ہیں (ایسے لوگ جن کی حفاظت کی جاتی ہے) یہ بات قابلِ غور و قابلِ توجہ ہے کہ ''صدقات'' میں غیر مسلموں کی آمدنی شامل نہیں ہوتی تاہم اسلام انہیں مسلمانوں کے ادا کردہ محصولات سے مستفید ہونے والوں میں ضرور شامل کرتا ہے۔

193 وہ لوگ جو زکوٰۃ سے ہونے والی آمدنی اکٹھی کرتے ہیں وہ محصولئے اور محاسب کہلاتے ہیں اور جن کی ذمہ داریاں ریاست کے اخراجات سے متعلق ہوتی ہیں انہیں ناظمین اور پڑتالئے کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ اس آمدنی سے مستفید ہونے والوں میں عملی طور پر انتظامیہ کے تمام شعبوں و اداروں کے افراد شامل ہوتے ہیں اسی لئے عملاً یہ پوری انتظامی فہرست ریاست کے شہری اور فوجی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔

194 وہ لوگ جن کی دلجوئی و دلداری مقصود ہے ان کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔ عظیم فقیہ ابو یعلیٰ الفراء اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' کے صفحہ نمبر 116 پر اس بارے اشارہ کرتے ہیں کہ ''جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جن کی دلجوئی و دلداری مقصود ہے وہ چار اقسام کے ہوتے ہیں۔ ❶ وہ لوگ جن سے مسلمانوں کو امداد و معاونت مل سکے۔ ❷ وہ لوگ جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ ❸ وہ لوگ جو اسلام سے متاثر ہوں۔ ❹ وہ سردارانِ قبائل جن کے توسط سے ان کے قبیلے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوسکیں۔ ان تمام اقسام میں سے ہر ایک کو فائدہ پہنچانا (چاہے اُس کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا کافروں سے) شرعاً جائز ہے۔''

195 ''گردنیں آزاد کرانے'' کی اصطلاح سے ایک شخص ہمیشہ غلاموں کی آزادی اور جنگ کے بعد دشمن کے پاس قیدی بنائے گئے افراد کی ضمانت کرانے کے معنی اخذ کرتا ہے۔ غلاموں سے متعلق ایک لفظ موقع و محل کے مطابق ہے۔ قبل از اسلام کوئی بھی مذہب، غلاموں کی حالتِ زار کی اصلاح و بہبود بارے توجہ دیتا دکھائی نہیں دیتا۔ سرخسی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو غلام بنانے سے قطعی طور پر منع فرمایا ہے۔ جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حکم نازل فرماتا ہے کہ:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

(سورۃ النور: آیت 33 ابتدائی حصہ)

ترجمہ ''اور چاہیے کہ پاک دامن رہیں جنہیں نکاح کی توفیق نہیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر چاہیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اُس نے تمہیں دیا ہے۔''

اگر ایک حسن خلق رکھنے والا غلام اپنے مالک کو اپنی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو اس کا مالک اُس کی اِس پیشکش کو رد نہیں کر سکتا۔ دراصل اُس صورتِ حال میں مالک اپنے نوکر کو اُن مواقع کی اجازت دینے پر عدالت کی طرف سے مجبور ہوگا کہ جن کے ذریعے وہ اپنے مالک سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ضروری رقم کمانے کے ساتھ ساتھ جمع بھی کرے۔ اور اس دوران اُسے اپنے مالک کی غلامی کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ مزید یہ کہ جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا کہ ایک مسلمان حکومت سالانہ میزانیے میں اُن غلاموں کی مدد کے لئے ایک خاص رقم مختص و متعین کرتی ہے جو کہ آزادی کی خواہش رکھتے ہیں۔ اسلام میں غلامی کی اجازت دینے کا مقصد کسی بدنصیب شخص سے ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں ہے جو کہ ہماری ہی طرح ایک انسان ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اسلام کا پہلا مقصد اُن جنگی قیدیوں کو پناہ گاہ مہیا کرنا ہوتا ہے جو اپنا سب کچھ کھو چکے ہوتے ہیں اور کسی بھی وجہ سے انہیں ان کے وطن واپس نہیں بھیجا جاتا۔ اور دوسرا مقصد اُن کی تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں اسلامی ماحول میں اللہ تعالیٰ کی حکومت کے زیرِ سایہ اسلامی ثقافت کو اپنانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ غلام صرف اُس قانونی جنگ میں حاصل کیے جاتے ہیں جو کہ حکومت کی طرف سے لڑی جاتی ہے۔ غلاموں کو حبسِ بے جا میں رکھنا، اغوا یا والدین کو اپنے شیر خوار بچے کی شریعت میں کسی بھی صورت اجازت نہیں ہے۔

﴿196﴾ ان لوگوں کی امداد کرنا جن پر بھاری قرضہ ہو یا جن کے ذمے جرمانہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے اِس قسم کے لوگوں کی خدمت کے لئے سود سے پاک قرضوں کا بھی انتظام کیا۔

﴿197﴾ ہر خیراتی مقصد کا حصول اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں ہوتا ہے۔ اور فقہائے کرام اسلام کی حفاظت کے مقصد کے حصول کی ابتدا فوجی ساز و سامان کی خرید کے ذریعے کرنے سے نہیں ہچکچاتے کیونکہ اسلام صرف اور صرف زمین پر اللہ تعالیٰ کی سلطنت وحکمرانی کے لئے کوشش کرتا ہے۔

﴿198﴾ جہاں تک مسافروں کا تعلق ہے۔ کوئی بھی شخص نہ صرف میزبانی کے ذریعے مسافروں کی امداد کر سکتا ہے بلکہ انہیں ان کی صحت اور آرام، راستوں کی حفاظت کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ ایسے مسافر جنہیں کسی اور کی جگہ سے گزر کر جانا پڑے (چاہے وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، مسلم ہوں یا غیر مسلم) اُن کی خوشحالی و بہبود کے لئے مختلف طریقہ ہائے کار اختیار کرنے سے بھی اُن کی امداد کی جاسکتی ہے۔

198 (الف) مذہبی رسومات سے متعلق حقائق کی تفصیلات جاننے کے بعد موقع محل کی مناسبت سے یہ بات دہرانا چاہیے کہ تمام مذہبی رسوم کی نشوونما اور اُن کے تمام حصوں کا آپس میں ربط وتوازن ہی وہ بنیادی اصول ہے جو اسلامی طرز حیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد بار دہرایا گیا ہے کہ "نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔" جسم اور روح کے اتحاد و یگانگت کا اِس حقیقت سے زیادہ بہتر مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش اور معاشرے سے متعلق اپنے فرائض کو ایک ساتھ ادا کیا جائے۔ روحانی فرائض مادی فوائد سے خالی نہیں ہوتے اور دنیاوی و عارضی فرائض کی بھی اپنی روحانی اہمیت وافادیت ہوتی ہے۔ ایک بار پھر یہی کہیں گے کہ تمام مذہبی فرائض کا انحصار انسان کے عزم وارادے اور مقاصد پر ہوتا ہے اور یہ عناصر انسان کے فرائض کی کارگردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔



باب 6

اسلام اور نظریۂ تصوّف

(199) اسلام مادی و روحانی دونوں میدانوں میں انسانی طرزِ حیات بارے اصول و قوانین وضع کرتا ہے۔ لیکن اس مسلمہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مختلف انسان مختلف مزاجوں اور رویوں کے حامل ہونے کے باعث زندگی کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص اپنی زندگی کے روحانی پہلو پر توجہ مرکوز کرتا ہے تو تب بھی وہ اپنی بقا و نشوونما کے لئے معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے یا کسی اور طریقے سے زندگی کے مختلف شعبوں سے کم و بیش منسلک رہتا ہے۔

(200) داعیِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کے بہتر و برتر طریقۂ کار پر مشتمل اپنی تعلیمات کے مشہور و معروف بیان میں از حد بلیغ اور جامع اصطلاحات کے ذریعے وضاحت و تشریح کی ہے "جہاں تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری (احسان) کے بہترین طریقہ و سلیقہ کا تعلق ہے تم اللہ جل شانہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اُسے نہیں بھی دیکھ رہے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔" اللہ کی عبادت کے اس بہترین و افضل طریقہ کار کی خوبصورتی و دلنشینی ہی اسلام کی روحانی تہذیب و ثقافت ہے۔ "اللہ تعالیٰ کی عبادت" ایک بہت جامع اصطلاح ہے اور اس اصطلاح کا تعلق مذہبی عبادات کے ساتھ ساتھ مکمل انسانی ضابطۂ حیات سے بھی ہے۔ روحانی نقطۂ نگاہ سے سب سے متقی و پرہیزگار لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے اعمال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء کو مقدم رکھتے ہوئے اُس کے وضع کردہ اُصولوں کی مکمل پابندی کرتے ہیں۔

(201) موضوعِ تصوف کے تحت "اللہ کی عبادت" کے بہترین طریقۂ کار بارے متعدد سوالات جنم لیتے ہیں۔ اسلام میں تصوف کے لئے متعدد اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں: احسان (جس کا ذکر ہمیں اوپر بیان کیے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں بھی ملتا ہے)۔ قرب (اللہ تک رسائی و پہنچ) طریقت (اللہ کی جانب سفر کرنے کا راستہ)، سلوک (اللہ کی جانب سفر) تصوف (جس کے اشتقاقی معنی ہیں صاف اونی کپڑا اوڑھنا) آخری اصطلاح "تصوف" جو کہ آج کل عموماً استعمال کی جاتی ہے انتہائی انوکھی و نرالی ہے۔

(202) سچ ہے کہ مسلمان صوفیاء کرام اپنی عبادات و خصوصیات کو اپنے ارادت و عقیدت مندوں پر مبنی مخصوص دائرے کے علاوہ دوسرے لوگوں پر ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے یہی حال دوسرے مذاہب میں صوفیاء کرام کے ہم منصب لوگوں کا بھی ہے۔ وہ ایسا اس لئے ہرگز نہیں کرتے کہ اُن کے پاس کوئی رسوا کن و شرمناک راز

ہوتے ہیں جو وہ لوگوں پر عیاں نہیں کر سکتے بلکہ شاید وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عام آدمی یہ بات نہیں سمجھ سکتا کہ وہ زندگی کی آسائشوں و آسانیوں سے قطع تعلقی و دستبرداری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات و مصائب کیوں جھیلتے ہیں اور اس لئے بھی کیونکہ ایک عام شخص صوفیاء کرام کے ذاتی تجربات پر یقین نہیں کرتا۔ اسی لئے صوفیاء کرام نے سوچا کہ اُن کا اپنے ذاتی تجربات کو اُن لوگوں سے مخفی و پوشیدہ رکھنا ہی بہتر ہے جو اُن کے تجربات کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ عام طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز کو راز داری کے پردے میں چھپا دیا جائے تو وہ لوگ جو ظاہری طور پر اس چیز سے گریز و پرہیز کرتے نظر آتے ہیں اُس چیز کو جاننے کے لئے اُن کی باطنی خواہشات شدید سے شدید تر ہوتی جاتی ہیں۔

(203) انفرادی مزاجوں اور رویوں میں تضاد ہر زمانے میں موجود رہا ہے لیکن اس بات کا سہرا اسلام کے سر ہے کہ اُس نے کچھ ایسی چیزیں دریافت کیں جو وہ ہر قسم کے مزاج و رویے سے تعلق رکھنے والے افراد پر لاگو کر سکتا ہے یعنی ایسے کم سے کم ضروری افعال و اعمال جن پر مختلف مزاج کے حامل تمام افراد ایک ساتھ عمل کرتے ہیں اور ان کم سے کم ضروری اعمال و افعال کا تعلق روحانی کے ساتھ ساتھ مادی ضروریات سے بھی ہے۔ تمام مکتبہ فکر کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اس بات کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بہترین مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان صحابہ کرامؓ کی سوانح حیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام صحابہ کرامؓ شروع ہی سے مختلف مزاجوں کے حامل تھے۔ ان میں سے ایک حضرت خالدؓ تھے جو ایک نڈر و بے خوف سپاہی تھے اور جن سے خوش ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ''اللہ کی تلوار'' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ دوسرے صحابہ کرامؓ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ تھے یہ دونوں دولت مند تاجر تھے اور ان کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک اور صحابی جن کا نام حضرت ابوذرؓ تھا، انہوں نے اپنی ساری جائیداد چھوڑ کر زہد و ریاضت اور روحانی محنت و مشقت والی زندگی کو ترجیح دی۔ ہم ایک بدوی صحابیؓ کا ذکر بھی کر سکتے ہیں جو ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوئے تا کہ یہ جان سکیں کہ جنت کے حصول کے لئے کم سے کم ضروری فرائض کیا ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین، روزانہ کی نمازِ پنجگانہ، رمضان المبارک کے روزے، کعبۃ اللہ کا حج اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی شامل ہیں۔'' وہ بدوی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور زوردار آواز میں کہا: ''اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ یا اس سے کم کچھ نہیں کروں گا۔'' جب وہ رخصت ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''جو کوئی بھی اپنے دل میں جنتی آدمی کو دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ اسے دیکھ لے۔'' (بحوالہ بخاری اور مسلم) چاہے وہ بہادر و نڈر سپاہی حضرت خالدؓ ہوں یا امیر و دولت مند تاجر حضرت عثمان غنیؓ، ان دونوں نے کبھی بھی اسلام کے بنیادی فرائض و ذمہ داریوں اور اس کی روح کو نظر انداز نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت ابودرداءؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ جو زہد و ریاضت کو پسند کرتے تھے

اُنھوں نے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس کشی کی زندگیاں گزارنے، دائمی روزے رکھنے اور تارک الدنیا ہونے جیسے افعال کی اجازت طلب نہیں کی۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شادی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ "تم پر تمہاری ذات سے متعلق بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔" (بحوالہ ابن حنبل) اسلام کے مطابق انسان اپنی ذات پر حق نہیں رکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ذات پر حق رکھتا ہے۔ اور اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ اللہ تعالیٰ ہم پر ہماری ذات کے حوالے سے جو بھروسہ و اعتماد رکھتا ہے اس کا غلط و ناجائز استعمال کیا جائے۔

اہلِ صفہ

204 دورِ رسالت صلی اللہ علیہ سلم میں مدینہ کی ایک عظیم الشان مسجد میں ایک خاص جگہ تھی جو مقامِ ادائیگیٔ نماز سے ذرا ہٹ کر تھی اُسے صفہ کہا جاتا تھا۔ یہ تعلیم و تربیت کا ایک مرکز تھا جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ نگرانی فرائض سرانجام دیتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی ایک معقول تعداد وہاں رہائش پذیر تھی۔ وہ صحابہ کرامؓ دن کے اوقات میں اپنا تمام وقت اسلامی طرزِ زندگی کے اصول و قوانین سیکھنے میں صرف کرتے تھے۔ اُن اصول و قوانین کا تعلق نہ صرف بندے کے اپنے رب کے ساتھ تعلقات سے ہوتا تھا بلکہ اُن میں معاشرے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے اصول بھی شامل ہوتے تھے۔ اور یہ صحابہ کرامؓ اپنی بقاء و نشو و نما کے لئے لازمی و ضروری ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے کام بھی کرتے تھے تاکہ وہ طفیلئے اور دوسروں پر بوجھ نہ بنیں۔ یہ صحابہ کرامؓ، عظیم صوفیاء کرام کی طرح اپنی راتیں، نوافل کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ بارے غور و فکر کرنے میں گزارتے تھے۔ چاہے اس ادارے کو خانقاہ کہیں، عبادت گاہ کہیں یا کسی اور نام سے پکاریں اس میں کوئی شک و شائبہ نہیں ہے کہ اہلِ صفہ اپنا بیشتر وقت مادی و دنیاوی مشاغل کی بجائے روحانی عبادات میں گزارتے تھے۔ شاید کوئی بھی شخص اُن عبادات کی تفصیلات نہیں جان پائے گا جن پر عمل کرنے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ابتدائی صوفیاء کرامؓ کو صادر فرمایا تھا اور یقیناً وہ عبادات ہر صحابیؓ کے مزاج اور ذہنی صلاحیت و قابلیت کے مطابق مختلف ہوں گی۔ لیکن چونکہ مقصد ایک ہی تھا اسی لئے اُس مقصد کے لئے کوئی بھی شرعی راستہ و ذریعہ چننے کی آزادی دی گئی تھی۔ برسبیل تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک موقع پر ارشاد فرمائی گئی حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دانائی مومن کی گمشدہ میراث ہے جب کبھی وہ اُسے پائے اُسے چاہیے کہ اُسے حاصل کرلے۔" (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ)۔

تصوف کا لبِ لباب

205 تصوف سے اسلام کی مراد ایمان و عقیدے کی ایمانداری و دیانتداری، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بہترین طریقۂ کار کا استعمال، زندگی کے تمام شعبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطۂ حیات کو بطورِ نمونہ و مثال

اپنانا، نجی وذاتی اعمال وافعال کی اصلاح اور اسلام کے عائد کردہ فرائض کی تکمیل ہے۔

(206) تصوف کا ماورائی اشیاء بارے جاننے کی طاقت وقوت، جادو کرنے یا نفسیاتی ذرائع کے استعمال سے اپنی مرضی ومنشاء دوسروں پر زبردستی تھوپنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ترکِ دنیا، نفس کشی، رہبانیت اور مراقبہ و غور وفکر یا اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے محسوسات تصوف کے حصول کے ذرائع تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کا تصوف کے مقاصد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ تصوف کو ذاتِ خداوندی سے متعلق مختلف عقائد ونظریات مثلاً کفر وغیرہ سے بھی کوئی نسبت نہیں ہے اور جھوٹے لوگوں کے اس پُرزور دعوے سے بھی تصوف کا کوئی سروکار نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک صوفی اسلامی قانون اور اسلام کے عائد کردہ کم سے کم ضروری فرائض سے بالاتر ہوتا ہے۔

(207) کسی بہتر اصطلاح کی عدم دستیابی کی صورت میں کوئی بھی شخص ''تصوف'' کا لفظ استعمال کر سکتا ہے اسلام میں اس کے معنی بہترین انفرادی رویے کے طریقہ کار کے ہیں یعنی ایسے ذرائع جن کے ذریعے ایک شخص اپنی ذات میں اپنے نفس پر قابو پانے، خلوص نیت، اپنے تمام اعمال واذکار میں اللہ تعالیٰ کی مستقل موجودگی کے احساس اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ محبت کرنے کی کوشش وکاوش کرنے جیسی خصوصیات پیدا کرتا ہے۔

(208) اسلامی تعلیمات میں نماز اور روزہ کی ادائیگی وپابندی نیز مستحقین کی مدد ومعاونت کے ساتھ فسق وفجور اور برائی سے باز رہنے وغیرہ جیسے کچھ ظاہری فرائض کے ساتھ ساتھ درست ایمان وعقیدہ، اللہ جل شانہٗ کی شکرگزاری، خلوص نیت کے علاوہ جھوٹی انا سے آزادی حاصل کرنے جیسے باطنی فرائض بھی شامل ہیں۔ تصوف باطنی فرائض کی ادائیگی کے لئے ایک تربیت کا درجہ رکھتا ہے۔ تاہم ظاہری فرائض بھی روح کی پاکیزگی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جو کہ ابدی واخروی نجات وبخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ عام طور پر ایک صوفی اپنی روحانی عبادات کے ذریعے اپنے اندر ایسی صلاحیتیں وقابلیتیں اور خوبیاں پیدا کر لیتا ہے کہ جو عام لوگوں کے لئے حیرت انگیز وتعجب خیز ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن ایک صوفی کو ان سب چیزوں کی خواہش وتمنا نہیں ہوتی بلکہ وہ تو انھیں نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگرچہ کچھ لوگ خاص اعمال کے ذریعے ماروائی اشیاء بارے جان سکتے ہیں پھر بھی ایک صوفی اس کی تمنا نہیں کرتا کیونکہ یہ ماورائی اشیاء اللہ تعالیٰ کے رازوں وبھیدوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کا قبل از وقت اظہار انسان کے لئے نقصان دہ اور باعثِ ضرر ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر ایک صوفی ماورائی اشیاء بارے جاننے کی قوت وطاقت حاصل بھی کر لے تو بھی وہ اُسے استعمال میں نہیں لاتا۔ ایک صوفی کا اوّلین مقصد ہمیشہ روح کی پاکیزگی ہی ہوتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ بن سکے۔ صوفیاء کرامؒ کے مطابق ایک کامل انسان وہ ہوتا ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو بھی سنوارتا ہے۔ فقہ یا اسلامی قانون انسان کی مکمل ظاہری زندگی جیسا کہ مذہبی عبادات، ازدواجی زندگی اور تعزیرات وغیرہ سے متعلق اصول وقوانین پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس تصوف کا حقیقی تعلق انسانی زندگی کے باطنی پہلو سے ہے۔ نماز کے بنیادی ارکان (مثلاً قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ) کا تعلق فقہ کے شعبے سے ہے جبکہ نماز کے دوران انسان کا خلوص نیت وعمل اور اللہ سے محبت وجاں نثاری کا جذبہ باطنی محسوسات ہیں اسی لئے ان کا

تعلق تصوف کے شعبے سے ہے۔ ہم اس سلسلے میں قرآن پاک کے دو ارشادات کا ذکر کر سکتے ہیں پہلا یہ کہ:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ

(سورۃ المومنون، آیات: 1 تا 2)

ترجمہ "بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔"

دوسرا یہ کہ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 142)

ترجمہ "منافق اللہ کو فریب دیتے ہیں اور وہی ان کو فریب دے گا اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔"

نماز کے ارکان کی صحیح یا غلط ادائیگی جن کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے ہمارے لئے یہ بات سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں کہ اسلام اپنے پیروکاروں سے زندگی کی تمام سرگرمیوں میں کس قسم کے افعال و اعمال کا تقاضا کرتا ہے۔

208 (الف) اسلامی عقیدہ ایک خلیفہ یا ریاست کے سربراہ کو نہ صرف سیاسی امور (جن میں انتظامِ انصاف بھی شامل ہے) بلکہ مذہبی رسوم کو بھی احسن طریقے سے سرانجام دینے کا پابند کرتا ہے۔ مذہبی رسوم سے مراد اسلامی ظاہری عبادات ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ یہ تمام ظاہری عبادات مختلف مکتبۂ فکر کے تجویز کردہ فقہ یعنی اسلامی قانون کے وضع کردہ قوانین کے مطابق سرانجام دی جاتی ہیں۔ (آگے اسی کتاب کے پیراگراف نمبر 563 (الف) میں دیکھئے)۔ فقہ کے شعبے میں ریاستی و مذہبی طاقت کی اجارہ داری متنازعہ انداز میں لاگو کی جاتی رہی ہے حالانکہ اسے ہماری زندگی میں نہ ہونے کے برابر اہمیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کے درمیان اس بارے مسلکی تضادات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانے سے چلے آرہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی حیثیت سے کس فرقے کو سیاست کے ذریعے حکومت کرنے اور مذہبی رسوم کی ادائیگی بارے قوانین تجویز کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن ہم اس بات کا فیصلہ رب قادر و قدیر اور علیم و خبیر پر قیامت کے دن تک کے لئے چھوڑتے ہیں۔ آیئے ہم اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لئے زادِ راہ کا انتظام کریں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کریں۔ جہاں تک باطنی زندگی کا تعلق ہے صرف باطنی زندگی ہی آخرت کی ابدی و دائمی زندگی میں نجات کا ذریعہ بنے گی۔ باطنی زندگی کے اس حلقے میں کوئی بغض و حسد نہیں پایا جاتا۔ باطنی زندگی میں بہت

سے لوگ ایک ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین بن سکتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے ایسا مقام و مرتبہ حاصل بھی کیا۔ اگر صوفیاء کرام کے سلسلۂ نقشبندیہ کی لڑی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتی ہے تو اسی طرح قادریہ اور سہروردیہ سلسلے سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کرامؒ حضرت علیؓ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا سلسلۂ نسب جوڑتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے یہ تمام سلسلے اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فوری سیاسی جانشین مانتے ہیں۔ تصوف کی منازل ابدال اور اوتاد کے وجود بارے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے۔ جن کا مطالعہ ہم ابن سعد جیسے ابتدائی محدث کی تالیف میں کرتے ہیں۔ سیوطیؒ کے تحقیقی مقالے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قطب، ابدال اور اوتاد کے موضوعات پر مبنی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ہمیں یہاں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

رب تعالیٰ کی رضا و خوشنودی

(209) عوام الناس کی یہ خواہش و تمنا ہوتی ہے کہ چاہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں یا نہ کریں اللہ جل شانہ اُن سے یکطرفہ محبت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اُن کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کا خیال ان کی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی صورت میں بھی رکھنا چاہیے۔ قرآن پاک تعلیم دیتا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 165)

ترجمہ ''اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

بہترین انسانوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

(سورۃ المائدہ، آیت: 54)

ترجمہ ''اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں۔ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔''

210 اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول مادی تعیشات کے مماثل و مشابہ نہیں ہوتا کیونکہ رب رازق ورزاق مادی آسائشوں کے ذریعے انسان کی اپنی بارگاہ میں شکر گزاری وممنونیت کو آزماتا ہے۔ بعض اوقات ایک انسان کو ان آسائشوں سے محروم کر کے اس کے صبر وبرداشت اور استقامت وثابت قدمی کو بھی آزمایا جاتا ہے۔ ان دونوں معاملات میں انسان کو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت والفت اور وابستگی کا اظہار ضرور کرنا چاہیے۔ ایک طرف یہ ضروریاتِ زندگی انسان کے اللہ کی رضا میں راضی ہونے کے ذریعے اُس کی انا کو ختم کرتی ہیں تو دوسری طرف یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی مستقل بمؤثر موجودگی کا احساس بھی دلاتی ہیں۔

211 وحدت الوجود کے فسفیانی نظریے کی اساس ''فنا فی اللہ'' کے احساس پر مبنی ہے۔ ایک صوفی کے نزدیک وحدت الوجود کے عقیدے کا محض زبانی ولسانی اظہار واقرار کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ تو اُس عقیدے میں ضم وگم ہونے اور اُسے حقیقت کے روپ میں ڈھالنے کی آرزو وجستجو کرتا ہے۔ اسی لئے ایک سچے وکھرے صوفی کے لیے صرف ''الٰہ'' باقی سب ''لا'' کے نظریے کے تحت جنم لینے والی وحدت الوجود، وحدت الشہود اور ان جیسی دوسری علمی اصطلاحات محض الفاظ پر مشتمل نظریات ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ غیر متحرک وغیر متموج نظریات تصوف کے راہی کو اس کے راستے سے بھٹکا دیتے ہیں اور منزل کے حصول کی جانب اُس کے سفر کی رفتار میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

212 یہاں اِس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظریہ وحدت الوجود سے مراد بندے کا اللہ میں مدغم ہونا بالکل بھی نہیں ہے۔ ایک انسان اللہ کے جتنے بھی قریب ہو جائے پھر بھی خالق اور مخلوق یعنی اللہ اور بندے کے درمیان فرق وامتیاز اور فاصلہ قائم وبرقرار رہتا ہے۔ ایک شخص اپنی انا وخودداری کو تو فنا کر سکتا ہے لیکن اپنی ذات وشخصیت کو نہیں۔ ہم تصوف کے جتنے بلند درجے پر پہنچتے ہیں اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ ہماری زبان سے بولتا ہے، ہمارے ہاتھ سے عمل کرتا ہے اور ہمارے دل سے خواہش وتمنا کرتا ہے (بحوالہ بخاری) انسان اللہ تک پہنچ ورسائی حاصل کرتا ہے اور اللہ کی جانب سفر کرتا ہے لیکن اللہ اور بندے میں فرق ہمیشہ قائم ودائم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان روحانی سفر کے لئے ''رفاقت وشرکت'' کی اصطلاح استعمال نہیں کرتا جس کا مطلب ومفہوم ملاپ ہو سکتا ہے اور یہ مفہوم غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے۔ مسلمانوں نے روحانی سفر کو اصطلاح ''معراج'' سے تخصیص کیا ہے جس کے معنی سیڑھی وعروج اور رفعت وفوقیت کے ہیں اور جس کا مفہوم مختلف افراد کے مختلف رویوں کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔ سب سے بلند ترین رتبہ جو ایک بنی نوع انسان حاصل کر سکتا ہے وہ وہی ہے جو حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تجربہ بھی ''معراج'' ہی کہلاتا ہے۔ پس داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوشمندی اور حالت بیداری میں عالم فانی سے عالم بالا تک سفر کرنے کا خواب (رویا) دیکھا اور اس سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ سے ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی حالت بارے (جو کہ وقت اور فاصلے سے مبرّا ہے) قرآن پاک باضابطہ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اتنا فاصلہ تھا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ (سورۃ النجم، آیت:9)

ترجمہ ''پھر فاصلہ دو کمان کے برابر تھا یا اس سے بھی کم۔''

اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فاصلے کا یہ نقشہ کہ جو قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قرب و نزدیکی کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق بارے نشاندہی بھی کرتا ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں ایک مومن کے لئے ''معراج'' کی اصطلاح استعمال کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نماز مومن کی معراج ہے۔'' ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اس کی روحانی صلاحیت و قابلیت اور علمی و عملی خصوصیات کے مطابق ہی معراج کا درجہ دیا جاتا ہے۔

(213) روحانی سفر یعنی تصوف کی منازل کا پورا ایک سلسلہ ہے اور ایک شخص آہستہ آہستہ ہی یہ تمام منازل عبور کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کی ابتداء غار حرا میں پیش آنے والی مشکلات سے کی۔ اور پھر جب داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مکی دور شروع ہوا تو اُس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں خدائے واحد کی جانب دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے وجود تک کی نفی بھی شامل تھی۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب رحمٰن و رحیم کے حکم پر دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ظاہری طور پر درویشی کا لبادہ اوڑھ لے جبکہ باطنی لحاظ سے وہ بھیڑ کی شکل میں ایک بھیڑیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بادشاہ اپنے تمام تر اختیارات و وسائل کی موجودگی میں انھیں بروئے کار لائے بغیر ایک درویشانہ و صوفیانہ زندگی بسر کرے اور اپنے روحانی و باطنی فرائض کی تکمیل کے لئے زندگی کی تمام تر آسائشوں سے قطع تعلقی اختیار کرتے ہوئے ایک عظیم قربانی پیش کرے۔

(214) عاجزی و انکساری کا احساس انا کی قید سے آزادی حاصل کرنے کی اولین شرط ہے۔ جس پر عمل کیا جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غرور و تکبر سب سے بڑا گناہ ہے۔ الغزالی کے مطابق دکھاوا اپنی ذات کی پرستش کے مترادف ہے اسی لئے یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

215 چونکہ مختلف افراد مختلف مزاجوں کے حامل ہوتے ہیں اسی لئے تصوف کی منازل کے حصول کے راستے بھی مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک شخص رہبر ورہنما اور استاد کی ضرورت پر اصرار کرتا ہے۔ ایک شخص جس نے طبی تعلیم گھر پر اپنے طور پر حاصل کی ہے اور وہ کار آموزی کے دور سے بھی نہیں گزرا یا اُس نے ماہر ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی طب کی کتابیں نہیں پڑھیں تو اُسے دوسرے افراد پر ڈاکٹری کی مشق کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ایسے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں کہ جن میں ایک شخص اپنی کمزوریوں و کوتاہیوں کو پہچان لیتا ہے۔ ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں جو اپنی غلطیوں کو فوراً سدھار لیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں ہماری غلطیوں؛ خامیوں سے آگاہ کرے اور انھیں سدھارنے کا طریقہ بھی بتائے۔ ایک فرد کا مستقل نشوونما اور دائمی و دوامی ارتقاء سے گزرنا لازمی امر ہے اور اس دوران ایک استاد ہمیں بہت ساری غیر ضروری کوششوں سے باز رکھتا ہے۔ اگر ایک فرد ارتقاء کے عمل سے گزرتے وقت ماضی کے تجربات سے استفادہ نہیں کرتا اور اگر ہر شیر خوار بچہ ارتقاء و نشوونما کے مقصد کے حصول کے لئے از سرِ نو کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے اپنے آباؤ اجداد کے تجربے سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اپنی ذات پر ہی اکتفا کرتا ہے تو ایسی صورت میں ثقافت اور تہذیب ترقی نہیں کرے گی جبکہ تہذیب اور ثقافت کی تشریح اُس بارے ذخیرہ کردہ علم اور ہمارے آباؤ اجداد کے نسل در نسل عمل کے الفاظ میں کی جاتی ہے۔ ایک شاگرد اپنے استاد کے فیصلے اور مشورے کے لئے جو عزت و احترام اپنے دل میں رکھتا ہے وہ عزت و احترام وہ اپنے ساتھیوں یا اپنے برابر علم رکھنے والے لوگوں کے لئے نہیں رکھتا۔ کسی بھی چیز بارے نظریاتی علم حاصل کرنے کے بعد ایک شخص اُن نظریات کو عملی طور پر سمجھنے و سیکھنے کے لئے ان آزمائشوں سے گزرتا ہے۔ یہ بات روحانی سائنس کی طرح مادی سائنس سے متعلق بھی صحیح و درست ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں کوئی بھی شخص محض پڑھنے یا سننے سے نہیں سیکھ سکتا کسی ماہر استاد کے زیرِ نگرانی اُن چیزوں کا عملی استعمال لازمی و ناگزیر نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ صرف علم حاصل کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ علم کے اندر ضم و گم ہونا اور اُسے اپنی ثانوی فطرت بنانا از حد ضروری ہوتا ہے۔

216 صوفیاء کرام چار اعمال بارے نصیحت کرتے ہیں 1 کم کھاؤ 2 کم سوؤ 3 کم بولو 4 لوگوں سے کم میل ملاقات رکھو۔ "کم" سے مراد ان اعمال سے مکمل انکار ہرگز نہیں ہے جو کہ بعض اوقات ناممکن و تکلیف دہ جبکہ ہمیشہ ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کھانے اور سونے سے انکار ناممکن ہے۔ ہر چیز میں اعتدال پسندی ہمیشہ ضروری ہوتی ہے۔ ہر شخص کو کھانے کے لئے زندہ رہنے کی بجائے زندہ رہنے کے لئے کھانا چاہیے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء اور اس کے احکامات کی تکمیل کے مقصد کے تحت کھانا ایک عبادت ہے جبکہ اس کے برعکس انسان کا اپنی خوراک کم کرنا اور اس حد تک کم کرنا کہ اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جسمانی کمزوری کے باعث وہ اپنی روحانی عبادات سرانجام نہ دے سکے تو یہ گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ نیند صحت کے لئے ضروری ہے اور

انسان پر فرض کی صورت لاگو ہے لیکن سستی و کاہلی جو کہ ہمارے زیدہ دیر آرام کا باعث بنتی ہے اس کی وجہ سے ہماری روحانی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ کم سونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنا وقت مادی ضروریات حاصل کرنے میں گزاریں بلکہ اس سے مراد اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت اور تقویٰ میں گزارنا ہے۔ کم بولنے سے مراد غیر اہم وغیرہ سنجیدہ گفتگو میں تخفیف و تحلیل سے کام لینا اور اگر ممکن ہو تو تمام بری و بے ہودہ باتوں سے احتراز کرنا ہے۔ ہماری یہ عادت ہوتی ہے کہ ہم اکثر و بیشتر دوسروں کو اچھے و مفید مشوروں سے نوازتے ہیں جبکہ خود اُن مفید و کارآمد مشوروں پر عمل کرنا بھول جاتے ہیں۔ لوگوں سے کم میل جول رکھنے کا مطلب ہے کہ ہم غیر ضروری گفتگو اور بے سود و بے فائدہ ملاقاتوں سے باز رہیں۔ دوسروں کے کام آنا اور ایسی چیزوں کے حصول میں مشغول رہنا جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکے اکثر ہونے والی بے فائدہ و بے معنی ملاقاتوں سے بہتر افعال ہیں۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مختلف افراد کی اُن کی منزلِ ارتقاء کے مطابق مختلف ضروریات ہوتی ہیں۔ کوئی بھی شخص ایک ماہر استاد اور ایک نو آموز شاگرد کو بیک وقت ایک ہی نصیحت نہیں کر سکتا۔ دنیاوی ملاقاتیں اکثر اوقات وقتی ترغیبات، ہمارے وقت کے بے جا ضیاع اور ہماری بہت اہم ذمہ داریوں بارے ہمارے غفلت برتنے کا باعث بنتی ہیں۔ صوفیائے کرام کی تجویز کردہ ان چار نصیحتوں میں ایک اور نصیحت کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ نصیحت ہے کم خرچ کرنا۔ اس سے مراد آسائشوں پر، عشوہ گری پر اور ذاتی خوشی پر خرچ کرنا ہے۔ کم خرچ کرنے سے جو رقم بچے گی وہ ہم اپنے ان دیرینہ مقاصد پر خرچ کر سکتے ہیں جن کے لئے ہمارے پاس ہماری فضول خرچی کی عادت کی وجہ سے اتنی بھی رقم نہیں بچتی کہ ہم اس مقصد کے لئے اپنا تھوڑا سا حصہ ادا کر سکیں۔ یہ پانچ نصیحتیں اسلام کے پانچ معاشی اصولوں پر مشتمل ہو سکتی ہیں جن میں روحانی اور مادی دونوں اصول شامل ہیں۔

خصوصی عبادات

217 ہر شخص کو ہر لحظہ و ہر لمحہ رب قادر و قدیر کو یاد رکھنا چاہیے۔ ضروری و لازمی پہلو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو دل سے یاد کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے بارے ارتکاز کی ناپائیداری کی صورت میں ایک شخص روح کی موجودگی کو مضبوط و مستحکم کرنے اور اپنے فکر و خیال کو ذاتِ خداوندی پر مرکوز و مرتکز کرنے کے لئے جسمانی طریقہ کار استعمال کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿٤٢﴾

(سورۃ الاحزاب: آیات: 42،41)

ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور اس کی صبح و شام پاکی بیان کرو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

(سورۃ آلِ عمران، آیت: 191)

ترجمہ "وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تُو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تُو سب عیبوں سے پاک ہے۔ سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

کچھ اجتماعی دعائیں ایسی ہیں جن میں کچھ تراکیب متعدد بار دہرائی گئی ہیں۔ کچھ دعائیں ایسی ہیں جنہیں ایک شخص عادتاً ہر روز پڑھتا ہے۔ ایسا اونچی یا نیچی آواز میں کیا جاتا ہے لیکن انسان کی ہر دعا کا تعلق ہمیشہ اللہ کی تخلیق کردہ اشیاء کی بجائے بغیر کسی تبدیلی کے اللہ، اللہ کی ذات یا اس کی صفات سے ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون و متشکر ہوتا ہے اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے تو اس صورت میں بھی منبع و ماخذ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہونی چاہیے اور ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے کچھ نہیں مانگنا چاہیے کہ وہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ہمارا فلاں کام کر دیں۔ مثال کے طور پر ہمیں کہنا چاہیے کہ "اے اللہ، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ، فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما" یا "اے اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس مقامِ محمود پر پہنچا دے جس کا تُو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن اُن کی شفاعت سے بہرہ مند فرما" وغیرہ۔ صوفیاء کرام رحمہم اللہ بعض اوقات ذاتِ خداوندی بارے فکر و خیال کے ارتکاز کی پختگی کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنے، یا خلوت میں رہنے، کچھ لمحوں کے لئے سانس روکنے، آنکھیں بند کرنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے دل کی دھڑکن پر توجہ مرکوز کرنے وغیرہ جیسے افعال و اعمال کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے مطابق اللہ جل شانہٗ کو یاد رکھنے کے تین درجات ہیں 1 صرف اللہ کا نام یاد رکھنا 2 اُس کے نام کے ذریعے اُس کی ذات کو یاد رکھنا 3 اللہ کے نام یا کسی بھی طرح کے دیگر ذرائع کی امداد کے بغیر ذاتِ خداوندی کو یاد رکھنا۔ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان اعمال بارے نصیحت فرمائی۔ اور ان اعمال کا کسی اور پس منظر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس دھاگے کی بنی ہوئی ایک تسبیح تھی اُس دھاگے میں دو ہزار گرہیں تھیں جو تسبیح کے دانوں کا کام دیتی تھیں اور حضرت ابو ہریرہؓ ہر شب اُس پر ایک خاص دعا دہراتے تھے۔

218 صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے دیگر اعمال کے حوالے سے ہم ترکِ دنیا، انسانی وجود سے انکار اور موت اور سزا و جزا بارے خصوصی غور و فکر پر مشتمل زندگی کا ذکر کر سکتے ہیں۔ اسلام میں یہ تمام اعمال تصوف کی آخری حد

نہیں سمجھے جاتے بلکہ یہ دراصل انا و خودداری کے خاتمے میں مہارت کے حصول کے لئے عارضی و وقتی ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر وہ عمل (چیز) جس کی ایک انسان اپنے آپ کو اجازت دیتا ہے وہ دو اقسام پر مشتمل ہوتا ہے 1 ضروریات 2 تعیشات۔ کوئی بھی شخص ضروریات سے قطع تعلق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ خودکشی ہوگی۔ اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے مِلک کیے جاتے ہیں اور کسی چیز کو اس کے مکمل حصول سے پہلے تباہ و برباد و نیست و نابود کر دینا اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے خلاف عمل کرنے کے مترادف ہے۔ جہاں تک تعیشات و آسائشات کا تعلق ہے اگر ہم انہیں اپنی اس دنیا میں رہنے کا مقصد نہ بنائیں تو یہ چیزیں شرعاً حلال ہیں۔ ایک شخص ان تعیشات و آسائشات کو اپنی حیوانیت پر غلبہ پانے کے لئے ترک کر سکتا ہے اور ایک شخص اُن لوگوں کی مدد کے لئے بھی ان آسائشات سے قطع تعلق کر سکتا ہے جو زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہیں یا شاید ایک شخص اپنی غلطیوں و کوتاہیوں کے جرمانے کی ادائیگی کے طور پر بھی دنیاوی آسائشات کو ترک کر سکتا ہے۔ لیکن اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ یہ عمل مبالغہ آرانہ انداز میں یا تمام حدود کو بالائے طاق رکھ کر کیا جائے۔ ایک گناہگار انسان جو پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے جدوجہد اور تگ و دو کرتا ہے اُس انسان سے بہتر ہے جو اپنی خواہشات کے خاتمے کے لئے کسی بھی قسم کے ذرائع کا سہارا لیتا ہے مثلاً عملِ جراحی کے ذریعے۔ ایک شخص جس کے پاس گناہ کرنے کی طاقت و قوت ہی نہیں ہے اُس شخص کے مقابلے میں کوئی اہمیت و حیثیت نہیں رکھتا جو گناہ کا ارتکاب کرنے کی پوری طاقت و قوت اور اختیار رکھتا ہے لیکن پھر بھی اللہ کے خوف کے باعث رضاکارانہ طور پر گناہ کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔

219 انسانی وجود سے انکار، عیاشی سے احتراز و پرہیز اور دیگر روحانی اعمال کچھ انسانی صلاحیتوں و قابلیتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ پھر بھی ایسی صلاحیتیں و قابلیتیں چاہے کتنی ہی حیرت انگیز و معجزہ خیز کیوں نہ ہوں اللہ کی جانب سفر کرنے والا انسان کبھی بھی ان کے حصول کی خواہش نہیں رکھتا۔ ایک صوفی اعمال کی ادائیگی کے دوران پیدا ہونے والے خودکار احساسات کی بجائے اعمال کے حصول کی تلاش میں رہتا ہے۔ ایک کافر بھی اپنے اندر صوفیاء کرام جیسی کچھ خصوصیات پیدا کر سکتا ہے لیکن پھر بھی یہ خصوصیات اس کی ابدی و دائمی نجات و بخشش کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ ایک صوفی صوفیانہ سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات سے متعلق نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی منزل کی جانب سفرِ مسلسل جاری رکھتا ہے۔

220 ایک صوفی یا درویش کی زندگی ماضی کے گناہوں کے پچھتاوے اور جس حد تک ممکن ہو سکے دوسرے لوگوں کو پہنچائی گئی تکلیف کے ازالے سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حقوق اللہ تو معاف فرما دیتا ہے لیکن حقوق العباد معاف نہیں کرتا اسی لئے حقوق العباد صرف بندوں سے ہی معاف کرائے جا سکتے ہیں۔ ایسا صرف اُس صورت میں ہو سکتا ہے جب ایک شخص اللہ کے راستے پر چلے۔ اللہ سے گناہوں کی معافی طلب کرنے پر کسی شخص، طبقے یا ذات کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ہر شخص کی پہنچ میں ہے اور ہر فرد پر فرض ہے کہ وہ

اس راستے کا انتخاب کرے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی دو شرائط ہیں ❶ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ❷ اللہ تعالیٰ کی مسلسل یاد۔ اطاعت و فرمانبرداری اس حوالے سے آسان ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کس بات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و خوشنودی کے لئے اپنی ہدایات و احکامات اپنے مقرر کردہ پیغمبروں کے ذریعے عوام الناس تک پہنچائے۔

﴿221﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے لاتعداد پیغمبر بھیجے۔ اگر ایک پیغمبر کی تعلیمات کی تفصیلات دوسرے پیغمبر سے مختلف تھیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی رائے بدل لی تھی بلکہ انسانی صلاحیتوں کی تبدیلی و تنزلی کی وجہ سے رب رحمٰن و رحیم اور حکیم و علیم کی رحمانیت و حکمت اس امر کی متقاضی تھی کہ انسانی ضابطۂ حیات کے اصولوں اور ان کی تفصیلات کو تبدیل کیا جائے۔ حالانکہ پیغمبروں کی بنیادی تعلیمات اور خاص طور پر وہ تعلیمات جن کا تعلق اللہ اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ و تعلق سے تھا وہ سب پیغمبروں کی ایک جیسی ہی تھیں...... قرآن پاک میں اس نکتے پر بہت زور دیا گیا ہے...... یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں شامل ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے تازہ ترین احکامات کی پابندی کرے۔ مثال کے طور پر یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے کچھ چیزیں سکھائی ہیں تو اُن چیزوں کو حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کی پیروی کے لئے ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ اپنے وقت میں اُسی قانون ساز و مقنن یعنی اللہ تعالیٰ کے نئے قوانین کو لے کر آئے تھے۔ مزید یہ کہ حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کو نظرانداز کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کی پیروی جاری رکھنا اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سنگین نافرمانی ہوگی۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن احکامات پر باری باری عمل کرے جو اُس نے اپنے یکے بعد دیگرے بھیجے گئے پیغمبروں کے ذریعے انسان تک پہنچائے ہیں۔ جن میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سب سے جدید ترین ہیں۔ اسی لئے انسان اپنے دل میں اللہ کے پہلے پیغمبروں کے لئے عزت و احترام رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے تازہ ترین احکامات و قوانین پر عمل کرتا ہے جو اُس نے انسان تک پہنچائے ہیں۔ ایک مسلمان تورات، زبور اور انجیل کو اللہ تعالیٰ کے کلام کی حیثیت سے مقدس سمجھتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے تازہ اور جدید ترین کلام و احکام پر عمل کرتا ہے جسے قرآن پاک کہتے ہیں۔ جو کوئی بھی پرانے و پچھلے قوانین کی پیروی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نافرمان تصور کیا جاتا ہے۔

نتیجہ

﴿222﴾ انسان کو اندرونی اور بیرونی وجود یعنی روح اور جسم کے ملاپ سے تخلیق کیا گیا ہے۔ اسی لئے انسان کی ہم آہنگ ترقی اور تکمیل کی جانب متوازن نشوونما اس بات کی متقاضی ہیں کہ انسان کی روح اور اس کے جسم کو یکساں توجہ دی جانی چاہیے۔ اِسلام میں تصوف یا روحانی ثقافت سے مراد انا و خودغرضی کا خاتمہ اور وجودِ باری

تعالیٰ کا ہمیشہ بڑھنے والا احساس ہے۔ اللہ کی رضا میں راضی ہونے کا مطلب غیر متحرک ہونا بالکل بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں لاتعداد آیات میں انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ حرکت میں برکت ہے اور یہاں تک کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اچھے اعمال کے ذریعے بُری خواہشات کا مقابلہ کرنا چاہیے اپنی بُری خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی بجائے اللہ کے احکامات پر عمل کرنا انسان کو غیر متحرک پن کی طرف نہیں لے جاتا اور انسان اللہ کے احکامات پر تب عمل کرتا ہے جب اُسے اللہ کی رضا معلوم ہوتی ہے۔ البتہ اللہ کی اُس رضا بارے نہ جانتے ہوئے بھی جو انسان سے مخفی و پوشیدہ رکھی گئی ہے انسان کو اپنے اُس مقصد کے حصول کے لئے جسے وہ اپنے ضمیر کے مطابق صحیح و درست اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے عین مطابق سمجھتا ہے پے درپے ناکامیوں کے بعد بھی اپنی کوشش و کاوش ہمیشہ جاری و ساری رکھنی چاہیے۔ متحرک و متموج قسمت و تقدیر کا یہ نظریہ؛ جو ایک شخص کو حرکت کرنے اور اللہ کی رضا میں راضی ہونے پر ابھارتا و اُکساتا ہے، قرآن پاک کی ان آیات میں بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝

(سورۃ الحدید، آیات 22، 23)

ترجمہ ''جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اُسے پیدا کریں کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تمہیں (اللہ) دے اُس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔''

انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اور عظمت کے ساتھ ساتھ اپنی عاجزی و انکساری اور روزِ آخرت و روزِ سزا و جزا کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اُسی روز اللہ تعالیٰ ہر فرد سے اُس کے اعمال و افعال کا حساب کتاب طلب فرمائے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورۃ العنکبوت، آیت 69)

ترجمہ ''اور جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنی راہیں سجھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔''

❁----❁

باب 7

اسلام کا اخلاقی نظام

223 بنی نوع انسان کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے 1 وہ افراد جو فطرتاً نیک ہوتے ہیں۔ حرص و طمع اور لالچ و مفاد پرستی کے جال میں کسی صورت نہیں پھنستے اور ان کی جبلت و بصیرت اچھے بُرے کی تمیز میں ان کی معاونت کرتی ہے۔ 2 وہ افراد جو پہلی قسم کے افراد کی خصوصیات سے قطعی متضاد اور بالکل برعکس کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ 3 وہ افراد جو پہلی اور دوسری قسم کے افراد کی نسبت درمیانی طبقہ و درجہ و مقام پر فائز ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی پابندی لگائی جائے یا ان کی نگرانی کی جائے تو وہ اس کا مثبت جواب دیتے ہیں ورنہ وہ غیر محتاط اور ناموزوں و نامناسب رویہ اختیار کر لیتے ہیں یا دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہیں۔

224 تیسری قسم کے درمیانہ درجہ کے افراد کی از حد اکثریت ہے۔ پہلی اور دوسری دو انتہا پسند اقسام کے افراد محض چند ہی ہوتے ہیں۔ پہلی قسم (انسانی فرشتے) کے افراد کو کسی طرح کی ہدایت و نصیحت یا رہبری و رہنمائی کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ دوسری قسم (انسانی شیطان) کے افراد کو انتہائی سختی کے ساتھ کنٹرول کرنا چاہیے اور انہیں برائیوں سے روکنا چاہیے البتہ تیسری قسم (انسان) کے افراد کو سب سے زیادہ توجہ دینا پڑتی ہے۔

225 تیسری قسم کے افراد کئی حوالوں سے حیوانوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ پُرسکون ہوتے ہیں اور جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے اس پر اس وقت تک قانع رہتے ہیں جب تک انہیں یہ علم نہ ہو جائے کہ دوسرے ان سے زیادہ بہتر حیثیت کے مالک ہیں یا یہ کہ انہیں دوسروں کی شرارت و شرانگیزی بارے شک و شبہ نہ ہو جائے۔ خواہشات، مفادات اور حرص و طمع جیسی برائیوں کی جانب رجحان و میلان ہر دور میں انسانی معاشرے کی فکر و سوچ کا مرکز و محور رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والد اپنے بچوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ خاندان، قبیلے، شہری ریاست یا افراد کے کسی بھی گروہ کا سربراہ پوری کوشش و کاوش کرتا ہے کہ جو افراد اُس کے حلقۂ اثر میں ہیں وہ دوسروں کی دیانتداری اور قانونی طریقے سے حاصل کی گئی کمائی کو ہڑپ و غصب کرنے کی بجائے صرف اسی پر صابر و شاکر رہیں کہ جو کچھ ان کے پاس اپنا ہے۔ شاید انسانی معاشرے کا مقصد اور نصب العین ہی یہی ہے کہ حرص و طمع کو قابو میں لایا جائے اور اس نقصان کا ازالہ و تلافی کی جائے جو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ تمام انسانوں حتیٰ کہ ایک ہی قوم کے تمام افراد کی شخصیت کی تعمیر کبھی بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک نیک صفت روح ہمیشہ

دوسروں کے لئے قربانی دینے اور فلاح و اعانت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ ایک ذہین و فطین روح بہت دور اندیش ہوتی ہے اور فوری بُرے و بھیانک نتائج کا خوف اُسے برائی کرنے سے روکتا ہے اور وہ کسی کی ترغیب و تحریص کے بغیر اپنی مرضی و منشاء سے دوسروں کی ذات کی بھلائی کے لئے قربانی دینے کو تیار رہتی ہے۔ جہاں تک عام انسانی روح کا تعلق ہے وہ اپنی مرضی و منشاء سے کسی دوسرے کے لئے قربانی دینے کی بجائے دوسروں کے مفادات قربان کر کے ترقی کرنے سے گریز نہیں کرتی جب تک کہ اُسے متاثرہ فرد یا معاشرے یا کسی اور زبردست قوت کے فوری اور شدید ردِعمل کا خوف و خطرہ نہ ہو۔ مگر غبی و کند ذہن روح اس قسم کے خوف و خطرہ کے باوجود بھی آخر دم تک اپنے مجرمانہ ارادے پر مُصر و بضد رہتی ہے اور اپنے مخالفین کے خلاف اس وقت تک زور آزمائی کرتی رہتی ہے جب تک کہ معاشرہ اُسے دوسروں کو ایذا پہنچانے کے بدلے موت یا قید کی سزا نہیں دے دیتا۔

226 تمام قوانین، تمام مذاہب اور تمام فلسفے عام انسانوں یعنی درمیانہ درجہ کی قسم کے افراد کو اس بات کی تاکید و تلقین کرتے ہیں کہ وہ موزوں و مناسب رویہ اور طور طریقہ کا مظاہرہ کریں اور حتیٰ کہ غرباء، قلاش اور محروم افراد کے لئے رضا کارانہ قربانی دیں اور ان لوگوں کی مدد کریں جو اگرچہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہیں مگر اس میں ان کی کسی غلطی کا عمل دخل نہیں۔

اسلام کے امتیازی اوصاف

227 اسلام تمام شعبہ ہائے حیات کے لئے ضابطہ اور سلیقہ و طریقہ کا حامل ہے۔ اسلام نہ صرف اعتقادات بیان کرتا ہے بلکہ سماجی و معاشرتی رویے کے قوانین بھی فراہم کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلام اپنے ضابطوں کے استعمال اور ان کی عمدہ مثال سے بھی منور و مزین ہے۔ ہم اس امر سے بخوبی آگاہ و آشنا ہیں کہ اسلام انسانی زندگی کو محض اس دنیا میں ہی اختتام تک محدود نہیں سمجھتا۔ اسلام یہ نہیں مانتا کہ جسم اور روح کا آپس میں کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام آخرت کی زندگی کے عقیدہ کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کے اعلان کے مطابق اسلام کا نصب العین اور نشانِ امتیاز "یہ دنیا بھی بہترین اور وہ دنیا بھی بہترین" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف نیکی کی توصیف اور برائی کی مذمت کرتا ہے بلکہ مادی و روحانی جزا و سزا ملنے کا اعلان بھی کرتا ہے۔ جہاں تک اس کے اوامر و نواہی کا تعلق ہے اسلام روح، خوفِ خدا، دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد آخری روزِ حساب اور دوزخ کی آگ کی سزا کے اعتقاد و یقین پر زور دیتا ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں اسلام مادی دنیا میں ہر ممکن احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے تاکہ انسان کو ناانصافی اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے روکا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن و مسلمان کسی دباؤ یا پریشر کے بغیر نمازیں پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے۔ وہ پھر بھی ٹیکس اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے جب حکومتِ وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس پر کوئی قوت و طاقت استعمال کر سکے۔

اخلاقیات کی بنیادیں

228 بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نیت، ارادہ یا حالات کے باعث ایسے واقعات یا افعال واعمال سرزد ہو جاتے ہیں کہ جو بظاہر ایک دوسرے سے مشابہت ومماثلت رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی رہزن وقزاق کے ہاتھوں کسی کا قتل، شکاری کا شکار کرتے ہوئے غلط نشانے کی وجہ سے قتل، کسی پاگل یا بچے کا اپنے دفاع میں کیا گیا قتل، کسی سردار کا ٹربیونل کی جانب سے دی گئی سزا پر عمل درآمد کرتے ہوئے قتل، کسی فوجی کا سخت گیر حملہ کے خلاف اپنے ملک کا دفاع کرتے ہوئے قتل وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں قتل کرنے کی بعض اوقات کم یا زیادہ سزا دی جاتی ہے۔ بعض اوقات معاف کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے عمومی فریضہ سمجھتے ہوئے نہ ہی تعریف کی جاتی ہے اور نہ ہی مذمت کی جاتی ہے جبکہ بعض اوقات بہت زیادہ تعریف وتوصیف اور عزت ووقعت سے نوازا جاتا ہے۔ دراصل ساری انسانی زندگی اعمال وافعال سے عبارت ہے۔ ان افعال واعمال کا اچھا یا بُرا ہونا نیت وارادہ یا حالات وواقعات پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وبیشتر فرمایا کرتے تھے کہ ''اعمال کا محض نیت وارادہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔''

229 اسلام کی بنیاد ان احکاماتِ الٰہی پر قائم ہے کہ جنہیں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (سابقہ ادوار میں سابقہ پیغمبروں) کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا گیا۔ اس کے قوانین اور اخلاقیات اور حتیٰ کہ ایمان واعتقاد کی اساس احکاماتِ خداوندی ہیں۔ یہ کافی حد تک ممکن ہے کہ اکثر معاملات پر افراد اپنے استدلال اور توجیہ کی بنیاد پر متفقہ فیصلے پر پہنچ جائیں مگر اسلام میں یہ روحانی الہیاتی قوت ہی ہے جسے فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار وامتیاز حاصل ہے۔ اس میں کسی فلسفی، فقیہ یا معلّمِ اخلاق کے دلائل وتوجیہات کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ مختلف افراد کے دلائل وتوجیہات مختلف ہو سکتی ہیں جن کی بناء پر مکمل طور پر متضاد نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات کسی ضبط کا مقصد اگرچہ کسی فرض اور عمل وروایت کے زیرِ اثر ہوتا ہے مگر بظاہر فالتو اور زائد از ضرورت معلوم ہوتا ہے۔

230 انسانی اعمال وافعال کو اوامر ونواہی کے حوالے سے اچھے اور برے میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ اعمال جن سے منع کیا گیا ہے (نواہی) اُن کی دو بڑی اقسام ہیں: 1 وہ اعمال وافعال جن پر روزِ آخرت کی سزا کے ساتھ ساتھ دنیاوی سزا بھی مقرر ہے۔ 2 وہ اعمال وافعال جن کی سزا صرف روزِ آخرت ہی ملے گی۔ ان پر دنیوی ودنیاوی حدود کا اطلاق نہیں ہوتا۔

231 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث (بحوالہ ''شفا''، قاضی عیاض) ہمیں اسلامی نظریۂ حیات بارے آگاہ وآشنا کرتی ہے۔ ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک روز معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کے عمومی رویے کے حوالے سے اصول وضوابط بارے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم میرا سرمایہ ہے۔ استدلال میرے دین کی اساس ہے۔ محبت وشفقت میری تاسیس ہے۔ تمنا وآرزو میری سواری ہے۔ اللہ کا ذکر میرا ساتھی ہے۔ اعتماد میرا خزانہ ہے۔ شوق واشتیاق میرا رفیق ہے۔ سائنس میرا اسلحہ ہے۔ صبر وقناعت میرا مالِ غنیمت ہے۔ عاجزی وانکساری میرا فخر ہے۔ لطف

وانبساط سے دستبرداری میرا پیشہ ہے۔ یقین و تیقن میری غذا ہے۔ سچ میرا سفارش کنندہ ہے۔ اطاعت میری کفایت ہے۔ جدوجہد میری عادت ہے اور نماز میرے لئے راحتِ قلب ہے۔"

232 ایک اور موقع پر داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا خوف ہی سب سے بڑی دانائی ہے۔" اسلامی اخلاقیات کا آغاز اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہمہ قسم کی دوسری عبادت و پرستش سے دستبرداری ولاتعلقی سے ہوتا ہے چاہے وہ اپنی ذات کی پرستش ہو (خودغرضی وخود پسندی) یا اپنی دستکاریوں کی پرستش ہو (بت، توہمات وغیرہ) اور مزید یہ کہ ان تمام باتوں سے دستبرداری ولاتعلقی کہ جو انسانیت کی تذلیل کا باعث ہوں (کفر والحاد، ناانصافی وغیرہ)۔

233 اسلام نے نسل، رنگ، زبان، جائے پیدائش پر مبنی غیر منصفانہ ناہمواریوں کا خاتمہ وانسداد کرتے ہوئے محض اخلاقیات کو فرد کی عظمت وفضیلت کی بنیاد بننے کا اعلان کیا ہے۔ اخلاقیات ایک ایسی چیز ہے جو بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد کے لئے عام دعوتِ عمل ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ رب العزت ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

(سورۃ الحجرات، آیت: 13)

ترجمہ "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبائل بنائے ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔"

234 قرآن مجید، فرقان حمید نے مسلم قومیت کو بارہ احکامات دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ

خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل، آیات: 23 تا 39)

ترجمہ ”❶ اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ❷ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو اور کہو کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے اسی طرح تُو بھی ان پر رحم فرما۔ جو تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ ❸ اور رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے دو اور مال کو بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے اور اگر تجھے اپنے رب کے فضل کے انتظار میں کہ جس کی تجھے امید ہے منہ پھیرنا پڑے تو اُن سے نرم بات کہہ دے۔ ❹ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اُسے کھول دے...... بالکل ہی کھول دینا۔ پھر تو پشیمان تہی دست ہو کر بیٹھ رہے گا۔ بے شک تیرا رب جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ ❺ اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ ❻ اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بُری راہ ہے۔

7 اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اُسے ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے واسطے اختیار دے دیا ہے لہٰذا قصاص میں زیادتی نہ کرے۔ بے شک اس کی مدد کی گئی ہے۔ 8 اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر جس طریقہ سے کہ بہتر ہو جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔ 9 اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی باز پُرس ہوگی۔ 10 اور ناپ تول کرو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ 11 اور جس بات کی تجھے خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پُرس ہوگی۔ 12 اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل۔ بے شک تو نہ زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچے گا۔ ان میں سے ہر ایک بات تیرے رب کے ہاں ناپسند ہے۔ یہ اُس حکمت میں سے ہے جسے تیرے رب نے تیری طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ بنا ورنہ تُو ملزم مردود بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے احکامات کے مقابلہ میں یہ احکامات زیادہ جامع ہیں جو داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ معراج دیے گئے۔

235 تمام قرآنی نصائح کو یہاں بیان کرنا بہت طوالت آمیز ہوگا۔ تاہم یہاں چند کا حوالہ دے سکتے ہیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

(سورۃ النساء، آیات: 36 تا 38)

ترجمہ "اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی نیکی کرو۔ بے شک اللہ اترانے والے، بڑائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں

اور اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا شیطان ساتھی ہوا تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔''

﴿236﴾ ایک اور جگہ قرآن مسلمان معاشرے کی خصوصیات بیان کرتا ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝

(سورۃ الحجرات، آیات: 10 تا 12)

ترجمہ ''بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ فسق کے نام لینے، ایمان لانے کے بعد بہت بُرے ہیں اور جو باز نہ آئیں سو وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ سو تم اس کو تو ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

غلطی اور کفّارہ

﴿237﴾ کوئی فرد اوپر بیان کی گئی آیات کی نصیحتوں، مشوروں اور احکامات پر کسی صورت اعتراض نہیں کر سکتا بلکہ انسان کی اپنی کمزوریاں اور نقائص ہیں۔ وہ بیک وقت نیکی اور بدی کے عناصر سے تعمیر و تشکیل کیا گیا

ہے۔ اپنے پیدائشی، خلقی وجبلی نقائص کے باعث وہ ناراض ہوتا ہے۔ وہ لالچ اور خواہشات کا غلام ہے۔ وہ کمزوروں کو نقصان پہنچاتا ہے مگر اُن کا دفاع کرنے یا بدلہ لینے کے کوئی طریقے یا ذرائع نہیں رکھتا۔ اسی طرح اس کے شریفانہ احساسات اُسے بعدازاں پچھتاوے پر مجبور کرتے ہیں اور اسی پچھتاوے کی وجہ سے ہی وہ اپنی کی گئی زیدتی کا کم یا زیادہ ازالہ کرنے کی کوشش وکاوش کرتا ہے۔

238 اسلام غلطیوں (گناہوں) کو دو بڑی اقسام میں منقسم کرتا ہے 1 وہ غلطیاں (گناہ) جو حقوق اللہ کے خلاف کی جاتی ہیں (بداعتقادی، پرستش سے غفلت وغیرہ) 2 وہ غلطیاں (گناہ) جو حقوق العباد کے خلاف کی جاتی ہیں۔ رب قادر وقدیر حقوق العباد کے خلاف کیے گئے اقدامات اور زیادتیوں کو معاف نہیں کرتا۔ یہ متاثرہ ومظلوم شخص ہی ہے جو معاف کرسکتا ہے۔ اگر کوئی فرد کسی دوسری مخلوق کے ساتھ زیادتی وظلم کرتا ہے (چاہے انسان ہو، حیوان ہو یا کوئی اور) تو وہ درحقیقت ودراصل دُگنا جرم کرتا ہے۔ 3 مظلوم ومتاثرہ کے خلاف کیا گیا جرم 4 رب تعالیٰ کے خلاف کیا گیا جرم کیونکہ اس طرح وہ احکاماتِ الٰہی کی خلاف ورزی کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ پس اگر کسی خدائی مخلوق کے ساتھ ناانصافی یا ظلم وزیادتی کی جائے تو مجرم کو نہ صرف متاثرہ ومظلوم مخلوق سے چھینے گئے حقوق واپس کرنا پڑتے ہیں اور اس کے نقصان کی تلافی کرنا پڑتی ہے بلکہ اس کو رب رحمٰن ورحیم سے معافی بھی مانگنا پڑتی ہے (یعنی تلافی + معافی)۔ اپنی ایک مشہور ومعروف حدیث میں نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا کہ روزِ آخرت ایک شخص کو دوزخ میں پھینکا جائے گا کیونکہ اُس نے ایک بلی کو رسے سے باندھا تھا۔ اُسے نہ تو خود کھانے پینے کو دیا تھا اور نہ ہی اُسے آزاد کیا تھا تا کہ وہ اپنی خوراک تلاش کرسکے اور یوں کمزور بلی کو اُس نے اپنی حماقت سے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ ایک اور حدیث پاک میں نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افراد کو رب تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزا کی وعید سنائی کہ جو جانوروں کے حقوق پورے نہیں کرتے یا تو انہیں پیٹ بھر خوراک فراہم نہیں کرتے یا اُن پر اُن کی طاقت واستطاعت سے زیدہ بوجھ لاد دیتے ہیں وغیرہ۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو درختوں کو بغیر ضرورت کاٹنے تک سے منع فرمایا ہے۔ انسان کو خدا کی مخلوق سے فائدہ اُٹھانا چاہیے مگر یہ فائدہ مساوی ومتوازن اور مناسب وموزوں مقدار میں ہونا چاہیے اور عیاشی وضیاع سے اجتناب کرنا چاہیے۔

239 جب کوئی فرد کسی دوسرے کا نقصان کرتا ہے یا ناانصافی وزیادتی کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس کا ازالہ وتلافی کرے تو وہ اس مقصد کے لئے کئی طریقے اختیار کرسکتا ہے۔ بعض اوقات وہ محض معذرت کرتا ہے اور تمام معاملات درست ہوجاتے ہیں جبکہ بعض اوقات اس کے لئے وہ حقوق واپس کرنا ضروری ہوتا ہے جو اُس نے غصب کیے تھے یا اُن کا متبادل ادا کرنا ہوتا ہے اگر چھینے گئے حقوق اپنی حالت میں نہ لوٹائے جاسکتے ہوں۔

240 رحم دلی وبردباری کا اظہار کرنا اور دوسروں کو معاف کرنا ایک اچھی خصوصیت ہے اور اس پر اسلام نے اکثر زور دیا ہے اور اصرار کیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ رب رحمٰن ورحیم ہے کہ:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

(سورۃ آل عمران، آیات: 133، 134)

ترجمہ ''اور اپنے رب کی بخشش کی جانب دوڑو اور بہشت کی طرف کہ جس کا عرض آسمان اور زمین ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

241 اگرچہ معافی کی سفارش وہدایت کی گئی ہے تاہم بدلہ (قصاص) کی بھی عام آدمی کو اجازت دی گئی ہے۔ اس حوالے سے قرآن کہتا ہے کہ:

وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

(سورۃ الشوریٰ، آیت: 40)

ترجمہ ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

242 ربِ رؤف ورحیم کی ذات پاک مہربان ترین انسان سے بے مثل و بے مثال حد تک معاف کرنے والی اور بے پناہ رحم کرنے والی ہے۔ رب وحدہٗ لاشریک کے اسماء الحسنٰی میں رحمٰن (بہت زیادہ رحم کرنے والا)، توّاب (توبہ قبول کرنے والا)، عفو (برائیاں مٹانے والا)، غفّار (معاف کرنے والا) وغیرہ شامل ہیں۔ وہ لوگ جو حقوق اللہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور پھر اس پر پچھتاتے ہوئے توبہ کرتے ہیں تو وہ رب تعالیٰ کو ازحد شفیق و مشفق پاتے ہیں۔ قرآن پاک کی دو آیات رب تعالیٰ کی فیاضی اور عفو وکرم کا واضح اظہار کرتی ہیں۔

1. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

(سورۃ النساء، آیت: 116)

ترجمہ ''بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اُس کا شریک بنائے اور اِس کے سوا (اللہ) جسے چاہے بخش دے۔''

2. قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

(سورۃ الزمر، آیت: 53)

ترجمہ "کہہ دو اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (وہ) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا رحم والا ہے۔"

243 اگر کوئی فرد رب قادر و قدیر پر عدم یقین کو ترک کر کے رب وحدہٗ لاشریک سے معافی کا خواستگار اور توبہ کا طلبگار ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ رب رحمٰن و رحیم سے بخشش و مغفرت کی امید رکھ سکتا ہے۔ انسان کمزور ہے اور اکثر و بیشتر اپنے عہد و پیمان توڑ دیتا ہے لیکن صحیح معنوں میں پشیمانی و توبہ رب غفار و غفور کی رحمت و مغفرت بحال کر دیتی ہے۔ رب رحیم و کریم سے معافی و توبہ طلب کرنے کے لئے کسی تکلف و ضابطے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی اور شخص کے ذریعے رابطے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آدمی کو بلاواسطہ اپنے رب سے رجوع کرنا چاہیے اور اپنی معذرت و معافی مانگنی چاہیے کیونکہ وہ علیم و خبیر ہے اور کوئی بھی بات اس سے پوشیدہ و مخفی نہیں رکھی جا سکتی۔ ایک موقع پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جتنا کوئی ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے رب رحمٰن و رحیم اپنی مخلوق سے اس سے 70 گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔" ایک اور موقع پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر کوئی فرد اپنے رب کی جانب ایک قدم بڑھاتا ہے تو رب رحمٰن و رحیم اپنے اس بندے کی جانب اُس جیسے دو قدم بڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رحم و کرم کو 100 حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں سے 99 حصے اُس ذات پاک نے اپنے پاس رکھے ہیں اور ایک حصہ زمین پر رہنے والی تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے۔ مخلوق کی آپس میں باہمی الفت و رحمدلی بھی اُسی حصہ کا جزو ہے۔" بے شک قرآن اعلان کرتا ہے کہ:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾

(سورۃ ھود، آیت: 114)

ترجمہ "اور دن کے دونوں طرف اور کچھ حصہ رات کا نماز قائم کر۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ خیرات و صدقات کی ہدایت کی جاتی ہے تاہم کسی گناہ کے لئے ان سے رب تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کو خود بخود خریدا نہیں جا سکتا۔ ہر گناہ اپنا آزاد وجود رکھتا ہے اور رب تعالیٰ کی ذات اپنے کاموں میں قادرِ مطلق ہے۔

امتناعی احکامات

244 قرآن مجید، فرقان حمید نیکی اور برائی کے لئے اکثر و بیشتر دو مخصوص اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ نیکی کے لیے "معروف" جبکہ برائی کے لئے "منکر" جانے پہچانے الفاظ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قرآن حکیم

انسانی اُفتادِ طبع اور عقلِ سلیم پر اعتماد و اعتبار کرتا ہے۔ معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور و معروف حدیث کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ ”برائی کے حق میں کبھی بھی اتفاق نہیں ہوگا چاہے کچھ لوگ اسے اپنے لئے جائز ہی کیوں نہ قرار دے دیں۔“ قرآن مجید مومنین کو ”بہترین اُمت“ ٹھہراتا ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

(سورۃ آل عمران، آیت: 110 پہلا حصہ)

ترجمہ ”تم سب اُمتوں میں سے بہتر اُمت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں۔ اچھے کاموں (معروف) کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں (منکر) سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔“

ایک اور جگہ پر اس سے زیادہ شدت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ:

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

(سورۃ العصر، آیات: 1 تا 3)

ترجمہ ”قسم ہے زمانے کی۔ بے شک انسان نقصان میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیت کرتے رہے۔“

245 مخصوص برائیوں کے خلاف امتناعی احکامات صادر کیے گئے ہیں۔ کچھ برائیاں ایسی ہیں جن کے لئے حدود اور واضح طور پر علی الاعلان سزائیں مقرر کی گئیں ہیں جبکہ کچھ برائیاں ایسی ہیں جن کے لئے محض آخرت میں سزا کے لئے خبردار کیا گیا ہے اور ایسی برائیوں کے حوالے سے (ماسوائے غیر معمولی اہمیت و شدت کے واقعات کے) اربابِ اختیار کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرتے۔

246 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور و معروف خطبہ میں حقوق العباد کے حوالے سے انسانی جان، جائیداد اور عزت ..... تینوں چیزوں کے تقدس کا اعلان فرمایا تھا۔ اسی فرمانِ ذی شان کے تناظر میں اسلامی تعزیرات میں جرائم کی تین بنیادی اقسام ہیں ❶ قتل، انسانی جسم کے کسی حصے کا نقصان اور ایذا، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ جوڑوں کا زنا بالارادہ (یہ جرائم انسانی جان کی حرمت و تقدس کے خلاف ہیں) ❷ چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی، قزاقی (یہ جرائم انسانی جائیداد کی حرمت و تقدس کے خلاف ہیں) ❸ کسی کی پاکدامنی اور عفت و عصمت کے خلاف تہمت و بہتان اور افترا و اتہام، الکحلی مشروبات کا

استعمال (یہ جرائم انسان کی عزت کی پامالی کے زمرے میں آتے ہیں) ان تمام جرائم کے لئے سزائیں مقرر ہیں۔

﴿247﴾ جہاں تک انسانی جان کے نقصان وضیاع کا تعلق ہے تو اس کی سزا اصولی طور پر قصاص ہے یعنی جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت وغیرہ لیکن سب سے پہلا اور بنیادی و بڑا اصول نیت وارادہ کا ہے۔ کیا کسی نے کسی کی جان بالارادہ لی ہے یا محض حادثاتی طور پر ایسا ہوا ہے؟ مزید یہ کہ یہ متاثرہ شخص یا اُس کے ورثاء پر منحصر ہے کہ وہ جانی نقصان کی مالی تلافی پر راضی ہوتے ہیں یا مطلقاً معافی ہی دے دیتے ہیں۔ اگر عدالت ثبوت کی بنیاد پر اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ جرم بالارادہ اور بالقصد تھا تو پھر صاحبانِ اقتدار و اختیار کو معافی دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اب معاملہ متاثرہ فریق کے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے۔

﴿248﴾ غیر شادی شدہ یا شادی شدہ جوڑوں کے زنا بالقصد کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ مرد اور عورت کی مرضی ومنشاء کی بنیاد پر معاملہ کی شدت وحدت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں انصاف پسندی اور خود احتسابی جیسی اعلیٰ وارفع خصوصیات پیدا کرنے میں اس درجہ کامیاب وکامران ہوئے تھے کہ وہ اس دنیا کی سخت ترین سزا کو آخرت کی سزا پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رضا کارانہ طور پر پیش کرتے تھے۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے تھے اور اپنے آپ کو قانونی سزاؤں کے لئے بخوشی پیش کردیتے تھے۔ اگر فریقین آپس میں رضامند ہوں اور اپنے گناہ کا اقرار نہ کریں تو غیر قانونی شہوانی تعلقات کو ثابت کرنا ازحد مشکل امر ہوجاتا ہے۔ تحریص وترغیب اور لالچ وطمع کے خاتمہ کے لئے اسلام نے دوسری احتیاطی تدابیر بھی اختیار کی ہیں۔ مثلاً آزادانہ جنسی تعلقات، نوجوان مردوں اور عورتوں کی آسانی سے اور بغیر نگرانی کے ملاقاتیں (اگر وہ قریب ترین رشتہ دار نہ ہوں)، عورتوں کا بغیر نقاب کے باہر سڑکوں، گلیوں میں نکلنا اور اجنبی افراد سے ملنا وہ افعال واعمال ہیں کہ اسلام نے جنہیں سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ مسلمان عورت کو بغیر نقاب نکلنے سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ وہ عاشق مزاج اجنبیوں کی غلط نگاہوں سے بچ سکے۔ مسلمان عورت پر لازم ہے کہ اپنی خوبصورتی اور اپنی جاذبیت ودلکشی اور رعنائی وزیبائی کو صرف اپنے شوہر کے لئے مختص رکھے۔ عورت کے لئے نقاب کے اور بھی فوائد ہیں۔ مثلاً وہ عورتیں جو اپنے گھروں سے باہر کام کرتی ہیں اور وہ عورتیں جو گھروں کے اندر رہتی ہیں ان دونوں کے بیرونی خدوخال میں واضح اور نمایاں فرق ہوتا ہے جس طرح کسی پرندے کے بیرونی اور اندرونی پروں میں فرق ہوتا ہے۔ درحقیقت نقاب عورت کے جسم کی دلکشی اور تازگی زیادہ عرصہ تک قائم وبرقرار رکھتا ہے۔ یہ واضح اور صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ کسی کے چہرے اور ہاتھوں کی جلد اور اس کے جسم کے ان حصوں کی جلد میں کیا فرق ہوتا ہے جو لباس سے ڈھانپے گئے ہوتے ہیں۔ نقاب یکسر گوشہ گزینی کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ یہ اجنبی افراد کو عورت کی جانب متوجہ ہونے سے روکتا ہے۔ یہ ایک سادہ لوح عورت کی ضعیف

الاعتقادی کا ناجائز استعمال ہے کہ اُسے یہ یقین دلایا جائے کہ چہرے کو نقاب سے ڈھانپنے سے تپ دق جیسی بیماری جنم لیتی ہے مگر جدید تحقیق کے مطابق بیماری تو سیاہ فام افریقہ کے ساتھ ساتھ فن لینڈ سے اٹلی تک کے اعلیٰ ترقی یافتہ ممالک میں بھی پوری شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ جہاں عورتیں کسی قسم کا نقاب کبھی بھی استعمال نہیں کرتیں۔ برسبیل تذکرہ اس بات کا حوالہ ضروری ہے کہ قرآنی احکامات میں نقاب نہ اوڑھنے کی کوئی قانونی سزا بیان نہیں کی گئی ہے۔

249 ہمیں چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی اور قزاقی کے ساتھ ساتھ جائیداد کے تقدس کے خلاف دوسرے جرائم کے حوالے سے احکاماتِ امتناع کے مختلف پہلوؤں کی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

250 یہ اسلام کی خاص خصوصیت ہے کہ اس نے عورتوں کی پاکدامنی اور عفت وعصمت کے خلاف کیچڑ اُچھالنے پر سزا لاگو کی ہے۔ جب کوئی فرد کسی کو اپنے دوستوں کی محفل میں اپنی ہمسائی یا کسی اور عورت بارے محض قیاس آرائیوں کی بنیاد پر بڑی آسانی کے ساتھ اپنی زبان کو آزاد اور بے لگام کرتے دیکھتا ہے تو وہ اس بات کا اقرار اور تصدیق کرتا ہے کہ اسلامی پابندی اور حکم امتناعی معاشرے کے مفادات کے لئے کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اس فرد کو عدالت میں ٹھوس ثبوت پیش کرنا چاہئیں ورنہ کسی عورت کی پاکدامنی اور عزت وعفت بارے قیاس آرائیوں پر اسے سخت دفعات کے تحت سزا دی جائے گی۔

251 الکحلی مشروبات کے استعمال پر پابندی اور حکم امتناع دینِ اسلام کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک قابلِ تعریف خصوصیت ہے۔ قرآن پاک نے اسے بتدریج لاگو کیا ہے۔ پہلے کہا گیا ہے کہ:

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

(سورۃ البقرہ، آیت:219 پہلا حصہ)

ترجمہ "آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔"

پھر فرمایا گیا کہ:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ

(سورۃ النساء، آیت:43 ابتدائی حصہ)

ترجمہ "اے ایمان والو! جس وقت کہ تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھ سکو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

اور بالآخر رب قادر وقدیر نے یہ فرمان جاری کیا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝

(سورۃ المائدہ، آیات: 90، 91)

ترجمہ ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بُت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے۔ پس اب بھی باز آ جاؤ۔''

یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ان آیات میں قرآن پاک نے بت پرستی اور الکحلی مشروبات کے استعمال کو ایک ہی درجہ دیا ہے۔ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس حکم امتناع کی خلاف ورزی پر 40 کوڑوں کی سزا کا حکم دیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سزا کو دوگنا کر دیا۔ اس حوالے سے آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل دی کہ شراب نوش نخش اور ناشائستہ باتونی پن کا شکار ہو کر کسی عورت کی پاکدامنی اور عفت وعصمت پر ایسی بہتان تراشی کرنے لگتا ہے کہ جس کی سزا قرآن پاک نے 80 درّے مقرر فرمائی ہے یوں الکحلی مشروبات استعمال کرنے والے کو بھی 80 درّے کی سزا دینی چاہیے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(سورۃ النور، آیت: 4)

ترجمہ ''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں 80 درّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔''

اگر صحت اور اخلاقیات کے لئے از حد مضر الکحلی مشروبات کو ترک کر دیا جائے تو کس قدر بھاری نقصان سے بچا جا سکتا ہے! اور کتنے گھروں میں سکون واپس آ سکتا ہے!!

﴿252﴾ وہ اعمال وافعال جن پر واضح سزا تجویز نہیں کی گئی اور جنہیں جج کی مرضی ومنشاء پر چھوڑ دیا گیا ہے ان میں لاٹری، سٹہ بازی وغیرہ شامل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ان کے کیا نقصانات ہیں؟ کئی گھرانے آسانی سے بہت زیادہ مال بنانے کی امید پر برباد ہو چکے ہیں۔ قومی سطح پر لاٹریاں ملکی دولت کی مساوی تقسیم کو درہم برہم کر دیتی ہیں اور تمام معاشی برائیوں کا منبع وماخذ ثابت ہوتی ہیں یہ سیاست پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔

﴿253﴾ معاشرے کو پاکیزہ ومنزہ کرنے اور حکومتی انتظامی ڈھانچے کو بدعنوانی سے پاک کرنے کے شوق و

اشتیاق میں داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت وسزا کی سخت اصطلاحات ودفعات لاگو فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخ میں جائیں گے۔'' ایک دن محاصل جمع کرنے والے ملازم نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حساب کتاب پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ عوامی محصولات ہیں اور یہ وہ تحائف ہیں جو لوگوں نے مجھے پیش کیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسم جلال میں آگئے اور مسجد کے منبر پر تشریف لے جا کر اعلان کیا کہ ''ان محصولات جمع کرنے والوں کو ان کی ماؤں کے گھروں میں رہنے دو اور دیکھو کہ کیا پھر بھی تحائف ان تک پہنچتے ہیں!'' اپنے شوہر کو بتائے بغیر ایک روز امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کی اہلیہ محترمہ نے بازنطینیہ جانے والے سرکاری قافلے کے ذریعے وہاں کے شہنشاہ کی بیوی کو ایک تحفہ روانہ کیا تو جواباً ملکہ نے ایک قیمتی ہار (گلوبند) بھجوایا۔ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہ ہار بحق سرکار ضبط کر لیا اور اپنی زوجہ کو اس تحفہ کی مالیت ادا کر دی جو آپ ﷺ کی زوجہ نے ملکہ کو بھجوایا تھا۔ (بحوالہ طبری)

﴿254﴾ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوامی اخلاقیات کی اصلاح کی خاطر ایک روز فرمایا: ''وقت کی بے حرمتی نہ کرو۔ یہ رب ذوالجلال کی (نعوذ باللہ) بے حرمتی ہے کیونکہ دن رات کا ایک دوسرے کے بعد آنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔'' یہ وہ تنبیہ وفہمائش ہے جو لمحۂ موجود کے انسانوں اور ہمارے ہم عصروں کو ذہن نشین رکھنی چاہیے۔ روزانہ کئی بار موسم کو کوسنے اور برا بھلا کہنے سے ہمیں آخر کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے! کیا اس طرح ہم اپنی حماقت کا ثبوت نہیں دیتے؟

﴿255﴾ اسلام: ممکن بات کے لئے جبر وزبردستی کا قائل نہیں ہے۔ اسلام موجود وسائل کے اندر رہتے ہوئے افراد اور گروہوں کی ہر شعبۂ حیات میں اخلاقیات کی مستقل بہتری کا خواہش مند ہے تاہم ذمہ داری ہمیشہ ذاتی ہی رہے گی۔ چنانچہ قرآن برملا کہتا ہے کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

(سورۃ البقرہ، آیت: 286 ابتدائی حصہ)

ترجمہ ''اللہ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ نیکی کا فائدہ بھی اُسی کو ہوگا اور برائی کی زد بھی اُسی پر پڑے گی۔''

ایک شریف و پاکیزہ روح یہ عذر و بہانہ بنا کر برائی نہیں کرتی کہ دوسرے اسی طرح کر رہے ہیں۔ دوسروں کی برائیوں کو نقل کرنے کی بجائے دوسرے کے لئے نیکی، اچھائی اور کردار کی بلندی کی مثال قائم کرنا چاہیے۔

﴿256﴾ اسی قسم کی بات عمومی طور پر سماجی ومعاشرتی کردار کے حوالے سے بھی کرنی چاہیے۔ اچھی ہمسائیگی کے حقوق کے ضمن میں معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جبرئیل علیہ السلام نے ہمسائے کے حقوق بارے اس قدر شدت اور اس قدر تواتر کے ساتھ زور دیا کہ مجھے خوف پیدا ہوا کہ کہیں وہ ہمسایوں کے لئے

وراثت کے ویسے ہی حقوق کا نہ کہہ دیں جو مرحوم کے قریبی رشتہ داروں کو حاصل ہوتے ہیں۔" روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا اور معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس یہودی کے ساتھ بہتر سلوک ورویہ سے مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل پیش کیا کہ غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ بھی کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ روزانہ کی دوسری نوازشات کے ساتھ ساتھ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی ہمسائے کے گھر جایا کرتے تھے اور اس سے اس کی خیر وعافیت اور ضرورت وحاجت بارے دریافت فرماتے تھے۔ جہاں تک دوسروں کے ساتھ روزانہ کے تعلقات کا تعلق ہے تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے بالکل وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔" ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے بہترین وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔" قرآن پاک مدینہ منورہ کے اوّلین مسلمانوں کی ٹھوس مثال دیتا ہے کہ جنھوں نے مکی مہاجرین کے ساتھ رشتۂ مؤاخات استوار کر کے عملی اسلام کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ قرآن کے الفاظ میں:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۣ

(سورۃ الحشر، آیت: 9 پہلا حصہ)

ترجمہ "اور وہ (مال) ان کے لئے بھی ہے کہ جنھوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے۔ جو اُن کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو"

257 آخر میں قرآن الحکیم کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ ارشادِ ربّ العزت ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 135)

ترجمہ "اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کی طرف کی گواہی دو اگرچہ اپنی جانوں پر ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں پر۔ اگر کوئی مال دار ہے یا فقیر ہے تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔"

❁......❁

کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ ایک ہی رشتہ میں منسلک تھے۔ عرب میں ذرائع معاش و معیشت ناکافی تھے کیونکہ صحرا کی اپنی کمزوریاں و مجبوریاں تھیں جبکہ تجارتی قافلوں کو زراعت یا صنعت کے برعکس زیادہ اہمیت وافضلیت حاصل تھی اور جب یہ صورتِ حال از حد گھمبیر ہوئی تو لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب سے شام، مصر، حبشہ، عراق، سندھ، انڈیا اور دوسرے علاقوں کا رُخ کرنا پڑا۔

6 یمن کو بجا طور پر عرب میں بنیادی اہمیت وحیثیت حاصل تھی ایک وقت ایسا تھا کہ یمن کو شیبا اور مدائن کی پنپتی تہذیبوں کا مرکز ومحور سمجھا جاتا تھا۔ تب روم کے شہر کی بنیاد تک بھی نہیں رکھی گئی تھی۔ بازنطینیوں اور فارسیوں کی طرف سے مختلف صوبے چھینے جانے کے بعد عظیم یمن جو اپنے وجود کی بہاروں سے گزر رہا تھا اور عروج پر تھا ان گنت ریاستوں کی صورت بکھر گیا۔ یہاں تک کہ غیر ملکی حملہ آوروں نے اس کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا ایران کے ساسانی جو یمن میں سرایت کر چکے تھے پہلے ہی مشرقی عرب پر قبضہ کر چکے تھے۔ دارالخلافہ قطیسفون میں سیاسی بدانتظامی اور معاشی ابتری تھی۔ جس کا عکس یمن کے تمام علاقوں میں نظر آتا تھا۔ شمالی عرب بازنطینیوں کے زیر اثر آ چکا تھا اور اپنی مخصوص مشکلات ومسائل کے گرداب میں تھا۔ صرف مرکزی عرب ہی غیر ملکی قبضوں کی اخلاقی پستی کے بداثرات سے محفوظ و مامون رہا تھا۔

7 مرکزی عرب کے اس محدود علاقے میں مکہ، طائف اور مدینہ ایسی تکون تھی جہاں رب رحمٰن ورحیم کا فضل وکرم نظر آتا تھا۔ مکہ ایک صحرائی علاقہ تھا جو پانی اور زراعت کی زمینی آسائشوں سے محروم ایک طرح سے افریقہ اور جلتے صحاراؤں کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہاں سے بمشکل پچاس میل کے فاصلے پر طائف، یورپ اور اس کی سردی وبخ بستگی کی تصویر پیش کرتا تھا۔ شمال میں مدینہ، شام جیسے معتدل ایشیائی ممالک سے کم زرخیز نہیں تھا۔ اگر موسم انسانی کردار پر اثر انداز ہوتا تو یہ مثلث جو عظیم نصف کرّہ کے درمیان میں ایستادہ تھی دنیا کے کسی اور علاقے کی نسبت زیادہ مؤثر و مؤقر ہوتی اور یہاں بابلی وکلدانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل نے جنم لیا، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔ یوں مکی لوگ علاقائی اور نسلی اعتبار سے مدینہ اور طائف دونوں شہروں سے مکمل طور پر جُڑے ہوئے تھے۔

مذہب:

8 مذہب کے اعتبار سے عرب بت پرستی کا شکار تھا۔ صرف چند افراد نے عیسائیت، پارسیت اور ان جیسے دوسرے مذاہب اپنائے ہوئے تھے۔ مکی لوگ اگرچہ ایک خدا کے نظریے پر کاربند تھے۔ تاہم وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ بتوں کے پاس اتنی طاقت وصلاحیت ہے کہ وہ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں۔ قابلِ تشویش اور حیران کن امر یہ تھا کہ وہ دوبارہ زندہ کیے جانے اور روزِ آخرت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ البتہ ان کے ہاں ایک خدا کے گھر کا حج کرنے کی رسم محفوظ تھی۔ وہی کعبہ جو ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب قادر وقدیر کی مرضی ومنشاء سے تعمیر کیا تھا تاہم ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو ہزار سال کی دوری نے اس

وفوقیت اور اثر و رسوخ حاصل کرتے جاتے ہیں جس سے باہمی رشتے وناتے کا بندھن بتدریج کمزور پڑتا جاتا ہے۔ جہاں تک فاصلے کا تعلق ہے یہ نہ صرف رشتوں ناتوں کی تمازت وحرارت کو سرد کر دیتا ہے بلکہ (جیسا کہ تاریخ ظاہر کرتی ہے) ایسی بندشیں اور رکاوٹیں جنم دیتا ہے کہ جنہیں توڑنا ناممکن ہوتا ہے۔ فاصلے کے باعث ایک فرد نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ زبان بولنا بند کر دیتا ہے بلکہ اس کے مفادات اور اقدار بھی یکسر مختلف ہو جاتی ہیں۔

﴿261﴾ ساتویں صدی عیسوی میں طلوع اسلام کے اوقات ولحات میں نسل، زبان، جائے پیدائش اور اس طرح کی کئی دوسری بنیادوں پر اختلافات وتعصبات اور حسد و رقابتیں عروج پر تھیں۔ اس میں کسی کو استثناء حاصل نہیں تھا۔ یہ خیالات وتصورات اس حد تک اپنی جڑیں مضبوط و مستحکم کر چکے تھے کہ انہوں نے فطرت و جبلت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا پوری دنیا میں تھا...... چاہے وہ عرب ہو، یورپ ہو، افریقہ ہو، امریکہ ہو، ایشیا ہو یا کوئی اور خطہ و جگہ ہو۔ اسلام نے ایسے خیالات وتصورات کو انسانیت کی برائیاں اور خامیاں قرار دیا اور ان کے سدّ باب اور تدارک کے لیے کوششوں اور کاوشوں کے سفر کا آغاز کیا۔

﴿262﴾ اس مادی دنیا میں کہ جہاں خود غرضی، لالچ اور حرص وہوس کے باعث ہر فرد دوسرے فرد سے برسر پیکار رہو ہاں خاندان، قبیلہ و برادری کے مضبوط و مستحکم بندھن بھی اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں کہ دفاع اور سیکورٹی کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہتے ہیں لیکن بعض اوقات جنگجوؤں اور شہنشاہوں کی طاقت کے استعمال کے ردِعمل میں قبائل سے بھی بڑے بڑے گروہ وجود میں آتے ہیں جن کی بنیادی وجہ عوام الناس کے یکساں ومشترکہ مفادات ہوتے ہیں تاہم اس قسم کی مصنوعی گروہ بندی کے بکھرنے کا مستقل خطرہ رہتا ہے۔

﴿263﴾ انسانی معاشرے کے اس پہلو کی کئی ہزار سالہ ارتقائی تاریخ کے مطالعہ سے قطع نظر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے انتہائی کافی ہوگا کہ رائج الوقت نظریہ قومیت کا بغور جائزہ لیا جائے۔ اگر قومیت کی بنیاد زبان، نسل یا جائے پیدائش کی شناخت پر رکھی جائے تو اس سے غیر ملکیوں یا "اجنبیوں" کے لیے دائمی ودوامی مشکلات پیدا ہوں گی کیونکہ اس طرح کی قومیت اس قدر تنگ نظر ہوگی کہ دنیا کے دوسرے باشندوں کو قبول نہیں کرے گی اور یوں ہمہ وقت کشمکش اور جنگ کا خدشہ وخطرہ رہے گا۔ درحقیقت قومیت کا بندھن مطلقاً یقینی ومستقل بندھن نہیں کیونکہ دو بھائی آپس میں دشمن ہو سکتے ہیں جبکہ دو متحارب اور حریف مشترکہ نظریہ کی بنیاد پر دوست بن سکتے ہیں۔

﴿264﴾ قرآن الحکیم نے زبان، رنگ ونسل اور دوسرے ناگزیر عوامل فطرت کی اساس پر فوقیت وافضلیت کو یکسر رد کیا ہے اور صرف تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر افراد کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

(سورۃ الحجرات، آیت: 13)

ترجمہ "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے

خاندان اور قومیں بنائی ہیں تا کہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔"

مسلمانوں کے نزدیک "قومیت" کی بنیاد و اساس ایک مشترکہ و متفقہ نظریہ ہے اور اس نظریہ کا نام اسلام ہے۔ ہم ان مذاہب کی بات نہیں کریں گے جو تبدیلی مذہب کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسلام دنیاوی مذاہب میں اس خصوصیت کی بناء پر ممتاز و ممیز حیثیت کا حامل ہے کہ یہ دنیا سے دستبرداری اور قطع تعلق پر زبردستی زور نہیں دیتا بلکہ جسم اور روح کو شانہ بشانہ چلنے اور آگے بڑھتے ہوئے ترقی کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ماضی اس امر کا عکاس ہے کہ مسلمانوں نے نسل و علاقہ سے بالاتر ہو کر بھائی چارے اور اخوت و الفت کو فروغ دیا اور انہی احساسات و جذبات سے معمور و مزین یہ زندہ قوت و طاقت آج بھی ان میں استوار و پائیدار ہے۔

265 آج کل اقوام عالم حقوق قومیت کو تسلیم کرتی ہیں مگر نئی زبان، نئے جسمانی و جلدی رنگ اور نئی سرزمین کی قومیت اختیار کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ نئے نظریہ سے وابستگی اختیار کرنا ہے۔ دوسروں کے لیے قومیت لازمی طور پر قدرت کا ناگزیر حادثہ ہے جبکہ اسلام میں قومیت کا انحصار خالصتاً کسی فرد کی مرضی و منشاء اور انتخاب پر ہے۔

عالمگیریت کے ذرائع:

266 ہر فرد کے لیے ایک ہی قانون، نماز کی ادائیگی کے لیے ایک ہی سمت (قبلہ) اور حج کے لیے ایک ہی مقام وغیرہ جیسے عالمگیریت کے ذرائع سے قطع نظر عالمی خلافت کا نفاذ اہم کردار کا حامل ہے۔

267 نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اعلان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبرِ خدا اور داعیٔ اسلام ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کی فلاح و اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

(سورۃ السباء، آیت:28)

ترجمہ "اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دارِ فنا کے خاتمہ تک تمام زمانوں کے لیے پیغمبر ہیں۔ قرآن واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(سورۃ الاحزاب، آیت: 40)

ترجمہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔''

داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نے نسل و خاندان اور فرقہ وطبقہ کے امتیازات اور غیر مساویہ رجحانات و معمولات کو یکسر ختم کر دیا۔ مزید یہ کہ ہادیٔ کون ومکاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود زمانی و مکانی اور روحانی ہمہ قسم کے تمام اختیارات استعمال کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطۂ زمین کو ریاست کی شکل میں منظم کیا اور اسے اس کے تمام اجزائے ترکیبی سے مزین و منور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو منتقل ہوئے مگر اس فرق و امتیاز کے ساتھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین نہ تو پیغمبر تھے اور نہ ہی ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قومیتی زندگی کی ضرورت پر زور دیا اور یہاں تک اعلان کر دیا کہ ''جو کوئی یہ جانے بغیر مرا کہ اُس کا امام (خلیفہ) کون ہے تو وہ کفر والحاد کی موت مرا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم قومیت میں اتحاد و یگانگت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ''جو کوئی اس (مسلم قومیت) سے علیحدگی کرتا ہے دوزخ میں جاتا ہے۔'' (بحوالہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ)

268 پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کچھ افراد اور مسلمانوں کے کچھ گروہ ایسے تھے جو اسلامی ریاست کی سرحدوں سے باہر رضا کارانہ یا بالارادہ یا کسی دباؤ کے تحت رہائش پذیر تھے مثلاً حبشہ اور مکہ (فتح مکہ سے پیشتر) میں رہتے تھے۔ کچھ غیر مسلم علاقوں کے رہائشی مذہبی رواداری سے آگاہ و آشنا نہ ہونے کے باعث مسلمانوں پر ظلم وستم کرتے تھے (مثلاً مکہ اور بازنطینی سلطنت میں) جبکہ کرسچن حبشہ جیسے علاقوں میں ضمیر کے مطابق آزادانہ پالیسی رائج تھی۔

269 مسلمان خلیفہ کو داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں روحانی اور زمانی دونوں قسم کے اختیارات ملے تھے۔ وہ مسجد میں نماز کی امامت کرتا تھا (روحانی وراثت) جبکہ زمانی اختیارات کے حوالے سے ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ (زمانی وراثت)

270 داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نبی و رسول و پیغمبر تسلیم کرنے کے لیے اطاعت کا حلف (بیعت) لینا ہوتا تھا اور خلفاء کے انتخاب کے وقت بھی یہی طریق کار اختیار کیا جاتا تھا۔ دراصل ریاستی تنظیم کی بنیاد حاکم اور رعایا کے درمیان اطاعتی معاہدہ (بیعت) ہوتا ہے۔ عملی طور پر آبادی کی سب سے زیادہ نمائندگی کرنے والے افراد ہی اطاعت کا حلف (بیعت) لیتے ہیں اور وہی افراد ہی اس معاہدہ (حلف) کی تنسیخ کر کے

حاکم (خلیفہ) کو معزول کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

﴿271﴾ رسول و نبی و پیغمبر خدا ہونے کے ناتے سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قومیت کی رہبری و سرداری کے فرائض سرانجام دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی احکامات و پیغامات پر مبنی قانون کا نہ صرف اپنے دور میں نفاذ کیا بلکہ قیامت تک آئندہ آنے والی نسلوں (اخلاف) کے لیے اسے چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے لیے رب تعالیٰ کی حاکیت اعلیٰ ایک حقیقت کے طور پر قائم دائم رہی۔ اپنے دائرۂ اختیار میں اگر چہ وہ نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے لیکن ان پر کسی قسم کی وحی کے نزول کا قطعی کوئی امکان نہیں تھا۔ یوں قانون سازی کے حوالے سے ان کے پاس کوئی اختیارات نہیں تھے۔ وہ رب قادر و قدیر کے نام پر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کردہ قوانین کو منسوخ نہیں کر سکتے تھے تاہم وہ ان قوانین کی توضیح و تشریح کرنے کے مجاز تھے اور ان معاملات میں قوانین بھی وضع کر سکتے تھے کہ جن میں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا قانون خاموش تھا۔ دوسرے لفظوں میں خلیفہ آئینی سربراہ ضرور تھا مگر وہ قانونی معاملات میں مطلق العنان نہیں تھا اور وہ ملکی قوانین کا بالکل اسی طرح ہی تابع تھا جس طرح ریاست کا عام شہری پابند تھا۔ یہ روایت مقننِ اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی قائم کی کہ ریاست کا سربراہ کسی طور پر بھی قانون سے بالاتر نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ کوئی عام اور معمولی شہری حتیٰ کہ غیر مسلم بھی خلیفۂ وقت کو عدالت میں بلوا سکتا تھا۔ اس ضمن میں خلیفۂ اوّل کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔

﴿272﴾ مسلم معاشرے میں خلافت کا نظریہ اور عمل و روایت ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہی۔ صحیح صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے اس کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالنا مفید اور معلومات افزا ہوگا۔

خلافت:

﴿273﴾ قرآن مجید، فرقان حمید اچھے اور بُرے بادشاہوں کے متعلق بات کرتا ہے لیکن جمہوریت جیسے کسی اور طرزِ حکومت کا کبھی بھی حوالہ نہیں دیتا۔ درحقیقت نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آراء کا اختلاف اس امر کا غماز ہے کہ نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی بارے کوئی واضح اور ٹھوس ہدایات ارشاد نہیں فرمائی تھیں۔ کچھ گروہ یہ چاہتے تھے کہ ریاستی طاقت و قوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں بطور وراثت قائم رہنی چاہیے جبکہ سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریب ترین رشتہ دار تھے جو جانشین ہو سکتے تھے۔ کچھ افراد وقتی طور پر انفرادی انتخاب کے حق میں تھے مگر اس گروہ میں امیدوار کی نامزدگی پر اختلاف تھا۔ ایک غالب اکثریت الیکشن کرانا چاہتی تھی۔ یوں اس صورتِ حال میں وراثتی ملوکیت اور جمہوریت کی ایک درمیانی شکل کی حکومت وجود میں آئی۔ خلیفہ کو تاحیات مدت کے لیے منتخب کیا گیا۔

درحقیقت یہ الیکشن جمہوریت سے مماثلت رکھتا تھا جبکہ اس کے دورِ حکومت کی مدت ملوکیت جیسی تھی۔ شروع ہی سے منتخب خلفاء کے مخالفین تھے جو بعدازاں دعویدار حریف بن گئے جس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً خونریزی ہوتی رہی۔ بعدازاں حکومت خاندانِ سلاطین کے پاس آگئی۔ یوں اموی آئے جن کی جگہ عباسیوں نے لی جو اسپین کی توقیر و تعظیم بحال کرنے میں ناکام رہے جبکہ وہاں مسلمان حکمرانوں کے شاہی سلسلہ نے ''خلیفہ'' کا ٹائیٹل استعمال کیے بغیر مطلق العنان حکومت کی۔ اور پھر دو صدیاں بعد مسلم دنیا (بغداد، قرطبہ، قاہرہ) خلفاء کی کثرت سے آگاہ و آشنا ہوئی۔ جب ترک مشرف بہ اسلام ہوئے تو انہوں نے نیا عنصر متعارف کرایا۔ انہوں نے پہلے سپاہیوں اور پھر کمانڈروں کو ریاست کی حکومتی طاقت کا مالک و مختار بنایا۔ خلفاء کے ساتھ ساتھ ''کمانڈروں کا کمانڈر'' یعنی کمانڈر اعظم اور پھر ''سلطان'' کا عہدہ متعارف کرایا گیا۔ یوں ریاستی قوت و حاقت منقسم ہوگئی اور انتظامیہ ''سلطان'' کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے اسے خلیفہ کے نام پر استعمال کیا۔ اس سے لالچ و حرص نے جنم لیا اور حسد و رقابت پروان چڑھی۔ کئی صوبے آزاد و خود مختار ہوگئے۔ یوں گورنروں کا اک ''شاہی سلسلہ'' چل نکلا جنہیں دوسرے مہم جوؤں نے نکال باہر کر کے خود حکومت سنبھال لی اور جب بھی ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی خلیفہ کے پاس جو ہو چکا، سو ہو چکا کی تصدیق و توثیق کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ سب سے پہلے قاہرہ کی فاطمی خلافت ختم ہوئی اور اس پر ترکی کے کرد گورنروں کے ''شاہی سلسلہ'' نے قبضہ کرلیا اور بغداد کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ جب خلافت بغداد کو ملحد تاتاریوں نے تاخت و تاراج کیا تو خلافت کی کرسی قاہرہ منتقل ہوگئی۔ بعدازاں عثمانی ترکوں نے مصر کو فتح کرلیا اور وہاں جدید عباسی سلسلہ ہائے خلفاء کا خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اسپینی خلافت نے عیسائی حملہ آوروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور مراکش میں خلافت کی تنظیم نو کی۔ ترکیہ استنبول اور مغلیہ دہلی نے بھی خلافت کی تصنع کاری کی مگر اپنی وسیع تر سلطنتوں کے باوجود ان دونوں کے دعویٰ کو صرف ان کے متعلقہ اندرونی حلقۂ اثر نے ہی تسلیم کیا۔ ان دونوں کی تصنع کاری سے پہلے خلیفہ کے لیے یہ لازم ہوتا تھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی مکی عربی قریشی نسل سے ہو۔ ترک اور مغل اس شرط پر پورا نہیں اُترتے تھے تاہم اس نکتے پر بعد میں بات کی جائے گی۔ مغلوں کو ہندوستان کے تخت سے برطانیہ نے اُتار دیا جبکہ استنبول کے ترکی خلیفہ سے اُس کے اپنے ہی عوام نے حکومت چھین کر نہ صرف یہ کہ جمہوری طرزِ حکومت کا انتخاب کیا بلکہ سربراہ مملکت کے لیے خلافت کا وقار بھی محفوظ نہ رکھا۔ خلیفہ کے تمام مفادات و اختیارات ''گرینڈ نیشنل اسمبلی (Grand National Assembly)'' کو تفویض کر دیئے گئے جس نے نہ تو ان کا تقاضا کیا تھا اور نہ ہی انہیں استعمال کیا۔ آخری ترک خلیفہ عبدالماجد دوم (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد 100 واں خلیفہ) پیرس میں پناہ و جلاوطنی کے دوران فوت ہوگیا۔ اسی اثناء میں مراکش کی خلافت فرانس کے زیرِ حمایت و حفاظت آگئی۔

274 اس ضمن میں چند حوالہ جات قابلِ ذکر و قابلِ غور ہیں۔ معلمِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت محض تیس برس تک رہے گی اور اس کے بعد اذیت ناک بادشاہت ہوگی۔ (بحوالہ ابن اثیر، ترمذی، ابوداؤد) داعئِ اسلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک

اور حدیث کے مطابق خلافت قبیلہ قریش میں رہے گی۔ اس حدیث کا حوالہ اور راوی نامعلوم ہیں اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل وعمل بھی اس کی تصدیق وتوثیق نہیں کرتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں شہری ریاست کے قیام کے بعد عروس البلاد سے کم از کم 25 بار باہر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو ریاستی علاقے کے دفاع کی خاطر جنگی مہمات پر گئے یا اتحادی معاہدات کی خاطر یا پھر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ان تمام مواقع پر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنا نائب نامزد کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار ایک ہی شخص کو حکومت کا عبوری نظام چلانے کے لیے نامزد اور مقرر ومنتخب نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد کردہ نائبین میں مدنی، قریشی، کنعانی اور دوسرے شامل تھے اور حتیٰ کہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروس البلاد مدینہ منورہ میں اپنا نائب یعنی خلیفہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے محض تین ماہ پہلے کے لمحات تھے۔ ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بحیثیت خلیفہ انتخاب کے موقع پر ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ایک ہی وقت میں دو خلفاء مشترکہ طور پر کام کریں۔ یہ بھی مسلم حکومت کی تشکیل کی ممکنہ صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اس کی تصدیق قرآن نے بھی کی ہے۔

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾

(سورۃ طٰہٰ، آیات: 29 تا 32)

ترجمہ ''(موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی) اور میرے لیے میرے کنبہ میں سے ایک معاون بنا دے۔ ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔''

داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بذاتِ خود، حکومت کی اس صورت کی اجازت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے جیفر اور عبد کے نام خط میں لکھا کہ ''اگر تم دونوں اسلام قبول کرلو تو میں تم دونوں کو مشترکہ حکمران برقرار رکھوں گا'' اور جب دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو دونوں نے عمان پر مشترکہ حکومت کی۔ ایسی ہی صورتِ حال کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو انصاریوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ''اے مہاجرین! جب کبھی بھی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو عامل (گورنر) نامزد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے ایک فرد کو اس کے ہمراہ وہمرکاب کیا۔ چنانچہ ہماری رائے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کو بھی دو افراد چلائیں ایک آپ میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہو۔'' (بحوالہ ابن ہشام، ابن سعد)

275 مسلمانوں میں آج کل عالمی خلیفہ کا وجود نہیں ہے تاہم عوام الناس اس کی خواہش و آرزو جاری رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا آزاد وجود بھی حصہ بہ حصہ دوبارہ فتح کا مرہون منت ہے۔ عالمی خلافت کو بحال کرنے سے پہلے ہمیں داعیِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مثالی راستہ کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ علاقائی رقابتوں اور مجروح آفریں جذبات واحساسات سے بچ جا سکے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلم ریاستوں کے سربراہوں پر مشتمل ایک "خلافت کونسل" تشکیل دی جائے جس میں سنی، شیعہ، قریشی اور غیر قریشی سبھی شامل ہوں اور کونسل کا ہر ممبر (سربراہ مسلم ریاست) باری باری ایک سال کے لیے کونسل کی صدارت کے فرائض سرانجام دے۔

ریاست کے فرائض:

276 ایک مسلم ریاست کے چار فرائض ہونا چاہئیں۔ 1 انتظامی (عوامی وفوجی) 2 قانونی (قانون سازی) 3 عدالتی 4 ثقافتی۔

277 جہاں تک انتظامی فرائض کا تعلق ہے ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں ہر جگہ ان سے آگاہی وآشنائی پائی جاتی ہے۔ حاکمیت اعلیٰ صرف اور صرف رب قادر وقدیر کی ہے جبکہ بغیر کسی استثناء کے سب کی فلاح و بہبود کے لیے انسان کو رب مطلق کی نیابت (خلافت) سے نوازا گیا ہے۔

278 اسلامی معاشرے میں قانون سازی کا دائرۂ اختیار بہت محدود ہے۔ روحانی اور زمانی تمام شعبہ ہائے حیات میں کلامِ الٰہی (قرآن مجید) تمام قوانین کا منبع و ماخذ ہے۔

279 جہاں تک عدالتی دائرۂ کار کا تعلق ہے یہ بات پہلے بھی بیان کی جاچکی ہے کہ قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہوتے ہیں جس میں عوام الناس اور رعایا کی طرح سربراہ ریاست و مملکت کو بھی کسی قسم کا استثناء حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نے اس ضمن میں اہم احکامات دیتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۴۲ وَ كَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓىٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝۴۳ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴ وَ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ

كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤٩﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

(سورۃ المائدہ، آیات: 42 تا 50)

ترجمہ ''جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں اور بہت حرام کھانے والے ہیں۔ سو اگر وہ تیرے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ کر دے یا اُن سے منہ پھیر لے اور اگر تُو ان سے منہ پھیر لے گا تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تُو فیصلہ کرے تو اُن میں انصاف سے فیصلہ کر۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ تجھے کس طرح منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ مومن نہیں ہیں۔ ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اس پر پیغمبر جو اللہ کے فرمانبردار تھے یہود کو حکم کرتے تھے اور اہلِ اللہ اور علماء بھی۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے۔ سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول مت لو۔ اور جو کوئی اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے ان پر اس کتاب میں لکھا تھا کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور

زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا، سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ اور ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر عیسیٰ، مریم کے بیٹے کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اُسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور راہ بتانے والی اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت تھی۔ اور چاہیے کہ انجیل والے اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اُتارا ہے اور جو چیز اللہ نے اتاری ہے جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ہم نے تجھ پر سچی کتاب (قرآن پاک) اُتاری جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے مضامین پر نگہبانی کرنے والی ہے۔ سو تو اُن میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتارا ہے اور جو حق تیرے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک واضح راہ مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ اپنے دیے ہوئے احکامات میں آزمانا چاہتا ہے لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے پھر تمہیں جتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اور یہ کہ تو اُن میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اُتارا ہے۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان سے بچتا رہ کہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ نے تجھ پر اُتارا ہے۔ پھر اگر یہ منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ کا ارادہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں مصیبت میں مبتلا کرنے کا ہے اور لوگوں میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔ تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔"

اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندے عدالتی خود مختاری سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔ ہر قومیت کے اپنے عدالتی ٹربیونل اور اپنے ہی منصف ہوتے ہیں جو معاشرتی اور تعزیراتی حوالے سے ہر شعبہ ہائے حیات میں اپنے ہی قوانین کے مطابق فیصلے صادر کرتے ہیں۔ قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ یہودیوں کو تورات کے قوانین پر جبکہ عیسائیوں کو انجیل کے قوانین پر عمل پیرا ہونا چاہیے البتہ مقدمہ بازی میں ملوث پارٹیاں اگر مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتی ہوں اور ان کے قوانین میں کسی قسم کا ٹکراؤ ہو تو پرائیویٹ انٹرنیشنل لاء کے ذریعے ایسے مقدمات کی مشکلات کو قوانین اور منصفین (ججز) کے انتخاب کا خصوصی طریق کار استعمال کر کے حل کیا جاتا ہے۔

280 اسلام میں ثقافتی فریضہ سے مراد محض یہی ہے کہ صرف حکم الٰہی ہی کو اس دنیا میں نافذ العمل ہونا

چاہیے۔ یہ بجا طور پر ہر مسلمان اور مسلم حکومت کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف حکم الٰہی پر روزمرہ کے معمولات میں عمل کریں بلکہ غیر ملکی مشن بھی منظم کریں تاکہ وہ دوسروں کو اسلام کے اغراض و مقاصد اور انعامات و ثمرات سے آگاہ و آشنا کرسکیں۔ اسلام کا بنیادی اصول بقول قرآن یہ ہے کہ:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ (سورۃ البقرہ، آیت:256 ابتدائی حصہ)

ترجمہ ''دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔''

دین اسلام کی مضبوط و مستحکم بنیاد استوار کرنے کے لیے کاہلی و کم ہمتی اور بے رخی و بے اعتنائی کی بجائے دائمی و دوامی اور بے غرض و بے لوث کوشش و کاوش، سعی مسلسل اور جہد متواتر کی ضرورت ہے۔

طرزِ حکومت:

﴿281﴾ اسلام حکومت کے ظاہری و بیرونی پہلو کو کوئی فوقیت و اہمیت نہیں دیتا بلکہ انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح اور حکم الٰہی کا نفاذ چاہتا ہے چنانچہ اسلام کے نزدیک آئینی پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جمہوریت، ملوکیت اور مشترکہ حکومت سب جائز ہیں۔

﴿282﴾ اگر ایک ہی سردار یا خلیفہ سے مقصد حل ہوتا ہے تو اسے قبول کرلیا جاتا ہے لیکن اگر کسی وقت، کسی خاص حالات و مقامات پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ''امیر المومنین'' یا خلیفہ میں تمام مطلوبہ خصوصیات نہیں ہیں تو حکومت کو بہتر و برتر طور پر چلانے کے لیے اختیارات کی تقسیم کو رضا کارانہ و بالا رادہ تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ ہم قرآن مجید سے مشہور و معروف حوالہ دے سکتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾

(سورۃ البقرہ، آیات:246, 247)

ترجمہ ''کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد نہیں دیکھا جب

انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو۔ انہوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں نکالا گیا اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے۔ پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اُسے مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی۔ پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے اُسے تم پر پسند فرمایا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔"

ایک پیغمبر کی موجودگی میں ایک بادشاہ کا عہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سمت کس حد تک جایا جا سکتا ہے۔ یوں روحانی اور زمانی فرائض میں تقسیم کر دی گئی ہے تاہم دونوں میں سے کسی کے پاس خود مختارانہ اور من مانی قوت و طاقت اور من مانے اختیارات نہیں۔ جس طرح سیاست اور بادشاہ حکم الٰہی کے پابند ہیں اسی طرح دین اور پیغمبر بھی حکمِ الٰہی کے پابند ہیں۔ قوانین اور قوت و طاقت کا منبع و ماخذ ایک ہی ہے۔ صرف قانون کا نفاذ اور ضروری مقاصد کی تکمیل کا تعلق مختلف افراد سے ہے۔ زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کے فرق اور علیحدگی کی نسبت ان کا تعلق مہارت و تخصص سے زیادہ ہے۔

مشاورتی غور و خوض:

283 مشاورت کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن الحکیم مسلمانوں کو بار بار حکم دیتا ہے کہ عوامی یا ذاتی معاملات کے فیصلے باہمی مشاورت سے کرو۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورۃ آل عمران، آیت: 159 درمیانی حصہ)

ترجمہ "(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور کام میں ان سے مشورہ لیا کریں۔"

اسی طرح:

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾
(سورۃ النمل، آیت: 32)

ترجمہ "(ملکہ سبا بلقیس) کہنے لگی کہ اے دربار والو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو۔ میں کوئی بات تمہاری موجودگی کے بغیر طے نہیں کرتی۔"

مزید یہ کہ:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

(سورۃ الشوریٰ، آیت:38)

ترجمہ ''اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ دیا بھی کرتے ہیں۔''

سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (سنت) بھی باہمی مشاورت کا غماز اور عکاس ہے۔ رب قادر وقدیر کی جانب سے وحی کے نزول کی صورت میں رہنمائی کی ارفع واعلیٰ خصوصیت وخاصیت کے باوجود معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرنے سے پہلے اکثر و بیشتر اپنے صحابہ کرامؓ اور اپنے پیروکار قبائل کے نمائندوں سے مشاورت کیا کرتے تھے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی خلفاء بھی مشورہ و مشاورت میں بھرپور سرگرمی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

284 مشاورت کے متعلق قرآن الحکیم کوئی قطعی اور ناقابلِ تبدیلی طریق کار متعین نہیں کرتا۔ مشاورتی کونسل کے ممبران کی تعداد، انتخاب کا قاعدہ و ضابطہ اور ممبران کے فرائض کی ادائیگی کا دورانیہ وغیرہ ایسے معاملات ہیں جنھیں ہر دور اور ہر ملک کے سربراہ کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اہمیت وفوقیت اس امر کی ہے کہ سربراہ ریاست ومملکت کی مشاورتی کونسل کے ممبران اپنے اپنے علاقے کے نمائندگان کی حیثیت سے اپنے عوام کے اعتماد پر پورا اُترنے کی بھرپور اہلیت وصلاحیت رکھتے ہوں اور اعلیٰ وارفع کردار کے حامل ہوں۔

285 قرآن الحکیم متناسب نمائندگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیتا ہے جب انہوں نے اپنی قوم میں سے 70 نمائندوں کا انتخاب کیا تاکہ وہ کوہ طور پر جا کر ساری قوم کی جانب سے اللہ سے پکا وعدہ کریں کہ آئندہ شرک جیسی غلطی ان سے نہیں ہوگی۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ

(سورۃ الاعراف، آیت:155 ابتدائی حصہ)

ترجمہ ''اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے 70 مرد ہمارے وعدۂ ملاقات (وعدہ گاہ پر لانے کے لیے) چن لیے۔''

اسی طرح ارشاد رب العزت ہے کہ:

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

(سورۃ الاعراف، آیت:160)

ترجمہ ''اور ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا بارہ دادوں کی اولاد میں جو بڑی بڑی جماعتیں تھیں اور موسیٰ کو ہم نے حکم بھیجا جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی اس پتھر پر مارتو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر من وسلویٰ اتارا۔ ہم نے جو ستھری چیزیں تمہیں دی ہیں وہ کھاؤ اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔''

نمائندگان چاہے نامزد کیے جائیں یا منتخب کیے جائیں بنیادی مقصد ومحور یہی ہوتا ہے کہ حکومتِ وقت اپنی رعایا اور عوام الناس کی رائے سے آگاہ وآشنا رہے۔ اسلام اس مقصد کے حصول کے لیے نماز کی اجتماعی ادائیگی کا بہتر و برتر طریقہ وسیقہ اختیار کرتا ہے چنانچہ روزانہ پانچ بار (بالخصوص ہفتہ وار نماز جمعتہ المبارک کے موقع پر) ہر مسلمان (مردوعورت) کو اپنی گلی، اپنے محلے اور اپنے رہائشی علاقے کی مسجد میں مجتمع ہونا ہوتا ہے اور یہ متعلقہ علاقے کا حکومتی اعلیٰ افسر یا متقی و پرہیز گار فرد ہوتا ہے جو نماز کی امامت کرتا ہے۔ اگر وہ حکومت وقت کا مقرر کردہ نمائندہ ہوتو اُس سے ہر متاثرہ ومظلوم شخص اپنے اوپر ہونے والی ناانصافی یا ظلم کی شکایت کر کے اسے ذمہ دار وبااختیار فرد تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر اس سے بھی اس کا مسئلہ ومعاملہ حل نہ ہوتو وہ حتیٰ کہ سربراہ ریاست سے دادرسی دتلافی کی درخواست کرسکتا ہے جو کہ جامع مسجد میں بذات خود نماز کی امامت کرتا ہے اور یوں اس تک ہر شخص کو رسائی حاصل ہوتی ہے۔

خارجہ پالیسی:

286 غیر ممالک کے ساتھ تعلقات بین الاقوامی قانون کے تحت استوار کیے جاتے ہیں۔ ایک سماجی و معاشرتی گروہ کے اندرونی باہمی تعلقات کی نسبت غیر ممالک کے ساتھ تعلقات کے ارتقاء کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ زمانہ قبل از اسلام میں بین الاقوامی قانون کا کوئی آزاد وجود نہیں تھا۔ خارجہ تعلقات سیاست کا حصہ تھے اور سربراہِ ریاست ومملکت کی خوشی وخوشنودی اور منشاء ومرضی پر منحصر تھے۔ غیر ملکی دوستوں کے تسلیم شدہ حقوق محض چند تھے جبکہ دشمنوں کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔

287 ہمیں اس تاریخی حقیقت کو عیاں ونمایاں کرنا چاہیے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے نہ صرف بین الاقوامی قانون کو ممتاز ومیز ضابطہ کے طور پر متعارف کرایا بلکہ اسے سیاست کی بجائے قانون کا حصہ بنایا۔ مسلمانوں نے بالخصوص اس موضوع پر نہ صرف ''سیر'' کے عنوان سے یک موضوعی تحقیقاتی مقالہ تحریر کیا بلکہ قانون کے بیشتر رسالوں ومقالوں میں بھی بالعموم اس پر بحث کی۔ دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) کے ابتدائی سالوں میں اس موضوع کے تخلیق کار مسلمانوں نے جنگی معاملات کو تعزیراتی قانون کا حصہ بنایا۔ چنانچہ مقامی افراد کی رہزنی وقزاقی اور ڈاکہ زنی پر بحث کرنے کے بعد فقہاء نے منطقی طور پر غیر ملکیوں کی طرف سے ایسی مجرمانہ

کارروائیوں پر بحث کی اور مجرموں کے خلاف حکومت وقت کو متحرک و متوجہ ہونے کا مطالبہ کیا اور یہ کہ تعزیراتی قانون میں جنگی معاملات کی شمولیت سے وہ قانونی معاملات بن گئے جس سے ملزم کو عدالتی ٹربیونل کے روبرو اپنے دفاع کا حق مل گیا۔

288 فقہاء کی زبان میں اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کے نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ "دنیا کے مصائب و آلام کے حوالے سے مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔" تاہم قدیم یونانی یہ نظریہ رکھتے تھے کہ بین الاقوامی قانون صرف یونانی شہری ریاستوں کے مابین تعلقات کار کو منظم رکھتا ہے۔ مشہور یونانی فلسفی ارسطو کے مطابق فطرت کی مرضی و منشاء یہی ہے کہ غیر مہذب غیر یونانی بہرصورت یونانیوں کے غلام ہیں۔ یوں یہ کوئی قانون نہیں تھا بلکہ تعلقات کے حوالے سے ان کا خود مختارانہ اور من مانا رویہ تھا۔ قدیم ہندو بھی اسی طرح کا نظریہ رکھتے تھے۔ ان کے ہاں انسانیت کی ذات پات میں تقسیم کے عقیدہ نے اچھوت کے تصور کو تقویت دی جس کی وجہ سے مفتوح غلاموں کی قسمت مزید عبرت ناک و تشویشناک ہوگئی۔ رومیوں نے اگرچہ غیر ملکی دوستوں کے چند حقوق تسلیم کیے تاہم دنیا کے باقی تمام افراد کے لیے وہ اپنے من کی موج اور ذاتی مرضی و منشاء والی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ یہ خود مختارانہ اور من مانا رویہ مختلف سرداروں، کمانڈروں اور حالات و واقعات کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ یہودی قانون اس امر پر زور دیتا تھا کہ خدا کا حکم ہے کہ فلسطین میں رہائش پذیر عربیوں کو نکال باہر کیا جائے اور یہ کہ باقی تمام دنیا کے افراد کو اس شرط پر رہنے دیا جائے کہ وہ یہودیوں کو خراج عقیدت پیش کریں اور ان کی غلامی اختیار کریں۔ 1856ء تک مغرب والوں نے عیسائیوں پر عالمی قانون کے نفاذ کا حق محفوظ رکھا۔ اور اس وقت سے انہوں نے مہذب اور غیر مہذب اقوام میں امتیاز پیدا کرتے ہوئے غیر مہذب اقوام کو کسی قسم کی رعایات و مراعات دینے سے سراسر انکار کر دیا۔ بین الاقوامی قانون کی تاریخ میں مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے کسی قسم کے امتیازات و تحفظات کے بغیر غیر ملکیوں کے حقوق تسلیم کیے۔

289 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مسلم ریاست کی بنیاد رکھی اور اس کا انتظام و انصرام بھی سنبھالا۔ یہ مدینہ منورہ کی شہری ریاست تھی۔ یہ ان خود مختار دیہاتوں اور علاقوں کی کنفیڈریشن تھی کہ جس میں مسلمان، یہودی، کفار عرب اور شاید مٹھی بھر عیسائی رہائش پذیر تھے۔ اس ریاست کے آئین میں مذہبی رواداری کو باقاعدہ و باضابطہ تسلیم کیا گیا تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ دفاعی اتحاد کے معاہدات ہوئے اور ان پر بحسن و خوبی محتاط انداز میں عمل کیا گیا۔ قرآن مجید فرقان حمید وعدوں اور معاہدوں کی پاسداری کی پرزور الفاظ میں تاکید کرتا ہے اور اس ضمن میں مکمل انصاف سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ بصورت دیگر روز محشر سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

290 بین الاقوامی رویے کے حوالے سے اصول و ضوابط کے ذرائع نہ صرف ملکی و اندرونی قوانین پر

مشتمل ہیں بلکہ غیر ملکیوں کے ساتھ معاہدات وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔

﴿291﴾ فقہاء وعدے کی پاسداری کو ازحد اہم اور لازم سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق اگر کوئی غیر ملکی ایک خاص مدت کے لیے اجازت لے کر اسلامی علاقے میں داخل ہوتا ہے اور اسی اثناء میں اس مسلم حکومت اور غیر ملکی کی متعلقہ غیر ملکی حکومت کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو اس غیر ملکی کی حفاظت کسی صورت متاثر نہیں ہوگی۔ وہ اپنے عارضی قیام کی اجازت والے عرصہ کے اختتام تک انتہائی امن وسکون کے ساتھ اور بلاخوف وخطر وہاں رہ سکتا ہے۔ وہ نہ صرف مکمل حفاظت وتحفظ کے ساتھ واپس اپنے وطن جائے گا بلکہ اپنے ہمراہ اپنا تمام مال ومتاع اور مفادات بھی لے جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ عارضی قیام کے دوران اُسے وہی عدالتی تحفظ حاصل ہوگا جو کہ جنگ چھڑنے سے پہلے حاصل تھا۔

﴿292﴾ غیر ملکی سفیر، پیغام بر یا قاصد کو ہمہ قسم کا تحفظ دیا جاتا ہے چاہے وہ کیسا ہی ناخوشگوار و ناہموار اور سخت و درشت ترین پیغام یا خط ہی لے کر کیوں نہ آئے۔ اُسے مذہب ومسلک کی آزادی کے ساتھ ساتھ محفوظ تر عارضی قیام اور بحفاظت واپسی کی رعایت وسہولت حاصل ہوتی ہے۔

﴿293﴾ اسلامی معاشرے میں عدالتی دائرہ کار واختیار کی بھی خصوصی خصوصیات ہیں۔ اسلامی علاقے میں غیر ملکی رہائشی اسلامی حکومت کے دائرہ کار میں تو آتے ہیں لیکن اسلامی قانون کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے کیونکہ اسلام اپنے علاقے میں کثیر التعداد قوانین کو رواداری کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے ہر قومیت وقوم کو ان کے اپنے خود مختار عدالتی نظام کا حق دیتا ہے چنانچہ ہر اجنبی وغیر ملکی اپنے ہی عدالتی ٹربیونل کے روبرو جوابدہ ہوتا ہے۔ اگر وہ عیسائی، یہودی یا کسی اور قوم وقومیت سے تعلق رکھتا ہے اور اگر مقدمہ بازی میں ملوث دوسری پارٹی بھی اُسی قوم وقومیت سے تعلق رکھتی ہے (چاہے دوسری پارٹی مسلم ریاست کی رعایا ہو یا غیر ملکی ہو) تو فیصلہ ان کی اپنی عدالت میں ان کے اپنے قوانین کے مطابق ہوگا۔ اس دائرہ اختیار کے حوالے سے عام طور پر دیوانی اور فوجداری مقدمات وتنازعات میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ جہاں تک مقدمہ بازی میں ملوث مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والی پارٹیوں کا معاملہ ہے اس بارے پہلے ہی وضاحت کی جا چکی ہے۔ تاہم مسلم قانون کی رو سے کسی غیر مسلم کو یہ مکمل اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنی متعلقہ عدالت کی بجائے اسلامی عدالت سے رجوع کرے بشرطیکہ دونوں فریق اس بات پر متفق ہوں۔ اس صورت میں اسلامی عدالت اسلامی قانون کا ہی اطلاق کرے گی۔ تاہم مسلم عدالت کا مسلمان جج معاملہ کی نوعیت کے مطابق متعلقہ فریقین کی رضا مندی سے غیر ملکی قانون یا ان کا ذاتی قانون بھی لاگو کر سکتا ہے۔ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ واضح ہے۔ ایک دفعہ بدکاری کے جرم میں ملوث دو یہودیوں کو اُن کے ہم مذہب یہودی پکڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات منگوا کر یہودیوں کے قانون کے مطابق اُن کا فیصلہ فرما دیا۔ (بخاری) برسبیل تذکرہ اس امر کا حوالہ ضروری ہے کہ مسلم فقہاء نے اس

بات کو تسلیم کیا ہے کہ اگر کسی غیر ملک میں کسی غیر ملکی کے ہاتھوں کسی مسلمان کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوئی ہے اور یہ کہ وہ مسلمان کسی مسلم ریاست کی رعایا میں شامل ہے اور ظلم و زیادتی کرنے والا غیر ملکی بعد ازاں اسی مسلم ریاست میں امن و سکون کے ساتھ پہنچ جاتا ہے تو اس پر اسلامی عدالت میں مقدمہ نہیں چل سکتا کیونکہ اسلامی عدالتیں اس واقعے اور معاملے کو سننے کی مجاز نہیں ہیں جو ایسے علاقے میں وقوع ہوا ہے جو اُس کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتا۔ اس قانون کے حق میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت محمد الشیبانیؒ نے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے یا جنسی بدکاری کرنے یا چوری کرنے کے بعد کسی دشمن ملک میں پناہ لے لیتا ہے اور وہاں سے حفظ و امان لے کر واپس لوٹتا ہے تو اُسے عدالت کے کٹہرے میں لا کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے لیکن اگر اُس نے قتل یا جنسی بدکاری یا چوری دشمن ملک میں کی ہے اور وہاں سے حفظ و امان لے کر واپس لوٹا ہے تو اُسے اس کے کسی ایسے جرم کی سزا نہیں دی جائے گی جو اُس نے دشمن کے علاقے میں کیا ہے۔'' اس حدیث کو حضرت عطیہ ابن قیس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ (بحوالہ سرخسی، ''شرح السیر الکبیر'')

294 اسلامی قانون سربراہِ ریاست و مملکت کو کسی قسم کا استثناء نہیں دیتا۔ وہ بھی عدالت کے دائرہ اختیار میں اسی طرح آتا ہے جس طرح عوام آتے ہیں۔ اگر اسلامی ریاست و مملکت کے سربراہ کو اپنے ملک میں اس قسم (ناانصافی، طبقاتی امتیاز کی وجہ سے تحفظ) کی مراعات و رعایات حاصل نہیں تو ایسے حقوق کی توقع غیر ملکی حکمرانوں اور سفیروں کے حوالے سے بھی نہیں کی جانی چاہیے۔ انہیں مہمان کی حیثیت سے ان کی شایانِ شان تعظیم و تکریم دی جاتی ہے تاہم وہ قانون و انصاف سے بالاتر نہیں ہیں۔

295 سابقہ ادوار کے کئی واقعات اسلامی انصاف کے ایک اور مخصوص پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ معاہدات پر ایماندارانہ و منصفانہ عمل درآمد کی غرض سے یرغمالیوں کا تبادلہ کیا جاتا تھا اور یہ واضح شرط رکھی جاتی تھی کہ اگر معاہداتی فریقین میں سے کسی فریق نے دوسرے فریق کے یرغمالیوں کو قتل کر دیا تو دوسرا فریق بھی انتقاماً پہلے فریق کے یرغمالیوں کو قتل کر دے گا۔ اس نوع کے واقعات خلیفہ معاویہؓ اور المنصور کے ادوار میں ہوئے اور مسلم فقہاء نے متفقہ فیصلہ دیا کہ دشمنوں کے یرغمالیوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دھوکہ دہی اور بدعہدی متعلقہ حکمرانوں کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ ان یرغمالیوں کی طرف سے ہوئی ہے اور یہ کہ قرآن مجید، فرقان حمید باضابطہ نیابتی سزا اور کسی ایک کے جرم کے بدلے میں کسی دوسرے کے خلاف انتقامی کارروائی سے منع کرتا ہے۔

296 مسلم جنگی و عسکری قانون نرم، ہمدرد اور انسانیت نواز ہے۔ یہ شریکِ جنگ ملکوں یا قبیلوں اور انسانوں کے مابین امتیاز قائم کرتا ہے۔ یہ بچوں، نابالغوں، عورتوں، بوڑھوں، بیماروں اور راہبوں کے قتل سے منع

کرتا ہے۔ کم سے کم اور ناگزیر قتل سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی لوٹ مار اور تباہی و بربادی کی کھلی چھٹی دیتا ہے۔ قیدیوں سے بہتر سلوک کیا جاتا ہے اور ان کے جنگی و عسکری فعل وعمل کو جرم قرار نہیں دیا جاتا۔ فاتح سپاہیوں کے لالچ وحرص کے خاتمہ کی خاطر مال غنیمت کا مالک وہ نہیں ہوتا جو اُس پر قبضہ کرتا ہے بلکہ مال غنیمت کو حکومت وقت کے پاس جمع کرایا جاتا ہے جو تمام مال غنیمت کو اکٹھا کرنے کے بعد اسے تقسیم کرتی ہے۔ پانچ میں سے چار حصے مال غنیمت جنگی مہم میں حصہ لینے والوں کو دیا جاتا ہے جبکہ ایک حصہ حکومت کے بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے۔ سپاہی ہو یا سپہ سالار، سب کا حصہ برابر اور یکساں ہوتا ہے۔

297 مسلمانوں کے غلبہ کے حوالے سے ارشادِ ربّ العزت ہے کہ:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

(سورۃ محمدؐ، آیت: 35)

ترجمہ ’’پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے۔ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا۔‘‘

اور اسی ضمن میں پھر ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

(سورۃ الانفال، آیت: 61)

ترجمہ ’’اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا اور مکہ کے باشندوں سے کہا۔ ’’جاؤ۔ تم سب آزاد ہو۔‘‘

298 قرآن الحکیم وعدہ وعہد کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ یہ اسے مسلم قومیت کے مادی مفادات پر ترجیح دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ یہ ہمیں مذہبی اختلاف کے باوجود اسلامی قانونِ غیر جانبداری و رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

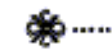
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾

(سورۃ انفال، آیت: 72)

ترجمہ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہیں ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔''

نتیجہ:

299 اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام رنگ ونسل اور فرقہ وملک کے امتیاز کے بغیر ایک ایسی آفاقی وعالمی قومیت کے قیام کا خواہش مند ہے کہ جو تمام اقوام عالم کے مابین مکمل مساوات پر یقین رکھتی ہو۔ یہ مذہبی اعتقادات کے حوالے سے کسی قسم کے دباؤ اور زور، زبردستی کے بغیر محض ترغیب ودعوت کے ذریعے دوسرے کی رضا ومنشاء کے ساتھ قبولیت (مشرف بہ اسلام) کا آرزومند ہے۔ اسلام اس امر کو واضح کرتا ہے کہ ہر فرد رب ذوالجلال کے روبرو ذاتی طور پر جوابدہ ہے۔ اسلام میں حکومت ایک اعتماد ہے، ایک بھروسہ ہے۔ ایک خدمت ہے جس میں تمام حکومتی عہدہ دار اور کارندے عوام کے خادم ہیں۔ اسلام کے مطابق یہ ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اچھائی کو عام کرنے اور برائی کو ختم کرنے کے لیے مسلسل ومتواتر کوشش وکاوش کرے اور یہ مالک روز جزا کی ذات پاک ہی ہے جو ہمارے اعمال وافعال اور ہماری نیتوں اور ارادوں کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔



باب 9

اسلام کا عدالتی نظام

مسلمانوں کا خصوصی کردار:

﴿300﴾ قانون کا وجود انسانی معاشرے میں قدیم ترین دور سے رہا ہے۔اس میدان میں ہر نسل، ہر علاقہ اور انسانوں کے ہر گروپ وگروہ نے اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے تاہم مسلمانوں کا کردار ارفع وو قیع اور لائق توصیف وتحسین رہا ہے۔

قانون کی سائنس:

﴿301﴾ قدماء کے اپنے اپنے مخصوص قوانین وضوابط تھے تاہم وہ مجرد شکل میں قانون کی سائنس کے طور پر ممتاز وممیّز نہیں تھے۔انہیں یہ روپ سب سے پہلے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ (150 تا 204 ہجری، 767 تا 820 عیسوی) نے دیا۔ان سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے قانونی آراء پر ''کتاب الرائے'' تحریر کی جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں محمد الشیبانی اور ابو یوسف دونوں نے قانون کے موضوع پر ''کتاب اصول الفقہ'' لکھیں مگر چونکہ یہ مذکورہ کتب ہم تک نہیں پہنچی ہیں اس لئے ہم ان کے مواد و متن بارے رائے نہیں دے سکتے۔حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ''رسالہ'' کے عنوان سے جو اپنا مجموعہ تحریر ہم تک پہنچایا ہے اس میں انہوں نے قانون کی سائنس کو اصول الفقہ (''قانون کی جڑیں'') کا نام دیا ہے اسی سے ہی انسانی کردار اور اعمال وافعال کے حوالے سے اصول وضوابط کی شاخیں نکلتی ہیں۔مسلمان ہمیشہ سے قانون کی اس سائنس کو اصول الفقہ کہتے رہے ہیں۔یہ سائنس بیک وقت فلسفۂ قانون، اصول وضوابط کے منبع و ماخذ، قانون سازی کے قواعد کے ساتھ ساتھ قانونی قواعد وضوابط کے مواد ومتن کی وضاحت اور نفاذ بارے بحث وتمحیص کرتی ہے۔قواعد وضوابط کو اس شجر (قانونی سائنس) کی فروع (شاخیں) کہا جاتا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قانونی سائنس کے مصنفین قانونی اصطلاحات کے انتخاب میں ان قرآنی آیات سے متاثر ہوئے ہوں۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾

(سورۃ ابراہیم، آیات: 25,24)

ترجمہ ''کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ پاک کی ایک مثال بیان کی ہے۔ گویا وہ ایک پاک درخت ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل لاتا ہے اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ سمجھیں۔''

نیتِ عمل:

﴿302﴾ قانون کے بنیادی تصورات میں اعمال و افعال کے حوالے سے مقصد و نیت کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ اس تصور کی بنیاد داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہے کہ ''اعمال کا فیصلہ مقصد و نیت کی بنیاد پر ہوتا ہے'' مسلم عدالتوں اور اسلامی ٹربیونلز نے کبھی بھی جرم بالارادہ اور جرم اتفاقیہ کو ایک ہی زمرے میں نہ رکھا اور نہ ہی ایک جیسا پرکھا۔

تحریری آئینِ ریاست:

﴿303﴾ یہ حقیقت قابلِ ذکر و فکر اور ولولہ انگیز و جوش آمیز ہے کہ رب وحدہٗ لاشریک نے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جو اس حوالے سے اُمّی لقب تھے کیونکہ ان کا کوئی دنیاوی استاد نہیں تھا بلکہ وہ خود معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھے......مترجم) پر اتاری گئی پہلی وحی میں قلم کو اپنی عنایت اور غیر معلوم چیزوں کو جاننے اور سیکھنے کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس کی توصیف کی ہے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

(سورۃ العلق، آیات: 3 تا 5)

ترجمہ ''پڑھیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

جب پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کو ایک ایسی ریاستی تنظیم مرحمت فرمائی کہ جس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ریاست کے لئے ایک تحریری آئین ترتیب و تشکیل دیا۔ یہ پہلے محض ایک شہری ریاست تھی لیکن محض دس سال کے مختصر عرصہ میں (جبکہ اس کے بانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے لمحات تھے) یہ ریاست نہ صرف مکمل جزیرہ نمائے عرب تک پھیل گئی بلکہ اس میں عراق اور فلسطین کے جنوبی علاقے بھی شامل تھے تاہم اگلے پندرہ سال بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک طرف تو مسلم افواج حیران کن حد تک اندلس (سپین) تک پہنچ گئیں جبکہ دوسری طرف چینی ترکستان میں داخل ہو گئیں جبکہ ان دونوں کے درمیانی ممالک پر مسلمان پہلے ہی حکمرانی حاصل کر چکے تھے۔ معلّمِ

کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحریری آئین تیار کیا اس کی 52 دفعات ہیں۔ یہ دفعات حاکم و رعایا کے حقوق و فرائض، قانون سازی، انصاف کی تنظیم، دفاع کا انصرام، غیر مسلموں کے ساتھ سلوک، باہمی بنیادوں پر معاشرتی وسماجی ضمانت اور اس دور کی دوسری ضروریات بارے ہیں۔ یہ آئین 622 عیسوی یعنی 1 ہجری میں نافذ العمل ہوا۔

304 یہ نسل انسانی کی بدقسمتی ہے کہ اس میں جنگ ہمیشہ سے تواتر وتسلسل کے ساتھ جاری وساری رہی ہے۔ جنگ کے اوقات ولمحات میں انتہائی مناسب وموزوں رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ میں شریک فریق کو نہ صرف اپنے ساتھ بلکہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی انصاف برتنا ہوتا ہے۔ چونکہ جنگ میں حقیقتاً زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے اس لئے اس میں انتہائی معمولی غلطی خطرناک وخوفناک نتائج پیدا کرسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ مطلق العنان حکمرانوں اور ریاستی سرداروں نے ہمیشہ اپنی مرضی ومنشاء سے دشمن کے خلاف اقدامات کرنے کے فیصلہ کا اختیار اپنے پاس رکھا ہے۔ آزاد وخود مختار مطلق العنان حکمرانوں کے اس قسم کے رویہ سے متعلق سائنس زمانہ قدیم سے رہی ہے اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ یہ سیاست اور مرضی ومنشاء کا حصہ بنی ہے۔ مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے اس عوامی بین الاقوامی قانون کی سائنس کو ریاستی حکمرانوں کی خواہشات اور من مانیوں سے علیحدہ کرکے خالصتاً قانونی بنیادوں پر استوار کیا اور یہ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے نہ صرف بین الاقوامی قانون پر قدیم ترین نادر ونایاب کام اخلاف (آنے والی نسلیں) کے لئے چھوڑا بلکہ اسے آزاد سائنس کے طور پر ترقی دی۔ اس موضوع پر مقالہ ورسالہ تحریر کرنے والی نامور ونمایاں شخصیات میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، محترم الاوزائی رحمۃ اللہ علیہ، محترم ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، محترم محمد الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ اور محترم الواقدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب نے اس موضوع ومضمون کو "سیر" کا عنوان دیا۔ جہاں تک قانون کے عمومی قواعد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں قدیم ترین کام حضرت زید ابن علی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 120 یا 122 ہجری) کا ہے۔ ان کے بعد آنے والے ہر مصنف نے بھی اپنا فعال کردار ادا کیا اور اسے ملکی قانون کا حصہ بنایا۔ اس سے ڈاکہ زنی وقزاقی کو روکنے میں مدد ملی۔ مزید یہ کہ متحارب گروہوں کے حقوق وفرائض متعین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مسلم عدالتوں کے روبرو جوابدہ بھی ٹھہرے۔

اسلامی قانونی ضوابط کی عمومی خصوصیات:

305 اسلامی قانون کی کتاب کے قاری کو جو بات سب سے پہلے متاثر ومتوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ قانون مادی اور روحانی دونوں میدان میں انسانی حیاتِ مستعار وناپائیدار کے تمام شعبوں کو منظم کرنے کا آرزو مند ہے۔ یہ قانونی کتابیں عام طور پر مذہبی عقیدہ کے مطابق عبادات ورسومات سے شروع ہوتی ہیں اور پھر حاکمیت کے آئینی پہلو پر بھی بحث کرتی ہیں کیونکہ سربراہ ریاست اپنے عہدہ کے حوالے سے مسجد میں امامت کے

فرائض بھی سرانجام دیتا ہے۔ یہ امر حیران کن نہیں ہے کہ قانون کی کتب کا یہ حصہ ٹیکسوں کی ادائیگی کے موضوع پر بھی بحث کرتا ہے کیونکہ قرآن نے اکثر و بیشتر نماز اور زکوٰۃ کا ایک ہی سانس میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ نماز بدنی وجسمانی عبادت ہے جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قانون کی کتاب ہمہ قسم کے معاہداتی تعلقات، جرائم وتعزیرات اور غیر ممالک کے ساتھ جنگ اور امن کی حالت میں قوانین (بین الاقوامی قانون اور سفارت کاری) کے ساتھ ساتھ وراثت و وصیت کے قواعد بھی بتاتی ہے۔ انسان بنیادی طور پر جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے اور اگر حکومتِ وقت اپنے بے پناہ وسائل کے ساتھ عوام ورعایا کے صرف مادی معاملات پر غیر معمولی توجہ دیتی ہے تو اس سے روح فاقہ زدہ ہو جائے گی اور وہ اپنے ذاتی وسائل تک محدود ہو کر رہ جائے گی اور یوں وہ دنیاوی و زمانی معاملات کے لئے دستیاب وسائل کے مقابلے میں کمزور اور بہت لاغر ہو جائے گی۔ جسم اور روح کی غیر مساوی افزائش و پرداخت سے انسان توازن وتناسب کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے جس کے نتائج بالآخر تہذیب وتمدن کے لئے تباہ کن ہوتے ہیں۔ جسم اور روح دونوں کے علاج کا یہ مفہوم ومطلب ہرگز نہیں کہ معارف سے ناآشنا و نابلد فرد مذہب کے میدان میں مہم جوئی شروع کردے مثلاً ایک شاعر کو کبھی بھی یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ عمل جراحی کے ماہر کے طور پر آپریشن کرے کیونکہ انسانی مہارت واہلیت کے ہر شعبہ کے اپنے ماہرین اور متخصص ہوتے ہیں۔

(306) اسلامی قانون کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ یہ حقوق وفرائض کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہونے پر زور دیتا ہے۔ انسانوں کے نہ صرف آپس میں باہمی تعلقات بلکہ انسانوں کے اپنے خالق ومالک کے ساتھ تعلقات کی بنیاد بھی ایک ہی اصول پر قائم ہے۔ دین ومذہب اور عقیدہ ومسلک یہی ہے کہ انسان اپنے رب کی جانب سے عائد کیے گئے فرائض کی بجاآوری بحسن وخوبی کرے۔ فرائض کی ادائیگی کے بغیر محض ''انسانی حقوق'' کی بات کرنا انسان کو لالچی وحریص حیوان کے برابر لانا ہے جیسا کہ ایک بھیڑیا یا ایک شیطان۔

فلسفۂ قانون:

(307) قدیم مسلم فقہاء قوانین کو نیکی اور بدی کی دہری بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ ہر فرد کو چاہیے کہ وہ نیکی کرے اور برائی سے بچے۔ نیکی اور بدی بعض اوقات مطلق، واضح اور بدیہی وقطعی ہوتی ہے جبکہ بعض اوقات یہ جزوی اور متناسب ومتعلق ہوتی ہے یہ حقیقت اوامر ونواہی کے حوالے سے تمام عدالتی اصول وضوابط کو پانچ اقسام میں تقسیم کی جانب ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ پس (1) جو عمل واضح اور قطعی طور پر اچھا اور نیک ہے وہ مطلق فرض ہے اور ہر فرد پر لازم ہے کہ اس کی پیروی کرے (2) ہر وہ بات (عمل) جو برائی کی نسبت نیکی کے زمرے میں زیادہ آتی ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی سفارش کی جاتی ہے اور اسے قابلِ توصیف وتحسین قرار دیا جاتا ہے (3) وہ

باتیں (افعال واعمال) جن میں نیکی اور بدی کا تناسب مساوی ہو یا جن میں نہ نیکی ہو نہ بدی ہو، انہیں فرد کی مرضی ومنشاء پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اس پر عمل کرے اور چاہے تو انہیں چھوڑ دے اور حتیٰ کہ اپنے اس عمل کو مختلف اوقات میں تبدیل بھی کر لے۔ اصول وضوابط کی یہ قسم قانون سے بے رُخی و بے اعتنائی کے مترادف ہے 4 وہ باتیں (افعال واعمال) جو خالصتاً اور قطعی طور پر بُرائی کے زمرے میں آتی ہیں ان سے مکمل طور پر منع کیا گیا ہے 5 اور وہ باتیں (افعال واعمال) جن میں نیکی کی نسبت بُرائی کا زیادہ احتمال ہے ان کی فہمائش و حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ اصول وضوابط کی ان پانچ اقسام میں بنیادی تقسیم کی مزید ضمنی تقسیم انتہائی معمولی اور نازک فرق کے ساتھ بالکل اسی طرح کی جاسکتی ہے جس طرح قطب نما، شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی سمتیں بتانے کے ساتھ ساتھ اطراف کی معمولی سی تبدیلی بھی ظاہر کرتا ہے۔

308 نیکی اور بدی کی تعریف وتمیز کرنا ابھی باقی ہے۔ کلام الٰہی اور مسلمانوں کی متبرک ومقدس کتاب قرآن مجید نیکی اور بدی سے متعلق کئی مواقع پر بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان کو ''معروف'' پر ضرور عمل کرنا چاہیے جبکہ ''منکر'' سے ضرور بچنا چاہیے ہر شخص ''معروف'' کا مفہوم ومطلب نیکی واچھائی تسلیم کرتا ہے اور نیکی و اچھائی وہ ہے جسے ہر فرد ٹھوس وجہ ودلیل کے ساتھ نیکی واچھائی ہی مانتا ہے چنانچہ اس کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس پر عمل کرو جبکہ ''منکر'' وہ فعل وعمل ہے جسے ہر شخص رد کرتا ہے۔ اسے قطعی طور پر اچھائی نہیں سمجھتا اور اسے بدی و بُرائی کے طور پر تسلیم کرتا ہے جس کی اس کے پاس ٹھوس دلیل اور وجہ ہوتی ہے اس لئے اسے کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کا ایک بہت بڑا حصہ اسی سے متعلق ہے اور ایسے معاملات ونکات نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جن سے قرآن مجید نے منع کیا ہو مگر ان کے متعلق انسانی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہو جیسا کہ الکحلی مشروبات یا جوا مگر سچی بات یہ ہے کہ اسلامی قانون کا اصل مقصد ان معاملات میں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں اور بالغ نظر اور پختہ ذہن رکھنے والا فرد ان کے متعلق سوچنا ضرور ہے۔ مثلاً یہ قانون ساز ادارے کی ذہانت و فطانت پر اعتماد کا سوال ہے کہ جس کی تمام دوسرے معاملات میں ہدایات کو عالمی پذیرائی ملی ہے۔

تعزیرات:

309 نسلِ انسانی میں انتہائی مختلف مزاج کے افراد سے ہمارا رابطہ و واسطہ رہتا ہے۔ انہیں تین بڑی اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ اول وہ افراد جو از حد نیک اور اچھے ہوتے ہیں۔ ہمہ قسم کی بُرائی کی ترغیب و تحریص کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں اور کوئی شخص انہیں بُرائی کی جانب مائل و قائل اور مجبور نہیں کر سکتا۔ دوم وہ افراد جو سر تا پا بُرے ہوتے ہیں اور ہر ذریعہ وطریقہ استعمال کرتے ہوئے سخت ترین نگرانی کے باوجود بھی بُرائی کر گزرتے ہیں۔ سوم وہ افراد جو اس وقت تک موزوں ومناسب رویہ اختیار کرتے ہیں جب تک انہیں جوابی وانتظامی کارروائی کا خوف وخدشہ رہتا ہے لیکن جیسے ہی انہیں اس امر کا کم وبیش امکان نظر آتا ہے

کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے تو وہ ناانصافی اور زیادتی کا ارتکاب کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ بدقسمتی سے پہلی قسم کے افراد کی تعداد انتہائی قلیل ہوتی ہے۔ انہیں نہ تو کسی رہبر و رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ تعزیرات کے نفاذ کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اگلی دو اقسام کے لئے معاشرتی مفاد کی خاطر تعزیرات کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسروں کو نقصان پہنچانے کا مزاج یا تو بیماری ہوسکتی ہے یا غلط تعلیم و تربیت کی وجہ سے مجرمانہ حیوانیت ہوسکتی ہے یا کوئی اور وجہ ہوسکتی ہے۔ دوسری قسم کے افراد کی تعداد بھی خوش قسمتی سے زیادہ نہیں ہوتی اور ان افراد کی طرف سے پہنچنے والے ممکنہ نقصان کے سدِ باب کے لئے کوشش و کاوش کی جانی چاہیے۔ افراد کی از حد کثیر تعداد کا تعلق تیسری یا درمیانی قسم سے ہوتا ہے۔ انہیں تعزیرات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن کس قسم کی؟

310 یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر سردار و سربراہ بذاتِ خود بُرے ضمیر کا مالک ہو اور ممنوعہ افعال و اعمال کا ارتکاب کرتا ہو تو وہ ان اعمال و افعال کے متعلق دوسروں کی سرزنش و فہمائش کرنے کی کبھی جرأت و جسارت نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جڑ پر ضرب لگائی ہے اور ببانگ دہل اعلان کیا ہے کہ چاہے وہ حکمران ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو کوئی بھی فرائض کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے عمل کیا اس امر کا متقاضی ہے کہ سربراہ ریاست عدالت کے رُوبرو جوابدہی کے لئے پیش ہونے کی ہمت و حوصلہ رکھتا ہو۔ یہ اسلامی عدالتی روایت رہی ہے کہ غلطی کی صورت میں قاضیوں (ججوں) نے حکمرانوں کے خلاف فیصلہ دینے میں کبھی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

311 دوسری تہذیبوں کی طرح اسلامی مادی تعزیرات کی تفصیلات بیان کرنا بلاضرورت ہے تاہم قانون و قواعد کے نفاذ، عوام کی محافظت و حفاظت اور ملکی باشندوں کے مابین باہمی تعلقات میں امن و سکون کے قیام جیسی خدمات کی فراہمی کی خاطر عوام سے مالی تعاون حاصل کیا جاتا ہے اور اگر کوئی فرد ظلم و زیادتی اور تشدد و جبر کا شکار ہوتا ہے تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور پولیس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ملزم کو منصفین (جج) کے رُوبرو پیش کرے کہ جن کے فیصلہ پر بالآخر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

312 بہتر معاشرے کا تصور پیش کرتے ہوئے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرم کے لئے ایک اور سزا کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے روحانی اُخروی سزا جو کہ مادی و دنیاوی سزا سے زیادہ مؤثر و مجرب ہے۔ انصاف کے تمام انتظامی تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ موت کے بعد لازماً دوبارہ زندہ کیا جانا ہے اور پھر روزِ محشر رب ذوالجلال ہی جزا و سزا کا فیصلہ سنائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مومن و مسلمان تب بھی اپنے فرائض کی بجا آوری جاری رکھتا ہے جب اسے یہ علم ہوتا ہے کہ ان احکامات پر عمل پیرا نہ ہونے کی صورت میں اسے کوئی دنیاوی سزا نہیں ملے گی نیز یہ کہ وہ ہمہ

قسم کے دنیاوی لالچ کے وجود اور بدلہ وانتقام سے محفوظ ہونے کی ضمانت کے باوجود دوسروں کو نقصان پہنچانے سے رکا رہتا ہے۔

313 تین گنا تعزیر [1 حکمران و رعایا کے لئے مساوی قانون کا نفاذ 2 مادی تعزیر 3 روحانی تعزیر] نے اسلامی قوانین پر عمل درآمد اور ہر فرد کے حقوق وفرائض کی عملداری ومحافظت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس میں ہر سزا دوسری سزا کی اثر آفرینی کو دوچند کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ نظامِ تعزیرات اس نظام سے زیادہ مؤثر و کارگر ہے کہ جس میں محض ایک ہی تعزیر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قانون سازی:

314 اس حقیقت کو بہتر اور عمدہ طور پر سمجھنے کے لئے کہ رب قادر وقدیر سب سے بڑا اور اعلیٰ وارفع قانون ساز ہے ہمیں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا ہوگا۔

315 اسلام رب وحدہٗ لاشریک پر یقین رکھتا ہے۔ وہ رب جو نہ صرف خالق ومالکِ کائنات ہے بلکہ حی و قیوم بھی ہے اور اسی نے ہی اس کائنات کو قائم رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مطلق و برتر اور ماورائے ادراک ہے۔ وہ انسانی خیال وتصور سے بالاتر ہے۔ وہ حاضر و ناظر، قدیر و قادر، منصف و عادل اور رحمٰن و رحیم ہے۔ اپنے کرم و التفات سے رب کریم وعظیم نے انسان کو عقل ودلیل کی نعمت سے نوازا اور انسانوں ہی میں سے منتخب کردہ رہبر و رہنما بھیجے جو رب دوجہاں کی ایسی ہدایات واحکامات کو لوگوں تک پہنچاتے تھے جو انسانی معاشرہ کے لئے ازحد مفید وکارآمد ہوتی تھیں۔ اس ذات پاک نے ماورائے ادراک ہونے کی بناء پر آسمانی قاصدوں کے ذریعے اپنے منتخب بندوں پر اپنے پیغامات نازل فرمائے۔

316 رب تعالیٰ کی ذات پاک کامل واکمل اور ازلی وابدی ہے جبکہ اس کے برعکس انسان مستقل طور پر ارتقائی منازل میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رائے نہیں بدلتا۔ خدا اپنے بندوں سے ان کو ودیعت کردہ مختلف انفرادی صلاحیتوں کے مطابق ہی تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون سازی کے حوالے سے بعض تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ ہر کوئی یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی بنیاد خدائی احکامات پر استوار ہے۔ جہاں تک دنیاوی قوانین کا تعلق ہے تازہ ترین قانون سابقہ تمام قوانین کو منسوخ کر کے ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہی صورتِ حال خدائی احکامات کے حوالے سے بھی سچی اور درست ہے۔

317 مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید، عربی زبان کی ایک ایسی کتاب ہے جو رب قادر وقدیر کے ان احکامات پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیٔ آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاران پر عمل کریں۔ معلّمِ کائنات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب علیم وخبیر کا پیغمبر ہونے کے ناتے قرآن پاک کے مقدس مواد ومتن کی وضاحت کی اور مزید ہدایات بھی دیں جنہیں حدیث کی

شکل میں محفوظ کرلیا گیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور اسوہ حسنہ بھی شامل ہے۔

318 یہ بات کسی شک وشائبہ سے بالاتر ہے کہ کسی اتھارٹی کی جانب سے نافذ کردہ قوانین یا تو وہی اتھارٹی منسوخ کر سکتی ہے یا اس سے بالاتر اتھارٹی کر سکتی ہے مگر اس سے کم تر اتھارٹی ایسا نہیں کر سکتی۔ پس ایک خدائی حکم کو صرف اور صرف بعد میں آنے والے خدائی حکم ہی سے منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود منسوخ کر سکتے ہیں یا رب خبیر وبصیر کی ذات پاک ایسا کر سکتی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پیروکار یا کوئی اور ایسا ہرگز نہیں کر سکتا لیکن اس نظریاتی پہلو کی یہ سختی اسلام میں عملی طور پر لچکدار ہو جاتی ہے تاکہ انسان کو یہ اجازت دی جا سکے کہ وہ ہنگامی صورت حال اور حادثاتی حالات کی مجبوری کے تحت امکانی حد تک اپنے آپ کو ڈھال لے۔

318 (الف) قوانین چاہے وہ خدائی ہی کیوں نہ ہوں یا انہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا ہو، سب کی ایک جیسی وسعت واہمیت اور ایک جیسا دائرہ کار واختیار نہیں ہوتا۔ ان میں سے کچھ لازمی فرائض ہوتے ہیں۔ کچھ کی محض سفارش کی جاتی ہے جبکہ کچھ کو لوگوں کی مرضی ومنشاء پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قوانین کے ذرائع اور منبع وماخذ کا مطالعہ اس بات کی تصدیق وتوثیق کرتا ہے کہ لازمی فرائض کی تعداد بہت کم ہے۔ سفارش کردہ احکامات کی تعداد ان سے زیادہ ہے جبکہ وہ معاملات کہ جن کے متعلق قانونی مواد ومتن خاموش ہے ان کی تعداد بے شمار ہے۔

318 (ب) ایک کم تر اتھارٹی اگرچہ قانون کو تبدیل نہیں کر سکتی تاہم اس کی تشریح وتوضیح کر سکتی ہے۔ اسلام میں تشریح وتوضیح کرنے کی اہلیت وقابلیت پر کسی کی اجارہ داری کا تصور نہیں ہے۔ ہر وہ فرد جو موضوع ومضمون کا مطالعہ کر رہا ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی تشریح وتوضیح کرے۔ ایک بیمار شخص کبھی بھی اپنی بیماری کے علاج کے لئے کسی شاعر سے مشورہ نہیں کرے گا چاہے اس شاعر نے نوبل انعام ہی کیوں نہ جیتا ہو۔ اسی طرح کوئی فرد مکان کی تعمیر کے لئے کسی سرجن کی بجائے کسی انجینئر سے مشورہ لے گا۔ بعینہٖ کسی فرد کو قانونی سوالات کے جوابات کے لئے لازماً قانون پڑھنا چاہیے اور اس مضمون میں اپنا علم کامل واکمل کرنا چاہیے۔ متعلقہ پیشہ سے منسلک افراد کی بجائے کسی دوسرے سے رائے اور مشورہ لینا یونہی علی الٹپ ہوگا۔ کسی ماہر ومتخصص کی تشریح وتوضیح حالات کے مطابق عمل پیرا ہونے کا امکان پیدا کرے گی چاہے وہ حکم الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیٔ آخر الزمان اور ختم الرسل ہونے سے اس تمام دنیا کو بالآخر فنا ہونے کے لئے چھوڑا ہے اور اب اس بات کا قطعی کوئی امکان نہیں ہے کہ خدائے واحد کی جانب سے نئی وحی یا نئے احکامات اُتریں گے جو تشریح وتوضیح کے اختلاف کی صورت میں مسائل کا فیصلہ کریں گے۔ چونکہ تمام لوگ ایک ہی انداز سے نہیں سوچتے اس لئے رائے کا اختلاف واضح طور پر لازمی امر ہے۔ یہ بات بھی لائقِ توجہ

ہے کہ تمام منصفین (جج)، فقہاء یا دوسرے ماہرین قانون بہر حال انسان ہی ہیں اور اگر ان کی آراء کا آپس میں باہمی اختلاف ہوتا ہے تو لوگ یقینی طور پر اس کی رائے پر عمل پیرا ہوں گے جو ان میں زیادہ وقیع اور معتبر و مستند ہو گا۔ عدالتی مقدمہ بازی میں جج کے فیصلہ پر عمل درآمد کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے معاملات میں ہر مکتبۂ فکر کے پیروکار اپنے ہی فقہاء کو ترجیح دیتے ہیں۔

318 (ج) داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ایک معروف واقعہ کا حوالہ ضروری ہے اسے محدثین کی کثیر تعداد نے بیان کیا ہے۔ یمن کے لئے نامزد اور مقرر کردہ قاضی حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا عہدہ سنبھالنے کے لئے جانے سے پہلے رخصت لینے کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری دی۔ اس ملاقات میں امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ''آپ کس بنیاد پر مقدمات کا فیصلہ کریں گے؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''اللہ کی کتاب قرآن مجید کے احکامات کے مطابق فیصلے کروں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ ''اگر قرآن پاک میں اس بارے کوئی اصول ضابطہ نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''پھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے رجوع کروں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا۔ ''اور اگر وہاں سے بھی کوئی اصول ضابطہ یا عمل نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟'' حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ علیہ نے کہا۔ ''ٹھیک ہے پھر میں اپنی ذاتی رائے کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی کوشش کروں گا۔'' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور کسی قسم کی تنبیہ کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''حمد و ثنا ہے خدائے بزرگ و برتر کی اس نے اپنے نمائندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نمائندہ (حضرت معاذ ابن جبلؓ) کی ایسی رہبری و رہنمائی فرمائی کہ جس نے رب تعالیٰ کے نمائندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوش کر دیا۔'' ایک ایماندار اور فرض شناس صحابیؓ کی انفرادی و ذاتی رائے کی کوشش اور عقل سلیم کا استعمال نہ صرف قانونی ارتقاء کے ایک ذریعہ کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی و خوشنودی بھی حاصل کرتا ہے۔

318 (د) یہ امر قابلِ ذکر و لائقِ فکر ہے کہ کسی نئے مسئلہ پر قانون سازی کرتے ہوئے یا قرآن پاک کے مقدس و منزہ متن و مواد کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے یا اسلامی قانون کے کسی معاملے کے حوالے سے ارتقائی مرحلہ میں (چاہے اس کی بنیاد اجماع پر ہی کیوں نہ قائم ہو) یہ امکان ہمیشہ رہتا ہے کہ ایک قاضی کی طرف سے ایک عمل میں اپنائے گئے ایک ضابطے کو بعد ازاں دوسرا قاضی اسی عمل میں دوسرے ضابطہ سے بدل دیتا ہے۔ یہ ایک فرد کی رائے کی دوسرے فرد کی رائے میں تبدیلی اور اجماع کی جگہ دوسرے اجماع کے لینے کا عمل ہے یاد رہے کہ یہ صرف قاضیوں، ججوں اور فقہاء کی آراء کا حوالہ ہے اور اس بات کا تعلق قرآن مجید یا مستند و معتبر حدیث سے قطعی نہیں ہے۔

319 تاریخ کے اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ ''قانون سازی'' کے اختیارات اسلام میں غیر سرکاری

جید و متبحر علماء کے پاس رہے ہیں جو کسی قسم کی حکومتی مداخلت سے مکمل طور پر آزاد تھے۔ اس نوع کی قانون سازی پر نہ تو روزمرہ کی سیاست اثر انداز ہوتی تھی اور نہ ہی وہ کسی خاص فرد کے ذاتی مقاصد کی تکمیل کرتی تھی چاہے وہ سربراہِ ریاست ہی کیوں نہ ہو تمام مصنفین اور فقہاء و قاضی مساوی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے مالک تھے اور ان میں سے ہر کوئی آزادانہ طور پر دوسرے پر تنقید کر سکتا تھا۔ یوں مسئلے کے تمام پہلو سامنے آنے کے امکانات پیدا ہو جاتے تھے۔ نتیجتاً فوری طور پر یا آنے والے وقتوں میں بہترین حل نکل آتا تھا۔

﴿320﴾ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا خدائی منبع و ماخذ اسے تمام تر تناسب میں سخت اور بے لچک پیش نہیں کرتا۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ قانون کا خدائی منبع و ماخذ کا حوالہ اسلام کے پیروکاروں میں قانون کے متعلق جلال انگیز اور رعب آمیز خوف بیدار کرتا ہے۔ یوں وہ اس پر انتہائی احتیاط اور جانفشانی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اس بات کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ قدیم فقہاء نے متفقہ طور پر اعلان کیا ہے کہ ''جو کچھ مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی نگاہوں میں بھی اچھا ہوتا ہے۔'' سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرار دیا ہے جبکہ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بتایا ہے۔ اس تناظر میں اجماع (متفقہ رائے) کو خدائی قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو لوگوں کی نظروں میں قانون کی تعظیم و تکریم میں اضافہ کرتی ہے۔

انصاف کا انتظام و انصرام:

﴿321﴾ قرآنی قانون سازی کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس نے مختلف قومیتوں کو عدالتی خودمختاری عطا کی ہے۔ ہر فرد پر قرآنی قانون کے نفاذ کی بجائے (اسلام نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے) ہر گروہ و گروپ مثلاً عیسائی، یہودی، مجوسی وغیرہ کے اپنے اپنے دیوانی اور فوجداری قوانین ہونا چاہئیں جو انسانی معاملات کی تمام شاخوں پر لاگو ہوں۔ اگر جھگڑے کے فریقین مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے ہوں تو پھر ایک غیر سرکاری بین الاقوامی قانون کے تحت فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسلام ''حکمران'' قومیت کے اندر ہر شخص کو سمونے اور جذب کرنے کی بجائے اپنی تمام رعایا کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے پیراگراف 293)

﴿322﴾ جہاں تک مسلمانوں کے مابین انصاف کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے تو اس کی سادگی سے قطع نظر ''گواہوں کی سچائی'' زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ اس ضمن میں ہر عدالتی ٹربیونل کے دائرۂ اختیار کے حلقہ میں ایک عوامی ریکارڈ کا محافظ خانہ تشکیل دیا جانا چاہیے جہاں پر اس علاقے کے ہر فرد کے کردار اور عادات و اطوار بارے ریکارڈ محفوظ ہوتا کہ جب بھی ضرورت پڑے تو علم ہو سکے کہ عدالت میں پیش ہونے والا گواہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں۔ صرف مخالف فریق پر یہ نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہ شہادت و گواہی کی قدر و قیمت کو کمزور کرے۔ قرآن پاک اس

حوالے سے واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ

(سورۃ النور، آیت:4)

ترجمہ "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں 80 دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔"

قانون کا ماخذ و ترقی:

323 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو مذہبی عقائد کی تعلیم دی اور خصوصی طور پر عقیدۂ جزا وسزا سے آگاہ وآشنا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر شعبہ ہائے حیات کے حوالے سے انفرادی واجتماعی اور دنیاوی وروحانی قوانین اور قواعد وضوابط سمجھائے۔ مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی ریاست کی تخلیق کی جس کا پہلے کوئی تصور وجود نہیں تھا اور پھر اس ریاست کا نظم ونسق بھی سنبھالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افواج کی تشکیل وترتیب سرانجام دی اور پھر اس کی سربراہی اور سالاری بھی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کاری اور خارجہ تعلقات کا مربوط نظام ترتیب دیا پھر اس کو کنٹرول بھی کیا اور اگر کوئی مقدمہ بازی ہوتی تھی تو یہ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو اپنی "رعایا" کے مابین فیصلے فرماتے تھے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے ماخذ کا مطالعہ کرنے کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہائش پذیر تاجروں اور قافلہ سالاروں کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے۔ اپنی جوانی کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن، عمان اور فلسطین کے تجارتی قبیلوں اور منڈیوں میں شرکت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطن شہری تجارتی مقاصد کے تحت عراق، مصر اور حبشہ بھی جایا کرتے تھے۔ جب داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغی زندگی کا آغاز کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں کے پُرتشدد ردعمل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطنی پر مجبور کیا اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی جہاں کے باشندوں کا بنیادی ذریعۂ آمدنی زراعت تھا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاستی زندگی کو منظم کیا۔ پہلے شہری ریاست کی تشکیل کی جو بتدریج ترقی کرتے ہوئے ایک مکمل ریاست کی شکل اختیار کرگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے لمحات میں یہ ریاست مکمل جزیرہ نمائے عرب، جنوبی عراق کے کچھ علاقوں اور فلسطین پر محیط ومشتمل تھی۔ عرب سے بین الاقوامی قافلے وکارواں گزرتے تھے۔ یہ حقیقت تاریخ کا حصہ ہے کہ ساسانیوں اور بازنطینیوں نے عرب کے کچھ حصوں پر قبضہ کرکے انہیں نوآبادیات یا

محروس علاقوں کی شکل دے دی تھی۔ خاص طور پر مشرقی عرب کے تجارتی میلوں میں ہندوستان و چین کے ساتھ ساتھ ''مشرق و مغرب'' سے تاجر ہر سال پہنچتے تھے اور ان میں بھرپور حصہ لیتے تھے (بحوالہ ابن الکلبی، المسعودی) عرب میں نہ صرف خانہ بدوش بدوی رہتے تھے بلکہ ایسے افراد بھی رہائش پذیر تھے کہ جنہوں نے ایتھنز اور روم جیسے شہروں کے قیام سے قبل یمنی جیسی تہذیبوں کو جنم دیا۔

324 اسلام نے آتے ہی ملک کے رسمی و رواجی قوانین کو ریاستی قوانین اور قواعد و ضوابط میں بدل دیا اور داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حکمران اپنے خصوصی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف قدیم رسومات میں ترامیم کیں بلکہ بالکل نئے قوانین بھی نافذ کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ پیغمبر خدا کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقابل بیان اور انتہائی غیر معمولی عزت و احترام حاصل تھا۔ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ عمل بھی مسلمانوں کے لئے حیاتِ مستعار کے ہر شعبہ و میدان میں قانون کا درجہ و رتبہ رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ رسم و رواج جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رُوبہ عمل لایا گیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جائز سمجھا۔ قانون سازی کا یہ سہ پہلو ذریعہ و طریقہ (1 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا کردہ تمام الفاظ جن کی بنیاد خدائی الہام اور وحی پر ہوتی تھی 2 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال 3 اپنے پیروکاروں کے بعض اعمال اور رسومات و رواج کی خاموش رضامندی و منظوری) قرآن اور حدیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی قواعد و ضوابط کا استخراجی اور تشریحی و وضاحتی ذریعہ و طریقہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ یہ طریق کار سربراہ ریاست کی بجائے فقہاء کرام اس وقت استعمال کرتے تھے جب قانون خاموش ہوتا تھا۔ درحقیقت معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں (صوبائی انتظامی مراکز کا تو ذکر ہی کیا حتیٰ کہ دارالخلافہ میں) جج اور فقہی مشیر ہوتے تھے ہم حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ کو یمن کی جانب بطور جج (قاضی) روانہ کرتے وقت دی گئی ہدایات کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ بعض ایسے معاملات بھی ہوتے تھے جب صوبائی حکومتیں ہدایات کے لئے مرکزی حکومت سے استدعا کرتی تھیں جبکہ بعض اوقات اعلیٰ اتھارٹی کے علم میں اگر کسی نچلی اتھارٹی کے غلط فیصلے کی اطلاع آتی تھی تو وہ ازخود مداخلت کرتی تھی۔ قدیم رسومات اور رواجوں کی تبدیلی یا ترمیم یا کسی ملکی قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا عمل رفتہ رفتہ اور درجہ بہ درجہ ہوتا رہتا تھا کیونکہ جج صرف انہی معاملات میں مداخلت کیا کرتے تھے جو ان کے علم میں لائے جاتے تھے۔ وہ واقعات جو جج کے علم میں نہ لائے گئے اور جنہیں فریقین نے قانون سے لاعلمی کی بنیاد پر اپنی سہولت کے مطابق سرانجام دیا لازمی طور پر بے شمار اور لاتعداد ہوتے ہوں گے۔ مثلاً ایک مسلمان نے اپنی ہی سوتیلی بہن سے شادی کر لی اور جب یہ معاملہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں لایا گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعلقہ شخص سے وضاحت طلب کی تو اس نے

جواب دیا کہ اسے یہ قطعی علم نہیں تھا کہ یہ عمل ناجائز اور ممنوع ہے۔ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں میں علیحدگی کرائی اور اس شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن کے نقصان کا مالی طور پر ازالہ وتلافی کرے مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے محرم سے ناجائز تعلقات کی بناء پر سزا نہیں دی۔

325 داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے احکاماتِ الٰہی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ ایسا سلسلہ وذریعہ تھا کہ جس سے ہمہ قسم کے قانون کا حکم دیا جاتا تھا یا قدیم رسم ورواج کو یا روایت وعمل کو منسوخ یا ترمیم کیا جاسکتا تھا۔ بعدازاں مسلمانوں نے اسی قانون سازی پر اکتفا کیا جو کہ معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے تشکیل وترتیب دی ہوئی تھی۔ اور اس قانون سازی کے تحت دیئے گئے اختیارات کے مطابق اس میں ترقی کے ذرائع استعمال کیے۔ ''ترقی'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو قوانین اور قواعد وضوابط داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیے انہیں منسوخ کر دیا جائے۔ (معاذ اللہ) بلکہ قانون کی خاموشی کی صورت میں قانون کو جاننے کی کوشش وکاوش کرنا ہے۔

326 کلامِ الٰہی قرآن مجید، فرقانِ حمید کئی مواقع پر بعض معاملات میں کچھ پابندیاں لگانے کے بعد باقی سب کچھ جائز قرار دے دیتا ہے۔ پس وہ سب کچھ جو داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کردہ قوانین اور اصول وضوابط کے خلاف نہیں جائز ہے اور وہ قانون بن جاتا ہے۔ غیر ممالک کے قوانین حتیٰ کہ رسومات نے اکثر وبیشتر مسلم فقہاء کے لئے خام مواد فراہم کیا ہے تاکہ جو قواعد وضوابط اسلام کے موافق ومطابق نہیں انہیں ختم کر دیا جائے اور بقایا کو جائز قرار دے دیا جائے۔ یہ طریقہ دائمی ودوامی ہے۔

327 قرآن پاک کی ہدایت کی روشنی میں ایک اور ذریعہ وطریقہ شاید حیران کن ہے۔ وہ یہ کہ سابقہ پیغمبروں پر جو احکامات نازل کیے گئے وہ مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہیں۔ قرآن مجید نے ان پیغمبروں میں سے بعض کے نام بھی لئے ہیں مثلاً ''حضرت یونس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ...... درحقیقت ان کی رسائی اور دائرہ کار محض ان الہامات اور وحیوں کے نزول تک ہی محدود تھا کہ جن کا معتبر ومستند ہونا ہمہ قسم کے شک وشائبہ سے بالاتر تھا جسے قرآن یا حدیث نے واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس ضمن میں قصاص اور بدلہ کا قانون مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو کہ دراصل تورات میں یہودیوں کے لئے نافذ کیا گیا تھا تاہم یہ سابقہ بنیاد پر مسلمانوں پر بھی لاگو ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾

(سورۃ المائدہ، آیت: 45)

ترجمہ ''اور ہم نے ان (یہودیوں) پر اس کتاب (تورات) میں لکھا تھا کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

328 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے محض پندرہ برس بعد مسلمان تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے وسیع علاقوں پر حکومت کر رہے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساسانیوں کی حکمرانی (حکومتی محصولات کی وصولی) کو بہتر پایا تو انہیں عراق اور ایران کے صوبوں میں اپنی عملداری جاری رکھنے کا حکم دیا جبکہ بازنطینیوں کو ظالم اور غیر منصف پایا تو انہیں شام اور مصر سے تبدیل کر دیا۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ تمام تر پہلی صدی ہجری قبولیت، استقامت اور قلب ماہیت کی غمازی و عکاسی کرتی تھی۔ مصر سے دریافت ہونے والی کاغذی دستاویزات مصری حکومت وحکمرانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز کے قانونی قواعد وضوابط ہمیں ملتے ہیں جو غیر سرکاری فقہاء نے مدون ومرتب کیے جن میں سے ایک فقیہ زید ابن علی ہیں جو 120 ہجری میں فوت ہوئے۔

329 یمن کو قدماء اگر ''پُر مسرت عرب'' کہتے تھے تو بلاوجہ نہیں کہتے تھے۔ قبل از مسیح کے قدیمی دور میں اس کے بہتر طبعی حالات، لاجواب ثقافت وتہذیب اور دولت کے ساتھ ساتھ طاقتور حکومت نے اسے عرب کے دوسرے علاقوں پر بے مثل و بے مثال فوقیت وفضیلت دے دی تھی۔ عیسائی دور کے آغاز پر چند یمنی قبائل ہجرت کر کے عراق پہنچے جہاں انہوں نے حیرہ کی ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو طلوع اسلام تک قائم رہی اس دوران یمن پر یہودی حکمران ذونواس نے حکمرانی کی جبکہ حبشیوں کے زیر اثر عیسائی حکومت کے بعد ایرانی مجوسیوں نے اقتدار سنبھالا اور پھر انہوں نے حکمرانی اسلام کے حوالے کی۔ یمنی اس کے بعد دیگر ے حکومتی تغیر وتبدل سے تحت پریشان ہو کر ایک بار پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہجرت کر کے عراق جا بسے۔ اب انہوں نے خاص طور پر کوفہ کے ایک حصہ میں رہائش اختیار کی جو قدیم شہر حیرہ کے قریب ہی نیا ٹاؤن بنایا گیا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور ومعروف قاضی اور داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں پر ایک مدرسہ چلانے کی غرض سے بھیجا۔ اس مدرسہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جانشین علقمہ النخاعی، ابراہیم النخاعی، حماد اور ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہم سبھی فضل ربانی سے ماہرین قانون تھے۔ اس دوران حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک ساتھی اور عظیم قاضی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت وخلافت کی مسند کو مدینہ سے کوفہ منتقل کیا۔ یوں یہ ٹاؤن مسلسل غیر مداخلتی روایات کا مرکز بن گیا اور اس نے قانونی معاملات میں روز افزوں شہرت

حاصل کی۔

330 منصفین (جج)، قاضیوں اور فقہاء کو حکومتوں کی جانب سے کسی قسم کی مداخلت کے بغیر آراء کے اظہار میں مکمل آزادی دینے کی وجہ سے قانون کی سائنس نے ازحد ترقی کی تاہم اسے چند مشکلات و مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ایک تجربہ کار اعلیٰ سرکاری انتظامی عہدہ دار نے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں تحریر کردہ اپنی ''کتاب الصحابہ'' میں اس امر کی شکایت کی ہے کہ اسلامی نظیری قانون (چاہے وہ تعزیری ہو، حیثیت عرفی کا ہو یا کوئی اور ہو) کے حوالے سے خاص طور پر بصرہ اور کوفہ کے فقہاء کی بہت زیادہ تعداد میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے خلیفہ کو تجویز و مشورہ دیا ہے کہ عدالتوں کے فیصلوں پر نظر ثانی کی خاطر ایک عدالت علیا جیسا ادارہ وجود میں لایا جائے اور یہ کہ سلطنت کے تمام حصوں اور علاقوں میں بالکل ایک جیسا مساوی قانون نافذ کیا جائے یہ تجویز لاحاصل ثابت ہوئی۔ اس کے ہم عصر ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ قانون کی سائنس کی آزادی کے خلاف تھے اور وہ اسے ہر لحظہ بدلتی سیاست کے ہنگامہ و ہلچل سے محفوظ و مامون رکھنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے عدالت علیا یعنی سپریم کونسل کی بجائے قانون کی اکیڈمی بنائی جس کے 40 ممبران تھے اور ہر ممبر قانون کی مددگار سائنس (مثلاً قرآن، حدیث، منطق، لغت نویسی وغیرہ) کا ماہر اور متخصص تھا۔ اس اکیڈمی نے اس دور کے نظیری قانون کی جانچ پرکھ اور قوانین کی تدوین کے ساتھ ساتھ اس امر کی ذمہ داری سنبھالی کہ اسلامی قانون کے مختلف نکات کے اس خلاء کو پُر کرنے کی کوشش کی جائے کہ جہاں مواد و متن بھی خاموش ہے اور نظیری قانون نے بھی کسی قسم کی نظیر پیش کر کے کوئی رائے نہیں دی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ (وفات 150 ہجری) کے ایک سوانح نگار کے مطابق ''ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ قواعد و ضوابط کے نفاذ کا اعلان کیا'' (بحوالہ الموفق) اسی دور میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں جبکہ الاوزاعی نے شام میں اسی نوع کے کام کی ذمہ داری سنبھالی لیکن انہوں نے یکہ وتنہا اپنے علم اور ذاتی ذرائع پر انحصار کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن اور حدیث کو قانون کی اساس بنا کر دلیل و استدلال پر زور دیا جبکہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے مزین و منور شہر مدینہ کے رہائشیوں کے روزمرہ کو ترجیح دیتے ہوئے استخراج یا منطقی تشریح وتوضیح کی۔

331 شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے محض چند ماہ بعد قرآن مجید فرقان حمید کی ''اشاعت وطباعت'' ہوئی۔ داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے ساتھ ساتھ اپنے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے بعض اعمال پر آپ صلی اللہ علیہ وسم کی خاموش منظوری وقبولیت کے مواد (حدیث) کی تدوین کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں کچھ افراد نے ذمہ داری کے ساتھ شروع کر دیا تھا جبکہ بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی اور افراد بھی اس میں شامل ہو گئے۔ داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنے والی نسلوں (اخلاف) کے لئے یادداشتیں

قابلِ قدر روایات کی شکل میں چھوڑی ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق پچاس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں تحریر کیا جبکہ دوسروں نے زبانی کلامی انہیں بیان کیا۔ بہت اعلیٰ دارفع قانونی قدرو قیمت کا یہ مواد ان تین براعظموں میں تقسیم کیا گیا جہاں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آنے والی نسلوں (اخلاف) میں محققین نے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انفرادی یادداشتوں کی بنیاد پر زیادہ جامع مقالے و رسالے ترتیب وتشکیل دیئے۔

332 نظریۂ قانون کی جانچ پرکھ اور حدیث کی تدوین ایک ہی وقت میں متوازی ، مساوی طور پر مکمل ہوئی تاہم ایک نے دوسرے کو نظر انداز بھی کیا اور شکوک وشبہات بھی پیدا کیے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس سال پیدا ہوئے جس سال حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فوت ہوئے (150 ہجری)۔ فقہاء نے اپنے باہمی اختلافات یا مناظروں کے باعث حدیث کا دائرہ کار زیادہ اختیار کیا جبکہ حدیث کے ماہرین ومتخصصین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے متعلق مواد کو جامع شکل دی تاکہ اس کی بنیاد پر کسی فقیہ کے ترسیلی ذرائع کی جانچ پرکھ کے ساتھ ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے سیاق وسباق اور اوقات کا تعین ممکن ہو اور یوں قانون کے استخراج کا مقصد حاصل کیا جا سکے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے بیک وقت قانون اور حدیث دونوں میں مہارت اور تخصص حاصل کیا۔ یوں ان کی اعلیٰ وارفع ذہانت وفطانت اور کوشش و کاوش سے دونوں شعبوں کے ملاپ ومرکب کا طریقہ وسلیقہ دریافت ہوا۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ عالمی تاریخ میں فردِ اول ہیں کہ جنہوں نے قانون کی مجرد ومطلق سائنس کو تخلیق کیا جو کہ ان قوانین سے مختلف ہے کہ جنہیں ملک میں نافذ قواعد وضوابط سمجھا جاتا ہے۔

333 ایک اور بہت بڑے حلقۂ درس، مکتبۂ فکر اور فقۂ قانون کی بنیاد حضرت امام جعفر الصادق رحمتہ اللہ علیہ نے رکھی۔ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل میں سے تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ عیہ کے ہم عصر تھے۔ یہ قدرے سیاسی قسم کی وجوہات ہی تھیں کہ جن کی بناء پر اس مکتبۂ فکر میں قانونِ وراثت کی ترقی ایک مخصوص انداز میں ہوئی۔ حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام جعفر الصادق اور کئی دوسرے فقہاء نے اپنا اپنا فقۂ قانون چھوڑا ہے۔ ان حلقہ ہائے درس اور مکتبہ ہائے فکر کے پیروکاروں نے ہمارے دور میں اسلام میں ذیلی قومیتوں کو وجود دیا ہے تاہم ان کے باہمی اختلافات کا عمل اور اثر فلسفیانہ مکتبہ ہائے فکر سے پھر بھی کم ہے۔ صدیاں گزرنے کے بعد یہ ایک عمومی تجربہ کی بات ہے کہ شافعی فقہ کے پیروکار کچھ نکات ومعاملات پر حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف کرتے ہیں اور ایسی رائے رکھتے ہیں جو حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ یا حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تھی جبکہ اس کے برعکس دوسرے ائمہ کرام کے حوالے سے بھی یہی صورتِ حال ہے۔

334 اسلامی ''سلطنت'' بہت جلد وسیع وعریض علاقوں تک پھیل گئی۔ ان علاقوں میں پہلے مختلف قسم کے

قانونی نظام رائج تھے جن میں ایرانی، چینی، ہندوستانی، بازنطینی، قوطی اور دوسرے شامل تھے جبکہ ان میں اولیں عربی مسلمانوں نے بھی مقامی طور پر اپنا کردار ادا کیا۔ یوں کسی واحد غیر ملکی قانونی نظام کو مسلم قانون پر اثر انداز ہونے کی اجارہ داری کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اسلامی فقہ کے بانیوں میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فارسی النسل تھے جبکہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام جعفر الصادق رحمتہ اللہ علیہ عربی تھے۔ سوانح نگار الذہبی کے مطابق الاوزاعی رحمتہ اللہ علیہ بنیادی طور پر سندھی تھے جبکہ آنے والے زمانوں میں تمام نسلوں سے تعلق رکھنے والے مسلم فقہا ظہور میں آئے۔ یوں مسلم قانون کی ترویج و ترقی ایک ''بین الاقوامی'' مہم جوئی تھی جس میں مختلف مذہبی مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے، مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف رسومات کی پیروی کرنے والے مسلم فقہاء نے حصہ لیا۔ ان میں عرب کے ساتھ ساتھ سپین، پرتگال، سسلی، چین، حبشہ، ہندوستان، ایران، ترکی کے علاوہ اور کئی ممالک کے مسلمان شامل تھے۔

(335) تمام ممالک میں یہ عجیب عمل دیکھنے میں آیا ہے کہ چند شدید وطن پرست اور آزادانہ خیال اور رائے سے محروم افراد ایک بزرگ استاد کی تعلیمات پر من وعن عمل کرنے کے لئے ہر قربانی دینے کے آرزومند ہوتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے افراد نافرمانی کی مہم جوئی کرتے نظر آتے ہیں لیکن سنہری اصول اور طریقے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ احساس کمتری کے بغیر کوئی بھی فرد جو ضروری معلومات کا حامل ہو اور مومن باعمل بھی ہو تو وہ عملی توضیح و تشریح کی تلاش میں کبھی بھی مشکل کا سامنا نہیں کرے گا حتیٰ کہ وہ مناسب جواز اور دلیل کے ساتھ قدماء کی آراء میں ترمیم کرے گا۔ ایک عظیم فقیہ کس قدر وثوق اور اعتماد کے ساتھ ہمیں بتاتا ہے کہ نہ صرف ذاتی آراء بلکہ قدیم اجماع کو بھی جدید اجماع سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

نتیجہ:

(336) مسلم قانون ایک ریاست اور حکمران قومیت کے قانون کے طور پر شروع ہوا۔ یوں اس نے حکمران قومیت (جبکہ مسلم حکومت کا حجم بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک وسیع ہو چکا تھا) کے مقاصد کی تکمیل کی۔ اس میں موروثی اہلیت وصلاحیت تھی کہ یہ وقت اور علاقے کی صورتِ حال اور ہنگامی ضرورت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتے ہوئے ترقی کر سکتا تھا۔ اس نے لمحۂ موجود تک اپنی اثر آفرینی کو زائل نہیں ہونے دیا۔ درحقیقت اس نے نیکی اور اچھائی کے وسیلہ و واسطہ کے طور پر ان مسلم ممالک میں اپنی زیادہ سے زیادہ قبولیت و شناخت قائم کی ہے کہ جو پہلے غیر ملکی سیاسی اور فقہی غلبہ و تسلط کے زیر اثر تھے اور جملہ شعبہ ہائے حیات میں شریعہ کے دوبارہ نفاذ کے لئے کوشش و کاوش کر رہے تھے۔

❋......❋



باب 10

اسلام کا معاشی نظام

337 اسلام اپنے پیروں کاروں کے تمام ادوار اور سرگرمیوں میں روحانی کے ساتھ ساتھ مادی معاملات میں بھی رہبری وراہنمائی فراہم کرتا ہے۔ معاشیات سے متعلق بنیادی اسلامی تعلیمات کا ذکر قرآن پاک کی متعدد آیات میں کیا گیا ہے۔ مادی ترقی وخوشحالی بارے حقارت آمیز ونفرت انگیز رویہ اپنانے کی بجائے اسلام مال کو زندگی کے قیام کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

(سورۃ النساء، آیت:5)

ترجمہ ''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمھاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نا سمجھوں کے حوالہ نہ کرو البتہ انہیں مالوں سے کھلاتے اور پہنتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو۔''

قرآن پاک میں مزید حکم نازل ہوتا ہے کہ:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝

(سورۃ القصص، آیت:77)

ترجمہ ''اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اسلام دُہری انسانی ترتیب وتشکیل پر زور دیتا ہے۔ یہ یاد دلاتے ہوئے کہ:

فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

(سورۃ البقرہ، آیت:200 آخری حصہ تا202)

ترجمہ ''بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے۔ اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

رب قادر و قدیر اس بات کا واضح اعلان کرتا ہے کہ جو کچھ بھی زمین، سمندروں اور آسمانوں میں ہے وہ رب خالق و مالک کا تخلیق کردہ ہے جو اس نے انسان کے فائدے کے لئے تخلیق کیا ہے۔ یا یہ کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے مثلاً سمندر، ستارے اور دوسری چیزیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کر دیا ہے۔ یہ انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کو سمجھے و جانے اور مستقبل کو پیش نظر رکھ کر عقلمندی و ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے اُن سے فائدہ اٹھائے۔

338 قرآن پاک میں اسلام کی معاشی پالیسی کی تشریح و وضاحت بڑی روشن و منور اصطلاحات کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۟

(سورۃ الحشر، آیت: 7)

ترجمہ ''جو مال اللہ نے اپنے رسول کو گاؤں والوں سے دلایا سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے اور جو کچھ تمھیں رسول دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

دولت و آسائش کے حوالے سے تمام انسانوں کے مساویانہ پہلو کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ یہ ایک خالص اور کسی آمیزش سے پاک اچھائی ہے چاہے یہ عمل کتنا ہی مثالی کیوں نہ ہو۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ تمام انسان ایک جیسی قدرتی و فطری لیاقت و قابلیت نہیں رکھتے اسی لئے اگر ایک شخص لوگوں کا ایک ایسا گروہ ترتیب و تشکیل دے جو کہ دولت و آسائش میں مکمل طور پر مساوی و برابر ہوں پھر بھی اُن میں سے فضول خرچ شخص جلد ہی مشکلات و مصائب میں گھر جائے گا اور اپنے ساتھیوں کی قسمت دیکھ کر لالچ و حسد میں مبتلا ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ نفسیاتی اور فلسفیانہ بنیادوں پر ایسا لگتا ہے کہ انسانی معاشرے کے وسیع تر مفاد کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ دولت حاصل کرنے کے درجات ہونے چاہئیں جو غریب ترین آدمی میں سخت محنت کرنے کی خواہش و تمنا اور

شوق ولگن پیدا کریں۔ دوسری طرف اگر ہر شخص کو یہ بتا دیا جائے کہ اگر وہ اپنے مقررہ فرض سے زیادہ محنت کرتا ہے تو بھی اُسے کوئی انعام نہیں ملے گا اور وہ انہی لوگوں کی طرح رہے گا جو اپنے مقررہ فرض سے زیادہ محنت نہیں کرتے۔ اِس طرح زیادہ محنت کرنے کا جذبہ ولگن رکھنے والا شخص سُست اور غفلت شعار و سہل انگار ہو جائے گا اور اُس کی لیاقت وقابلیت کا ضیاع انسانیت کے لئے ایک عظیم بدقسمتی بن جائے گا۔

339 دولت کے حصول کی درجہ بندی ہی وہ بنیادی اصول ہے جس کی بنیاد پر اسلام نے اپنے معاشی نظام کی عمارت کھڑی کر رکھی ہے۔ اگر اسلام امیروں کی اقلیت کو برداشت وگوارا کرتا ہے تو وہ اُن پر بھاری فرائض و ذمہ داریاں بھی لاگو کرتا ہے۔ امیروں کو غریبوں کے فائدے کے لئے محصولات ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اور انہیں ناجائز منافع کمانے کے غیر اخلاقی ذرائع اور دولت کی ذخیرہ اندوزی اور سود مرکب کے ذریعے دولت کے انبار لگانے سے باز رکھا جاتا ہے۔ اِس مقصد کے لئے اسلام کچھ احکامات وفرمودات کے ساتھ ساتھ امداد اور قربانی سے متعلق کچھ ہدایات بھی دیتا ہے اور امداد وقربانی کے بدلے میں دوسری دنیا کے روحانی انعام کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ مزید یہ کہ ایک طرف اسلام دولت کی کم سے کم مقدار اور اس کی خواہش انگیز وتمنا خیز کثرت وفراوانی کے مابین ضروری و لازمی فرق وامتیاز پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اُن دونوں احکامات وفرمودات کے مابین امتیاز کرتا ہے جن میں سے ایک قسم کے احکامات مادی منظوری دیتے ہیں۔ جب کہ دوسرے اس طرح کی اجازت نہیں دیتے لیکن اسلام صرف اور صرف عقیدہ و ایمان اور علم کے ذریعے ان احکامات سے متعلق خدشات کو دور کرتا ہے۔

340 سب سے پہلے ہم چند الفاظ کے ذریعے اسلامی معاشی نظام کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔ کچھ تشریحات وتوضیحات ہمیں اخلاقی پہلو کے نتائج ومعانی کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بنائیں گی۔ اسلام بڑی ہی جاندار تاکیدی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ دوسروں سے امداد مانگنا ایک نفرت انگیز فعل ہے اور روزِ محشر یہ فعل اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور شرمندگی ورسوائی کا باعث بنے گا۔ تاہم اِس کے ساتھ ہی اسلام میں اُن لوگوں کی بہت زیادہ تعریف وتوصیف بھی بیان کی گئی ہے جو کہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ درحقیقت انسانوں میں سب سے بہترین انسان وہ ہیں جو دوسروں کے لئے قربانی دیتے ہیں اور دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اس طرح لالچ وطمع اور دولت کے بے جا ضیاع سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایک روز داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عوامی مقصد کے لئے کافی مقدار میں امداد و چندے کی ضرورت آن پڑی۔ ایک صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور چندہ وامداد کچھ رقم کی پیشکش کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اُن صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''میں گھر پر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی رضی اللہ عنہ کے پُرخلوص جذبے ومحبت کی تعریف کی۔ تاہم ایک اور موقع پر ایک اور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سخت علیل تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کو تشریف لے گئے تو انہوں نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک دولت مند آدمی ہوں اور میں اپنا سب کچھ غریبوں و مفلسوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے عزیز و اقارب کے لئے زندہ رہنے کے خود مختار ذرائع چھوڑو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں پر انحصار کریں اور اُن کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔'' یہاں تک کہ دو تہائی یا آدھی جائیداد وقف کرنے سے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ بہت زیادہ ہے۔'' جب جائیداد کا ایک تہائی حصہ چندے و امداد کے طور پر دینے کی تجویز پیش کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔'' (بحوالہ البخاری)۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بوسیدہ و پھٹا پرانا لباس زیب تن کیے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اُن صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مفلس نہیں ہوں۔ میں تو صرف اپنی دولت اپنے آپ پر خرچ کرنے کی بجائے غریبوں پر خرچ کرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی اُس سخاوت و فیاضی کے نشانات دیکھنا پسند کرتا ہے کہ جن سے اُس نے اپنے بندے کو سرفراز فرمایا ہوتا ہے۔'' (بحوالہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات و نصائح میں کوئی تضاد نہیں ہے ہر ہدایت کا ایک اپنا سیاق و سباق ہے اور ہر ایک کا تعلق مختلف انفرادی واقعات سے ہے۔ ہمیں یہ موقع فراہم کیا گیا ہے کہ ہم معاشرے کے دوسرے افراد پر لاگو ہونے والے چندے و امداد کی کم سے کم لازمی و ضروری مقررہ مقدار میں اپنی مرضی و منشا اور عقل و فہم کے مطابق اضافے کا تعین کر سکتے ہیں۔

وراثت:

(341) وراثت سے متعلق دو حقوق ہیں (1) ایک شخص کا اپنی دولت کو تقسیم کرنے کا انفرادی حق (2) معاشرے کے ہر رکن کی دولت کی تقسیم سے متعلق اجتماعی حق۔ ان دونوں وراثتی حقوق کو ایک ساتھ تسلی و اطمینان بخش بننا پڑتا ہے۔ انفرادی مزاج و رویے بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ بیماری و علالت اور دوسرے حوادثِ زمانہ بھی انسان کو ہر حوالے و ہر زاویے سے متاثر کر سکتے ہیں۔ لہٰذا انسان پر اجتماعی فائدے کے حصول کے لئے کوئی ایک خاص اصول لاگو کیا جانا ضروری و لازمی ہوتا ہے۔

(342) پس اسلام نے اس سلسلے میں دو اقدامات اٹھائے ہیں (1) ایک مرحوم شخص کی اشیاء کی اُس کے عزیز و اقارب کے درمیان لازمی و ضروری تقسیم (2) وصیتوں اور عہد ناموں کے ذریعے ترکہ و ورثہ چھوڑنے پر پابندی۔ قانونی ورثاء کو وصیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں مرحوم شخص کی جائیداد میں سے شرعی قانون کے متعین کردہ حصوں کے مطابق ورثہ ملتا ہے۔ وصیت کی ضرورت صرف اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو مرحوم شخص کی جائیداد میں ورثے کا حق نہیں رکھتے۔

343 ایک ہی والدین کے بچوں میں مساوات و برابری ہوتی ہے اور ایک شخص اپنے ایک بیٹے کو چاہے وہ عمر میں بڑا ہو یا چھوٹا دوسرے بیٹے کی نسبت وراثت میں زیادہ حصہ نہیں دے سکتا چاہے وہ حصہ کم ہو یا زیادہ۔ مرحوم شخص کی چھوڑی گئی جائیداد میں سے جو پہلا خرچہ ہوتا ہے وہ اُس کی تدفین کے اخراجات ہوتے ہیں پھر جو باقی بچ جاتا ہے اُس سے قرض خواہوں کے قرضے چکائے جاتے ہیں۔ قرض کی ادائیگی کو وارثین کے حقوق پر سبقت حاصل ہے۔ تدفین کے اخراجات اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد تیسرے نمبر پر مرحوم شخص کی وصیت پر شرعی مقدار اور حدود و قیود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عمل کیا جاتا ہے تاکہ وہ مرحوم کی بقیہ جائیداد کے تیسرے حصے سے تجاوز نہ کر جائے۔ ان تمام اولین و مقدم فرائض و ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد ہی مرحوم شخص کی جائیداد کے قانونی ورثاء کی باری آتی ہے۔ شریکِ حیات (مرد ہو یا عورت) والدین، اولاد (بیٹے، بیٹیاں) وراثت کے اولین حقدار ہوتے ہیں اور انہیں ہر حالت میں وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ مرحوم شخص کے بھائی، بہنیں اور دوسرے دُور کے رشتہ دار صرف اور صرف قریبی رشتہ داروں کی عدم موجودگی کی صورت میں ہی وراثت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ ان دُور کے رشتہ داروں میں چچا، چچی، ماموں، ممانی، چچازاد بھائی و بہنیں، ماموں زاد بھائی و بہنیں، بھانجے، بھانجیاں اور بھتیجے، بھتیجیاں وغیرہ شامل ہیں۔

344 تکنیکی و فنی تفصیلات میں جائے بغیر کچھ بنیادی اصول بیان کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قاتل اپنے ہی ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کی وراثت کے وارثوں میں سے خارج ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ نادانستہ حادثے کے باعث وقوع پذیر ہونے والی موت کا معاملہ تھا۔ اِس خیال کو بیان کرنے کی بنیادی واصل وجہ وراثت کے جلد حصول کے لئے کسی امیر و دولت مند رشتہ دار کو قتل کرنے سے متعلق تمام ترغیبات کو روکنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مذاہب کے رشتہ داروں کے درمیان وراثت کی تقسیم سے منع فرمایا ہے۔ چاہے وہ دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے خاوند اور بیوی کے درمیان وراثت کی تقسیم ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم اس بارے تحائف کے ذریعے امداد اور وصیت کا حق استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان خاوند بسترِ مرگ پر بھی اپنی غیر مسلم بیوی کے نام اپنی جائیداد کا ایک حصہ وصیت کر سکتا ہے۔ قدیم مسلمان فقہائے کرام نے اپنے دور کے بین الاقوامی اور سیاسی حالات کے تناظر میں وراثت کی راہ میں ایک اور رکاوٹ کھڑی کر دی۔ یعنی اُن کے مطابق علاقے کا فرق یعنی سیاسی قومیت و شہریت وغیرہ بھی وراثت کی تقسیم میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ریاستی معاہدوں کے ذریعے بین الاقوامی نجی قانون کو باقاعدہ اور منظم کیا جا سکتا ہے۔

345 ایسے ممالک جہاں حکومت کی طرف سے اسلامی قانونِ وراثت لاگو نہیں ہوتا لیکن قانونِ وصیت تسلیم کیا جاتا ہے وہاں کے مسلمان باشندے اپنی وفات کے بعد اپنی جائیداد کی وراثت سے متعلق اپنے مذہبی فرض کی ادائیگی کے لئے قانونِ وصیت سے لازمی طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

وصیّتیں:

346 ہم نے ابھی ذکر کیا کہ قرض خواہوں اور قانونی ورثاء کے علاوہ دوسرے افراد کے لئے وصیت کے ذریعے ترکہ و ورثہ چھوڑنے کا حق صرف اور صرف جائیداد کے تیسرے حصے کی حدود و قیود کے اندر ہی قابلِ عمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کا دہرا مقصد ہے پہلا یہ کہ ایک فرد کو اُن غیر معمولی حالات و واقعات میں چیزوں کو اُن کے حالات و واقعات کے مطابق ڈھالنے کی اجازت دینا کہ جن میں عام اصول تکالیف و پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ اور جائیداد کا تیسرا حصہ اس طرح کے تمام اخلاقی فرائض و ذمہ داریوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ قانونِ وصیت کا دوسرا مقصد دولت کو صرف چند ہاتھوں میں ذخیرہ ہونے سے روکنا ہے۔ چند ہاتھوں میں دولت کی ذخیرہ اندوزی کا عمل تب وقوع پذیر ہوگا جب ایک شخص اپنے قریبی عزیزوں و رشتہ داروں کو اپنی تمام جائیداد سے کُلی طور پر بے دخل کر کے وہ تمام جائیداد ایک ہی شخص کے نام وصیت کر دے گا۔ خاندانی مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلام یہ خواہش و تمنا کرتا ہے کہ دولت کی گردش کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے درمیان ممکن بنایا جائے۔

سرکاری محصولات:

347 ہر فرد پر معاشرے اور ریاست جیسے بڑے خاندان کا رکن ہونے کی حیثیت سے بھی فرائض و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ معاشی دائرے و حلقے میں ہر فرد محصولات ادا کرتا ہے جنہیں حکومتِ وقت اجتماعی فائدے کے لئے دوبارہ تقسیم کر دیتی ہے۔

348 آمدنی کے متعدد ذرائع کے مطابق محصولات کی شرح بھی مختلف ہوتی ہے۔ اور یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ قرآن پاک جو کہ بجٹ کے اخراجات بارے بہت ہی مختصر و جامع ہدایات دیتا ہے اُس میں ریاست کی آمدنی کے قوانین اور محصولات کی شرح بارے وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد آنے والے خلفاء کے طرزِ عمل کو محتاط انداز میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن پاک کی اِس خاموشی کی تشریح و توضیح اس طرح بیان کی جاسکتی ہے کہ اس طریقے سے حکومتِ وقت کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لوگوں کے مفاد کے لئے آمدنی کے قوانین میں ردّ و بدل کر سکے۔

349 زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کسانوں پر زرعی محصولات عائد کیے گئے تھے اور کسان اپنی فصل کا دسواں حصہ محصول کے طور پر ادا کرتے تھے بشرطیکہ فصل کی آمدنی محصول معاف کرنے کے لئے مقرر کی گئی کم سے کم تعداد و مقدار سے زیادہ ہو۔ اور اُس کسان نے اپنی فصل کی آبپاشی بارش یا چشمے کے پانی سے کی

ہو۔اور فصل کی آبپاشی کنوؤں کے ذریعے کرنے سے مقررہ محصول کے نرخ آدھے رہ جاتے تھے۔تجارت اور کانوں سے ناجائز منافع کمانے کی صورت میں ایک شخص اپنے مال کی کل قیمت کا 2.5 فیصد محصول ادا کرتا تھا۔ جہاں تک غیر ملکی قافلہ برداروں پر عائد کیے گئے درآمدی محصولات کا تعلق ہے اس بارے ایک دلچسپ حقیقت ہے جسے واضح کرنا منفعت بخش ثابت ہوگا۔ دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ان غیر ملکی قافلہ برداروں پر محصول درآمد و برآمد کی حیثیت سے عشر لازم ہوتا تھا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان غیر ملکیوں پر درآمدی محصول کو آدھا کر دیا (خاص طور پر کھانے پینے کی درآمدی اشیاء کی اُن کچھ اقسام پر جو مدینہ منورہ میں درآمد کی جاتی تھیں)۔ حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ جیسے مستند و معتبر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی مالیاتی حکمتِ عملی کے ضروری و لازمی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔ زمانۂ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اُن اونٹوں کے گلوں، بھیڑوں، بکریوں اور گائے بیل وغیرہ پر محصولات عائد تھے جو کہ عوامی چراگاہوں پر پلتے تھے اور جن کی تعداد محصولات سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی کم سے کم مقررہ تعداد و مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ بوجھ اٹھانے والے، کھیتی باڑی کے کام آنے والے اور آبپاشی کے لئے استعمال ہونے والے جانوروں کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔

350 سونے، چاندی اور بچت پر اڑھائی فیصد محصول عائد ہوتا تھا۔ اس طرح لوگ اشیاء کی غیر ضروری ذخیرہ اندوزی سے باز رہتے تھے اور اپنی دولت میں اضافے کی غرض سے اُسے استعمال میں لانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

ریاستی اخراجات:

351 اسلامی ریاست اخراجات کے میزانیہ کو باقاعدہ و منظم بنانے کے لئے قرآن پاک میں درج ذیل اصطلاحات کے ذریعے کچھ اصولوں بارے ہدایات دی گئی ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

(سورۃ التوبہ، آیت:60)

ترجمہ ''زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

ریاستی اخراجات کی یہ آٹھ اقسام جو کہ عملی طور پر تمام اجتماعی ضروریات کا احاطہ کرتی ہیں ان آٹھ اقسام کے بالکل صحیح و درست دائرہ کار اور استعمال کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے وضاحت و توضیح کی ضرورت ہے۔

352 اسلامی شرعی اصطلاح ''صَدَقَت'' جس کا ترجمہ ہم ''مسلمانوں پر عائد ہونے والے ریستی محصول'' کی صورت میں کرتے ہیں اور جو زکوۃ کے مترادف ہے۔ اس اصطلاح سے مراد زراعت، کانوں، تجارت، مصنوعات، عوامی چراگاہوں پر پلنے والے مختلف جانوروں کے گلوں، بچت اور اسی طرح کے دوسرے شعبہ جات پر عائد ہونے والے تمام وہ محصولات ہیں جو کہ مسلمان افراد اپنی حکومتِ وقت کو عام حالات میں ادا کرتے ہیں۔ ان محصولات میں وہ عارضی وعبوری محصولات شامل نہیں ہیں جو غیر معمولی حالات میں عائد کیے جاتے ہیں جیسا کہ غیر مسلموں سے چاہے وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی جزیہ، خراج اور غنیمہ وغیرہ کے ذریعے وصول کی جانے والی آمدنی اور تمام غیر ضروری وغیر لازمی چندے وامداد وغیرہ۔ ابتدائی اسلامی فقہی ادب اور خاص طور پر احادیث مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی شک وشائبہ تک نہیں چھوڑا کہ اصطلاح ''صَدَقَت'' انہی معانی ومفہوم میں استعمال ہوتی تھی۔ ''صَدَقَت'' سے مراد خیرات بالکل بھی نہیں ہے جو کہ نہ تو ضروری ولازمی ہوسکتی ہے اور نہ ہی جس کی مقدار اور ادائیگی کے وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ ''انفق فی سبیل اللہ'' خیرات کے مساوی و برابر ہے۔ جس کے معنی ''اللہ کی راہ میں خرچ کرنا'' یا ''تطوّع'' یعنی رضا کارانہ امداد کے ہیں۔

353 ریاستی اخراجات کی پہلی دو اقسام ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) جو کہ تقریباً مترادف اصطلاحات معلوم ہوتی ہیں ان کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل و وضاحت سے بیان نہیں فرمایا۔ تاہم اس بارے اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف وتدوین ''کتاب الخراج'' میں بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول وفعل کے مطابق ''مسلمانوں کے ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) لوگ تقریباً غریب غیر مسلم باشندوں کے مساوی و برابر ضرورت مند ہوتے ہیں۔'' عظیم فقیہ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و خیال کے مطابق ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) دونوں بالکل مترادف اصطلاحات تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم ترین صفت فیاضی وسخاوت کی بدولت انہیں دو ناموں سے پکارا تا کہ بنی نوع انسان کو دوگنا فائدہ پہنچے۔ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق قرآنی آیت میں بیان کی گئی آٹھ اقسام میں سے ہر ایک قسم کو اسلامی ریاستی آمدنی کا آٹھواں حصہ ملنا چاہیے۔ اسلامی ریاست کو ویسا بنانا چاہیے جیسا اُسے ہونا چاہیے۔ اسلامی ریاست کا پہلا فرض اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ اسلامی سرزمین پر بسنے والا کوئی باشندہ کھانا، لباس، سر چھپانے کی جگہ وغیرہ جیسی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔

354 اگلی قسم کا تعلق ریاستی آمدنی واخراجات کو کنٹرول کرنے والے اہلکاروں کی تنخواہوں سے ہے مثلاً محصولئے، محاسب، ناظم اخراجات اور حساب کتاب رکھنے والے پڑتالئے وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم سے متعلق تمام انتظامیہ عوامی، فوجی اور سفارتی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص ریاستی آمدنی سے مستفید

ہونے والوں کی اقسام کے بیان میں یہ حقیقت نوٹ کر سکتا ہے۔ مشہور مؤرخ البلاذری نے اپنی کتاب ''الانساب'' میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک ایسی دستاویز محفوظ کی ہے جس میں خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے شام میں مقرر کردہ گورنر سے تقاضا کرتے ہیں کہ ''ہمیں مدینہ منورہ میں ایک ایسا یونانی ماہر بھیجیں جو ہماری آمدنی کے کھاتے کو منظم و مرتب کر سکے۔'' ہمیں واضح طور پر یہ بات دعوے و وثوق سے کہنے کے لئے کسی اور مستند و معتبر ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے کہ غیر مسلم افراد نہ صرف اسلامی ریاست کی انتظامیہ میں ملازمین کے طور پر کام کر سکتے ہیں بلکہ وہ اُن صدقت سے بھی مستفید ہو سکتے ہیں جو کہ صرف اور صرف مسلمانوں پر لاگو ہے۔

355 ریاستی اخراجات کی اُس قسم کو جس میں لوگوں کی دلجوئی و دلداری مقصود و مطلوب ہوتی ہے کو جدید اصطلاح ''مخفی و پوشیدہ امداد'' کے ذریعے بہت ہی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ عظیم فقیہ ابویعلیٰ الفرا اپنی تالیف و تصنیف ''الاحکام السلطانیہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جن کی دلجوئی و دلداری مطلوب ہوتی ہے اُن کی چار اقسام ہوتی ہیں (1) وہ لوگ جو بوقتِ ضرورت مسلمانوں کی اعانت و معاونت کر سکیں (2) وہ لوگ جو مسلمانوں کو ایذا پہنچانے سے اجتناب کریں (3) وہ لوگ جو دعوتِ اسلامی سے متاثر ہوں (4) وہ سردارانِ قبائل جن کے وسیلے سے اُن کے قبیلے کے لوگ اور ان کے خاندان مشرف بہ اسلام ہو سکیں۔ ان تمام اقسام میں سے ہر ایک قسم کو فائدہ پہنچانا شرعاً جائز ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔''

356 ہر شخص ہمیشہ ''گردنیں آزاد کرانے'' کی اصطلاح سے دو قسم کے ریاستی اخراجات مراد لیتا ہے۔ (1) غلاموں کی آزادی (2) دشمن کے پاس قیدی بنائے گئے جنگی قیدیوں کی رہائی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ

(سورۃ النور، آیت: 33 درمیانی حصہ)

ترجمہ ''اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر چاہیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اُس نے تمہیں دیا ہے۔''

اسلامی قانون کے مطابق ہر غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مالک کو اپنی قیمت ادا کر کے اپنی آزادی خرید سکے۔ اور اپنی آزادی خریدنے کے لئے ضروری رقم کا بندوبست کرنے کے لئے غلام اپنے مالک کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اُسے کام کرنے کی سہولیات فراہم کرے۔ اور آزادی خریدنے کے لئے ضروری رقم کمانے کے دوران غلام کا اپنے مالک کے پاس کام کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا یہ حکومتِ وقت کے

فرائض میں شامل ہے کہ وہ ہر سال میزانیہ میں ایک خاص رقم مختص کرے جس سے غلاموں کی اُن کی آزادی خریدنے میں مدد کی جا سکے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور کی ایک دستاویز سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اسلامی حکومت ضمانت کی ادائیگی کر کے غیر مسلم باشندوں کو بھی دشمن کی قید سے آزاد کرا سکتی ہے۔

357 جن لوگوں پر ریاستی اخراجات کیے جاتے ہیں ان کی ایک قسم وہ ہے جو بھاری قرضے میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ قدیم اسلامی طرز عمل اور روایات کے مطابق اس قسم کے ریاستی اخراجات کے طریقہ ہائے کار کا پورا ایک سلسلہ و نظام موجود ہے۔ ہر شخص اُن لوگوں کی مدد کرتا ہے جو سیلاب و زلزلہ وغیرہ جیسی ناگہانی آفات و مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان ریاستی اخراجات کا تعلق غریبوں سے نہیں ہے کہ جن کا ذکر آیت کے آغاز میں پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ بلکہ یہ ریاستی اخراجات اُن لوگوں کی خوشحالی و بہبود کے لئے کیے جاتے ہیں جو اس دوران غیر معمولی حالات سے گزر رہے ہوتے ہیں جب ان کے اختیار و وسائل ان کی دسترس میں نہیں ہوتے۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عوامی بیت المال میں ایک ایسے خاص شعبے کا آغاز کیا جو اُن لوگوں کو کسی سود کے بغیر قرضے دیتا تھا جن کو عارضی و وقتی طور پر روپوں کی ضرورت ہوتی تھی اور جو قرض کی واپسی کے لئے ضروری و لازمی ضمانت بھی فراہم کرتے تھے۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود بھی اپنی ذاتی و نجی ضروریات کے تحت بیت المال کے اس خاص شعبے سے رجوع کیا تھا۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اسلام اور سود کی ممانعت کے لازم و ملزم ہونے کی وجہ سے سود کے بغیر قرضے فراہم کرنے والے اس ادارے و شعبے کو قومی ملکیت میں دینا ضروری تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی وہ خلیفہ تھے جو بیت المال سے تاجروں کو مقررہ معیاد کے لئے قرض دیتے تھے اور وہ بیت المال ان کے کاروبار کے منافع میں کچھ فیصد کا شریک ہوتا تھا اور بیت المال کی یہ شراکت داری نہ صرف اُن تاجروں کے کاروبار میں منافع کی صورت میں ہوتی تھی بلکہ نقصان و گھاٹے کی صورت میں بھی برقرار رہتی تھی۔ اسی طرح کے ریاستی اخراجات کے استعمال کی ایک اور قسم معاشرتی بیمہ تھا۔ اگر کوئی شخص اپنے ہاتھوں کسی دوسرے شخص کے نادانستہ و غیر رضا کارانہ قتل پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کرتا اور وہ خود اس قابل نہ ہوتا کہ اپنے ذرائع سے قانونی طور پر مقرر کردہ خون بہا ادا کر سکے تو اس صورت میں حکومتِ وقت ریاستی اخراجات کے میزانیہ میں معاشرتی بیمہ کے شعبے کے لئے مختص کردہ رقم کے ذریعے اس کی مدد کرتی۔ جیسا کہ داعئ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ایسے متعدد واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ ہم بعد میں تفصیل و وضاحت کے ساتھ دوبارہ اِس موضوع کی طرف آئیں گے۔

358 اسلامی اصطلاح میں ''اللہ کی راہ میں'' جیسے الفاظ کا سب سے پہلا مطلب و مفہوم فوجی تحفظ و دفاع، فوجیوں کی ذات اور فوجی ساز و سامان وغیرہ پر ریاستی اخراجات کرنے کا ہے۔ لیکن دراصل یہ اصطلاح تمام قسم کے امدادی کاموں و سرگرمیوں پر لاگو ہوتی ہے جن میں طالبعلموں کی مدد کرنا، مذہبی مقاصد کے لئے

عطیات اور امداد دینا جیسا کہ مسجد کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں۔

359 ریاستی اخراجات کی آخری قسم کا تعلق مواصلات اور سیاحوں کی آمد و رفت کے وسیع تر معنی و مفہوم سے ہے۔ جس میں سیاحوں کے لئے پلوں، سڑکوں، ہوٹلوں اور ریستورانوں کی تعمیر، راستوں کی حفاظت (اس میں پولیس شامل ہے)، حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق کھانے پینے کے انتظامات، سیاحوں کی نقل و حمل کے انتظامات کے ساتھ ساتھ ان کو ان کے سفر کے دوران ہمیشہ آرام و سکون کی فراہمی کے علاوہ دستیاب ذرائع کے مطابق بغیر کسی معاوضے کے ان کی مہمان نوازی شامل ہیں۔ باضابطہ طور پر اس قسم کی مہمان نوازی کی یقین دہانی کسی بھی جگہ پر تین دن قیام کے لئے کرائی جاتی ہے۔

360 ریاستی اخراجات بارے اس قرآنی ترتیب کی تعریف و ستائش اور حوصلہ افزائی کرتے وقت ہر شخص کے لئے یہ یاد رکھنا ضروری و لازمی ہے کہ وہ چودہ سو سال پہلے یعنی ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا اور مزید ایسا کچھ بھی نہیں ہے، جس کا ریاستی اخراجات کی ان اقسام میں اضافہ کیا جاسکتا۔ ریاستی اخراجات کی یہ اقسام ہمارے زمانے کی ایسی ترقیاتی اور فلاحی ریاست کے لئے بھی قابلِ عمل و قابلِ تقلید دکھائی دیتی ہیں جو اپنے باشندوں کی فلاح و بہبود میں خاطر خواہ دلچسپی لیتی ہو۔

ہنگامی محصولات:

361 صدقات وہ ریاستی محصولات تھے جو صرف داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں پر لاگو تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد کے زمانے میں غیر معمولی ضروریات کے مواقع پر فقہائے کرام نے اِس شرعی امکان کو تسلیم کیا کہ ممکنہ ہنگامی صورتِ حال میں صرف اور صرف عارضی و وقتی بنیادوں پر اضافی محصولات لاگو کیے جاسکتے ہیں۔ اِس طرح کے محصولات ''نوائب'' (ناگہانی آفات و آلام) کہلاتے ہیں۔

معاشرتی بیمہ:

362 صرف ایسے افراد بھاری محصولات ادا کرتے ہیں جو کسی خطرے کے باعث اپنا معاشرتی بیمہ کراتے ہیں۔ اور معاشرتی بیمہ پر عائد ہونے والے یہ محصولات مختلف ادوار اور معاشرتی حالات و واقعات کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ ظہور اسلام کے ابتدائی ایام میں عربوں میں روزمرہ کی علالت و بیماری بارے کسی قسم کی آگاہی نہیں پائی جاتی تھی۔ اور اسی لئے طبی تحفظ کی مد میں عملی طور پر کوئی اخراجات نہیں ہوتے تھے۔ اوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا شخص اپنا گھر اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرتا تھا اور تعمیر کے دوران استعمال ہونے والے عمارتی ساز و سامان کے زیادہ تر اخراجات بھی ادا نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا یہ بات سمجھنا نہایت آسان ہے کہ اُس زمانے میں کسی بھی شخص کو بیماری

اور گھر کو آگ لگنے کے خطرے وغیرہ کے باعث معاشرتی بیمہ کرانے کی ضرورت کیوں نہیں پڑتی تھی۔ اس کے برخلاف اسیری و قید اور دھوکے سے قتل ہونے کے خطرے کے باعث معاشرتی بیمہ کرانا ایک حقیقی ضرورت تھی۔ زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اِس نکتے پر پہلے ہی توجہ دی جا چکی تھی اور کچھ ایسے اصول وضع کیے گئے تھے جو اپنے اندر مزید بہتری اور حالات و واقعات کے مطابق ڈھلنے کی لچک وصلاحیت رکھتے تھے۔ پس ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ کی شہری ریاست کے آئین میں اِس معاشرتی بیمہ کو ''معقل'' کا نام دیا گیا اور یہ معاشرتی بیمہ منفرد انداز میں کام کرتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص دشمن کے پاس جنگی قیدی بنا لیا جاتا تو اُس کی آزادی خریدنے کے لئے ضمانت کی رقم کی ادائیگی معاشرتی بیمہ سے کی جاتی۔ اِسی طرح تمام اقسام کے جسمانی تشدد کے مجرموں کو تلافی وازالہ کے لئے یا لائق تعزیر و مستوجب سزا قاتلوں کو خون بہا ادا کرنے کے لئے رقم کی ضرورت پڑتی تھی جو معاشرتی بیمہ سے ادا کی جاتی تھی۔ ضمانت یا خون بہا کی رقم اکثر ایک جنگی قیدی یا قاتل کے ذرائع آمدنی سے زیادہ ہوتی تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی تعاون کی بنیاد پر معاشرتی بیمہ کی تنظیم و ترتیب کی۔ ایک قبیلے کے ارکان اپنے قبیلے کے مرکزی خزانے پر انحصار و بھروسہ کر سکتے تھے جس میں قبیلے کا ہر رکن اپنے ذرائع آمدنی کے مطابق امداد و چندے کے ذریعے اپنا حصہ ڈالتا تھا اور اگر ایک قبیلے کے کسی شخص کو امداد کی ضرورت پڑتی اور اُس قبیلے کے خزانے میں موجود رقم اُس رکن کی امداد کے لئے ناکافی ہوتی تو دوسرے متعلقہ یا ہمسایہ قبائل پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ متاثرہ قبیلے کی امداد و چندے کے ذریعے مدد کریں۔ لوگوں کو اجتماعی شکل میں منظم کرنے کے لئے نظام مراتب قائم کیا گیا۔ مدینہ منورہ میں انصاری قبائل بہت زیادہ جانے پہچانے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام پذیر مکی مہاجرین میں سے کچھ حقیقت میں مکہ مکرمہ کے متعدد قبائل سے تعلق رکھتے تھے یا حبشی تھے یا مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے عرب باشندے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مکی مہاجرین کو حکم دیا کہ معاشرتی بیمہ کے مقاصد کے تحت انہیں مدینہ منورہ میں اپنے ایک نئے قبیلے کی بنیاد رکھنی چاہیے۔

363 بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیشوں کی بنیاد پر معاشرتی بیمہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی ترتیب و تنظیم کی گئی۔ چاہے اُن افراد کا تعلق شہری یا فوجی انتظامیہ یا کسی بھی علاقے سے تھا۔ جب کبھی امداد کی ضرورت پڑتی تو مرکزی یا صوبائی حکومت لوگوں کی امداد و اعانت کو پہنچ جاتی۔ جیسا کہ ہم نے ریاستی اخراجات بارے بات کرتے ہوئے پہلے بھی بیان کیا ہے۔

364 معاشرتی بیمہ سے مراد ایک فرد کے مالی بوجھ کو کم کرنے کے لئے جس حد تک ممکن ہو سکے اُس بوجھ کو بانٹنا و تقسیم کرنا ہے۔ اسلام نے وفاقی حکومت میں معاشرتی بیمہ کے سرمایہ دار اداروں کو ختم کرتے ہوئے ان کی بجائے افراد کی درجہ بندی کی مدد سے باہمی رشتہ اخوت و تعاون کی بنیاد پر معاشرتی بیمہ کی تنظیم و ترتیب کو ترجیح دی۔

365 معاشرتی بیمہ کا ایک ایسا گروہ جس کی بنیاد درجہ بندی پر رکھی گئی تھی وہ اپنے پاس موجود غیر استعمال شدہ امداد و چندے کی مدد سے تجارت سے منسلک ہو سکتا تھا تاکہ امداد و چندے میں اضافہ ہو سکے۔ ایک وقت ایسا بھی

آ سکتا ہے جب معاشرتی بیمہ کے گروہ کے ارکان کو مزید چندہ وامداد دینے سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے اور وہ تجارتی منافع کے طور پر رقوم بھی وصول کر سکتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ باہمی امداد کے یہ گروہ تمام اقسام کے خطرات جیسا کہ ٹریفک حادثات، آگ اور سفر کے دوران کھو جانا وغیرہ کے بارے معاشرتی بیمہ کی یقین دہانی کرا سکتے ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ معاشرتی بیمہ کا کاروبار تمام یا کچھ قسم کے خطرات کے لئے مثلاً عارضی مقاصد جیسا کہ پارسل بھیجنے وغیرہ کے لئے قومی ملکیت میں دیا جا سکتا ہے۔

﴿366﴾ تکنیکی تفصیلات میں جائے بغیر اس بات کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام ایسے سرمایہ دارانہ معاشرتی بیمہ کی اجازت نہیں دیتا کہ جس میں بیمہ کرانے والا شخص اپنی دی گئی امداد کے حساب سے بیمہ کرنے والے ادارہ کے نفع میں شریک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اِس طرح کا معاشرتی بیمہ پانسے کے کھیل کی متعدد اقسام میں سے ایک قسم پر مشتمل ہوتا ہے۔

﴿367﴾ برسبیل تذکرہ ہم خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ایک اور معاشرتی ادارے کا ذکر کر سکتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ملک کے تمام باشندوں کے لئے وظیفے کا نظام قائم کیا۔ اور مشہور تصنیف وتالیف ''کتاب الاموال'' اور الجاحظ کی تالیف وتصنیف ''الرسالہ العثمانیہ'' کے مطابق غیر مسلم باشندے بھی اُن وظیفوں سے مستفید و مستفیض ہونے والوں میں شامل تھے۔ جیسے ہی ایک بچہ پیدا ہوتا اُسے وظیفے کی کچھ رقم ملنا شروع ہو جاتی۔ بالغوں کو وظیفے کی کم سے کم رقم متی جو زندہ رہنے کے لئے ضروری ولازمی ہوتی۔ ابتداء میں خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظیفہ خواروں کی مختلف اقسام کے درمیان کچھ حد تک فرق وامتیاز کے قانون قاعدے پر عمل کیا۔ مثلاً اگر وظیفے کی کم سے کم رقم ایک دینار ہوتی تو جو شخص وظیفے کا زیادہ مستحق وحقدار ہوتا اُسے 40 دینار بطور وظیفہ ملتے۔ تاہم اپنی حیاتِ مستعار کے آخری ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظیفے کا نظام مکمل برابری کی بنیاد پر قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن وظیفے کے نظام میں یہ اصلاح کرنے سے پہلے ہی آپ رضی اللہ عنہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وظیفے کے نظام میں جو اصلاحات کیں اُن پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظیفے کے اس اصلاح شدہ ادارے کو ''دیوان'' کا نام دیا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس ادارے کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی رکھ دی گئی تھی۔ اس عمل کی بنیاد یہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمیہ بن جازع رضی اللہ عنہ کو بنوالمصطلق پر قبضے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے بیت المال کے اُس پانچویں حصے کا انچارج مقرر فرمایا جو کہ حکومتِ وقت کو دیا جاتا تھا۔ دراصل حضرت محمیہ بن جازع رضی اللہ عنہ ہر غزوہ و سریہ میں حاصل ہونے والے بیت امال کے پانچویں حکومتی حصے کے انچارج تھے۔ صَدقت جو کہ زکوٰۃ کے مترادف محصولات ہیں اُن کا الگ نظام تھا اور صرف اُن محصولات کی آمدنی واخراجات کی تنظیم وترتیب کے لئے الگ سے اہلکار مقرر تھے۔ دشمن سے امن و سکون کے ساتھ حاصل کی جانے والی آمدنی یعنی فئے کے لئے الگ سے اہلکار مقرر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''صَدقت'' یتیموں، بیماروں اور غریبوں پر خرچ کرتے تھے۔ اگر ایک یتیم بچہ سنِ بلوغت کو پہنچ جاتا اور فوجی

نوکری یعنی جہاد اُس پر فرض ہو جاتی تو اُس کا نام صدقت سے مستفید ہونے والوں کی فہرست سے فئے سے مستفید ہونے والوں کی فہرست میں منتقل ہو جاتا تاہم اگر وہ جہاد کرنے سے انکار کر دیتا تو اسے صدقت سے مستفید ہونے والوں کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا اور اُسے حکم دیا جاتا کہ وہ اپنی روزی روٹی خود کمائے۔''
(بحوالہ سرخسی، ''شرح السیر الکبیر'')

پانسے کے کھیل:

368 قرآن پاک نے پانسے کے کھیلوں سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے انہیں ''شیطان کا کام'' قرار دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

(سورۃ المائدہ، آیت: 90)

ترجمہ ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہنا کہ تم نجات پاؤ۔''

اور ایسا قوی و معقول دلیل کے تحت کیا گیا ہے۔ یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ زیادہ تر معاشرتی برائیاں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث جنم لیتی ہیں۔ کچھ افراد بہت زیادہ دولت مند بن جاتے ہیں جب کہ کچھ بہت زیادہ مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً غریب و مفلس لوگ امیروں کی ناجائز منافع خوری کا نشانہ بنتے ہیں۔ پانسے کے کھیلوں اور لاٹریوں میں فوری اور آسان ذرائع آمدنی کی ترغیبات پائی جاتی ہیں اور آسانی سے حاصل کی گئی دولت معاشرے کے لئے ہمیشہ نقصان کا باعث بنتی ہے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ گھڑ دوڑ اور اسی طرح کی دوسری دوڑوں، نجی یا عوامی لاٹریوں اور پانسے کے دوسرے کھیلوں میں ایک ملک کے لوگ ہر ہفتے کئی لاکھ پاؤنڈ خرچ کرتے ہیں۔ اِس طرح صرف دس سال کے قلیل عرصے میں سینکڑوں لاکھ پاؤنڈ کی رقم اس ملک کے بہت سے لوگوں سے جمع کی جائے گی اور اس رقم کو مضحکہ خیز طور پر گنتی کے چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے گا (جیسا کہ کچھ ممالک میں ہوتا ہے)۔ ایک فیصد سے بھی کم لوگ ننانوے فیصد لوگوں کے خرچے پر زندہ رہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک فیصد لوگ صرف اپنے آپ کو دولت مند و مالا مال کرنے کے لئے ننانوے فیصد لوگوں کو غربت و مفلسی کی آگ میں جھونک دیتے ہیں اور ایک شخص ننانوے فیصد لوگوں کو باقاعدہ طور پر برباد کرتے ہوئے ایک فیصد لوگوں کو کروڑ پتی بناتا ہے۔ پانسے کے کھیل جن میں لاٹریاں شامل ہیں چاہے وہ نجی و ذاتی سطح پر کھیلے جائیں یا قومی سطح پر، اُن کے ذریعے دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز جیسی برائی، لوگوں کی وسیع تعداد پر اپنی پوری طاقت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے لہٰذا اسلام میں پانسے کے

کھیلوں اور لاٹریوں کی مکمل طور پر ممانعت کی گئی ہے۔ سرمایہ دارانہ بیمہ کی طرح پانسے کے کھیلوں میں بھی یکطرفہ نقصان کا خطرہ و اندیشہ ہوتا ہے۔

قرض پر سود:

﴿369﴾ دنیا میں شاید ایسا کوئی مذہب نہیں ہے جس نے بھاری سود سے منع نہ کیا ہو۔ اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے نہ صرف سود کی شکل میں حاصل کیے گئے منافع سے منع فرمایا ہے بلکہ انسانی معاشرے میں سود جیسی برائی کو وجود میں لانے والی وجوہات کو ختم کرنے کے لئے حل بھی تجویز کیے ہیں۔

﴿370﴾ کوئی بھی شخص اپنی مرضی ومنشاء سے اپنے قرض پر سود کی ادائیگی نہیں کرتا۔ وہ سود صرف اس لئے ادا کرتا ہے کیونکہ اُسے روپوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ سود ادا کیے بغیر اُسے قرض کی رقم نہیں مل سکتی۔

﴿371﴾ اسلام نے تجارتی منافع اور قرض پر سود کی شکل میں حاصل کیے گئے منافع میں ایک بہت ہی واضح فرق قائم کیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

(سورۃ البقرہ، آیت: 275 پہلا حصہ)

ترجمہ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا ہے جس کے حواس شیطان نے لپٹ کر کھو دیئے ہیں۔ یہ حالت ان کی اس لئے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے سوداگری کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔''

اور کچھ آگے چل کر مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۲۷۹

(سورۃ البقرہ، آیت: 279)

ترجمہ ''اگر تم نے (سود) نہ چھوڑا تو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اور اگر توبہ کر لو تو اصل مال تمہارا تمہارے واسطے ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

﴿372﴾ سود سے اس لئے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک یکطرفہ نقصان کا باعث بنتا ہے۔ جب ایک شخص اپنی دولت میں اضافے کی غرض سے قرض لیتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ حالات اس کے لئے اتنے موزوں و مناسب نہ ہوں کہ وہ اتنا منافع کما سکے کہ اُس سے سود کی لازمی رقم بھی ادا کر سکے۔ قرض دینے والا کسی بھی حوالے سے نقصان میں قرض دار کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔

﴿373﴾ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کو دوسروں کو بلا معاوضہ اور سود کے بغیر قرض دینے پر مجبور کر کے اُسے اس کے روپوں سے محروم کر دیا جائے۔ ہم نے اِس جانب اشارہ کیا ہے کہ اسلام ریاستی اخراجات بھاری قرضوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں پر بھی خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا بیت المال سود سے پاک قرضوں کا انتظام کرتا ہے اور مخیّر حضرات یا تنظیموں کی طرف سے پیش کش کیے گئے قرضوں میں اضافے کا بندوبست کرتا ہے تاکہ مستحق لوگوں کی مدد کی جا سکے۔ باہمی امداد اور تعاون سود سے پاک قرضوں میں اضافے کا ایک اصول ہے۔

﴿374﴾ تجارتی قرضوں کے لئے مضاربہ کا نظام بھی ہے جس میں ایک شخص رقم قرض دیتا ہے اور اُس قرض سے حاصل ہونے والے منافع کے ساتھ ساتھ نقصان میں بھی برابر کا شریک ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر دو لوگ مل کر ایک کمپنی بناتے ہیں اور دونوں اس کمپنی کو آدھا آدھا سرمایہ اور محنت کش افراد فراہم کر رہے ہوتے ہیں تو اس صورت میں منافع کی تقسیم میں مشکل پیش نہیں آتی تاہم اگر ایک شریک سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا محنت کش افراد فراہم کرتا ہے یا اگر دونوں سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور صرف ایک شریک کام کرتا ہے یا دونوں شراکت داروں کا کمپنی میں ایک جتنا حصہ نہیں ہے تو ان حالات و واقعات میں منافع کی تقسیم سے پہلے ابتداء میں طے کردہ شرائط و ضوابط کی بنیاد پر محنت کش افراد کے ایک معقول معاوضے کو ذہن میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس طرح منافع کی تقسیم احسن طور پر ہو جاتی ہے۔ یقیناً نقصان سے بچنے کے لئے تمام ممکنہ احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جاتی ہیں۔ تاہم اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمام معاہداتی شراکتوں میں دونوں معاہداتی فریقین کو نفع کے ساتھ ساتھ نقصان میں بھی برابر کا شریک ہونا چاہیے۔

﴿375﴾ جہاں تک بنکوں کا تعلق ہے اُن کی سرگرمیاں بنیادی طور پر تین اقسام کی ہوتی ہیں۔ ❶ مختلف طریقے استعمال کر کے رقم ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا ❷ کھاتہ داروں کو اُن کی رقوم کی حفاظت کی یقین دہانی کرانا ❸ منافع پر قرض دینا۔ وہ لوگ جو بینک کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں بینک کے اہلکاروں کے اخراجات وہی ادا کرتے ہیں۔ اسلام صرف اور صرف اس صورت میں بینکنگ کی اجازت دیتا ہے جب بینک اپنے قرض داروں کے نفع اور نقصان میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

﴿376﴾ اعتماد کے بل بوتے پہ ہی اعتماد جنم لیتا ہے۔ حکومتی بچت بینک اگر کھاتے میں موجود رقم کے مطابق ممکنہ منافع بارے خاموشی اختیار کرنے کی بجائے سال کے شروع میں نہیں بلکہ آخر میں اِس بات کا اعلان کرتے

ہیں کہ وہ اپنے کھاتے داروں کو اتنے فیصد منافع ادا کر سکتے ہیں تو یہ عمل نہ صرف اسلام کے مطابق شرعی لحاظ سے صحیح و درست ہوگا بلکہ اِس طرح عوام کو بھی حکومتی بچت بینکوں میں رقم جمع کرانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہر شخص کو عوامی انتظامیہ پر اعتماد ہوتا ہے۔

377 آخر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفع اور نقصان میں باہمی شراکت داری کے اصول کو تمام تجارتی معاہدوں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔

اعداد و شمار

378 کسی بھی شے بارے منصوبہ بندی سے پہلے دستیاب ذرائع کا اندازہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ البخاری کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ سلم نے مسلمان آبادی کی مردم شماری کا انتظام کیا۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جانوروں، پھل دار درختوں اور دوسری مصنوعات کی تعداد و مقدار شماری کا انتظام کیا گیا۔ اور نئے مفتوحہ صوبوں کی زرخیز اراضی کا اندازہ بھی لگایا گیا۔ اپنی عوام کی بہبود و خوشحالی کے لئے بھرپور جوش و جذبہ رکھنے کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ سالانہ محصولات جمع ہو جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مختلف صوبوں کے نمائندوں کو مدعو فرماتے تاکہ اس بات کا پتہ چلا سکیں کہ انہیں محصول وصول کرنے والوں کے پورے سال کے دوران اپنائے گئے رویے بارے کوئی شکایت تو نہیں ہے۔

روزہ مرّہ زندگی:

379 ہم خاصی اہمیت کی حامل دو ممنوعہ اشیاء پانسے کے کھیل اور شراب بارے بیان کرتے ہوئے اسلام کے معاشی نظام بارے اس مختصر خاکے کا اختتام کر سکتے ہیں۔ درحقیقت پانسے کے کھیل اور شراب ایک مسلمان کی روزمرہ زندگی کے امتیازی وخصوصی پہلو ہیں۔ ہمارے پاس پانسے کے کھیلوں بارے بات کرنے کے لئے بہت سے مواقع موجود تھے۔ پانسے کے کھیلوں پہ ایک شخص مسلسل ایک سال تک کوئی نفع حاصل کیے بغیر اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو کتنا نقصان ہوگا جو لوگ معاشی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ شراب نوشی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تھوڑی مقدار میں شراب کا استعمال ایک شخص کو اتنا خوش کر دیتا ہے کہ اُس کا شراب نوشی ترک کرنے کا ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے اور جب ایک شخص شراب پیتا ہے تو وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اس کا اپنی حرکات وسکنات پر قابو نہیں رہتا۔ اس طرح ایک شخص اِس بات پر توجہ دیے بغیر کہ اس کا پیسہ کہاں خرچ ہو رہا ہے اپنا پیسہ ضائع کر سکتا ہے۔ ان برائیوں سے جنم لینے والے مضر اثرات میں شراب نوشی سے پیدا ہونے والے غیر صحت بخش اثرات کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے جو کہ بچوں اور اگلی نسلوں میں بھی منتقل ہوتے ہیں۔ ایک قرآنی آیت میں اس بارے واضح طور پر توجہ دلائی گئی ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

(سورۃ البقرہ، آیت: 219 پہلا حصہ)

ترجمہ ''آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دوان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔''

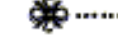
قرآن پاک اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ الکحل کے استعمال کے کچھ فوائد بھی ہیں۔ تاہم قرآن پاک شراب نوشی کو معاشرے، فرد اور یقیناً قانون ساز ادارے کے خلاف ایک گناہ و جرم قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ المائدہ، آیت: 90)

ترجمہ ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔''

قرآن پاک شراب نوشی کو بت پرستی جیسے گناہ کے برابر پست ترین درجے پر لے آتا ہے۔ اور اسے شیطان کا کام قرار دیتا ہے اور قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دونوں دنیاؤں میں خوشیوں و مسرتوں کی خواہش و تمنا کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو شراب نوشی اور پانسے کے کھیلوں سے باز رکھے۔



باب 11

اسلام میں عورت کا مقام

﴿380﴾ جب اسلام میں عورت کے بنیادی واصولی حقوق وفرائض کا مطالعہ ومشاہدہ کیا جائے تو یہ امر آغاز ہی میں واضح کر دینا ازحد ضروری ہے کہ اسلامی قانون وضابطہ کی اپنے آپ کو حالات وواقعات کے مطابق ڈھالنے کی وسعت وگنجائش کے باوجود عورت کی انتہا پسندانہ آزادی کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کہ جس سے وہ درحقیقت عملی طور پر معاشرتی وسماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں سرمایہ دارانہ اور غیر سرمایہ دارانہ (کمیونسٹ) دونوں قسم کے مغرب میں لطف اندوز ہو رہی ہے۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ عورت کو ایک معقول ومناسب وجود کے طور پر رہنا چاہیے۔ اسلام اس سے فرشتہ یا شیطان بننے کا تقاضا نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص اسلام میں عورت کے مقام کا موازنہ یا مقابلہ دوسری تہذیبوں یا قانونی نظام ہائے کار سے کرنا چاہتا ہے تو اسے صرف اکا دُکا قواعد کو نہیں بلکہ تمام حقائق کو زیر غور لانا چاہیے۔ جہاں تک اخلاقیات کے مختلف پیمانوں اور زاویوں کا تعلق ہے۔ اسلام درحقیقت موجودہ دور کے دوسرے نظام ہائے حیات کے مقابلے میں اس حوالے سے بے لچک ہے اور یوں کسی طور بھی بے لگام آزادی کا قطعی قائل نہیں۔

عام باتیں:

﴿381﴾ اسلامی روایات میں ماں کا درجہ ومرتبہ انتہائی اعلیٰ وارفع ہے۔ داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ "جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" اصحیح البخاری میں بیان ہے کہ کسی شخص نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "وہ کون سا کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ زیادہ خوش ہوتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "وقتِ مقررہ پر عبادت کرنا" اور جب یہی سوال دہرایا گیا "اور اس کے بعد؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "اپنی والدہ اور والد کے ساتھ تمہارا فیاض وفراخ دل ہونا" قرآن پاک بار بار اس طرف رجوع کرتا ہے اور آدمی کو یاد دلاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس حقیقت کو ضرور ذہن نشین رکھے کہ وہ اس کی ماں ہی تھی کہ جس نے اسے اپنے رحم میں اُٹھائے رکھا۔ اس کے لئے تکالیف برداشت کیں اور ہمہ قسم کی قربانیاں دے کر اسے پروان چڑھایا۔

﴿382﴾ جہاں تک عورت کا بیوی کے روپ ورشتے کے حوالے سے تعلق ہے۔ معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور ومعروف حدیث مبارکہ ہے کہ "تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کے

حق میں بہتر ہے۔" حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے یادگار آخری والوداعی خطاب وخطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حقوق وفرائض بارے طویل ارشاد فرمایا جس میں خاص طور پر یہ احکامات دیئے کہ:

"اے لوگو! درحقیقت تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں۔ جہاں تک ان پر تمہارے حقوق کا تعلق ہے تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے علاوہ کسی اور کو نہ بیٹھنے دیں اور جن لوگوں کو تم ناپسند کرتے ہو تمہاری اجازت کے بغیر انہیں تمہارے گھر داخل نہ ہونے دیں اور انہیں چاہیے کہ خباثت والا کوئی کام نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو رب تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ ان کی سرزنش کرو اور ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کر دو اور انہیں ہلکا مارو۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری بات مانیں تو انہیں معاشرتی رواج کے مطابق بہتر کھانا اور لباس مہیا کرو اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں حکم دیتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے گھروں میں قیدیوں کی طرح ہیں جو اپنے لئے کچھ نہیں رکھتیں اور تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعے ان کو اپنے اوپر جائز وحلال کیا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں حکم دیتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو توجہ سے سنو کہ کیا میں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔" (ابن ہشام)۔

383 اسلام میں عورت کا بیٹی کے رشتے کے حوالے سے مقام ومرتبہ کا صحیح طور پر اندازہ قرآن پاک کے اس ملامت آمیز رویے کے ذریعے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے زمانہ قبل از اسلام میں بیٹیوں کی پیدائش پر کفار کے رویے کے خلاف اپنایا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

(سورۃ النحل، آیات: 57 تا 59)

ترجمہ "اور اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہوتا ہے۔ اس خوشخبری کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ آیا اسے ذلت قبول کر کے رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے۔ دیکھو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔"

قرآن پاک مسلسل ومتواتر یہ بات یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں جوڑوں کی شکل میں پیدا کی ہیں اور افزائش نسل کے لئے دونوں اصناف یکساں ناگزیر ہیں۔ ہر ایک کا اپنا ایک خاص مقصد وفریضہ ہے۔ قرآن مجید،

فرقان حمید اس امر کا باضابطہ اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْــَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 32)

ترجمہ "اور مت ہوس کرو اس فضیلت میں جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے۔ مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اُس کا فضل مانگو۔ بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔"

384 دو متفرق و مختلف اصناف سے تعلق رکھنے والے مرد و عورت کے مابین مصروفیات، مشاغل اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے علاوہ قدرت نے کسی بھی اور حوالے سے مکمل برابری نہیں چاہی۔ مثال کے طور پر ایک مرد کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک بچے کو جنم دے۔ اسی طرح مرد کو دی گئی قدرتی صفات سے عورت فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ عورت کی جسمانی ساخت بہت نازک ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے دماغ اور ہڈیوں کا وزن بھی اس کی جسمانی ساخت کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے ذوق اور جسمانی بناوٹ کی نزاکت و نفاست کی باہمی مطابقت ان دونوں کو مطلوبہ تحفظ فراہم کرتی ہے۔ مرد کے پاس عورت کی نسبت زیادہ قوت ہوتی ہے اور اسی لئے وہ زندگی کے تکلیف دہ مراحل کو اپنی قدرتی عطا کے ذریعے بہتر طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔ عورت اور مرد دونوں کو قدرتی اور عقلی دونوں لحاظ سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق خصوصیات عطا کی گئی ہیں۔

385 اگر مرد و عورت کے درمیان فطری و قدرتی طور پر کچھ ناہمواری و عدم مطابقت پائی جاتی ہے تو زندگی کے کئی دوسرے شعبوں میں وہ ایک دوسرے سے مماثلت بھی رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان شعبوں میں ان دونوں کے حقوق و فرائض بھی ایک جیسے ہوں گے۔

386 عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا عمومی و خصوصی خلاصہ و نتیجہ یہی ہے کہ کچھ شعبہ ہائے زندگی میں عورت، مرد کی برابری کرتی ہے اور کچھ میں نہیں کرتی۔ اس بات کو عورت کے حقوق و فرائض کے بیان میں بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

عورت کے فرائض:

387 مذہبی معاملات میں، مرد کی طرح، عورت کا پہلا فرض خدا کی وحدانیت پر یقین رکھنا ہے۔ جو کہ آخرت میں اس کی بخشش و نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلام میں کسی کو زبردستی مسلمان کرنے سے باقاعدہ طور پر منع کیا گیا ہے اور اس کو اس طور بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک مسلمان مرد کی غیر مسلم بیوی اپنے

مذہب کے تحفظ اور رسومات کی انفرادی طور پر ادائیگی کا پورا حق رکھتی ہے۔ اس دوران بھی جبکہ وہ ایک مسلمان مرد کی بیوی ہے۔ ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ اسلامی بھائی چارے میں اس کے مکمل تحفظ اور اس کے ضابطہ حیات کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط و مستحکم اصول قائم ہے۔ اس معاملے میں غدار کے لئے سزا مقرر کی جاتی ہے تاہم دقیانوسی و فرسودہ خیالات رکھنے والے خلفاء کے زمانے میں ایسے کچھ واقعات سامنے آئے ہیں جن میں انہوں نے مرتد مردوں کے مقابلے میں مرتد خواتین کو کم سزائیں دی ہیں۔

﴿388﴾ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی مذہبی و دینی عبادات فرض ہیں چاہے وہ کچھ رعایات کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک بالغ عورت کو ہر مہینے کے کچھ دنوں میں روزانہ کی عبادات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ جہاں تک جمعتہ المبارک کی باجماعت نماز کا تعلق ہے۔ اس باجماعت نماز میں عورتوں کی مرضی ہے کہ وہ شامل ہوں یا نہ ہوں جبکہ مردوں پر جمعتہ المبارک کی باجماعت نماز فرض کی گئی ہے۔ روزے کی سختیاں بھی عورت پر آسان کر دی گئی ہیں یعنی بچے کی ولادت کے مرحلہ، ماہواری سلسلہ وغیرہ کے دوران عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماہِ رمضان المبارک میں اپنے روزے مؤخر کر دے۔ جہاں تک حج بیت اللہ کا تعلق ہے تو اس مقدس و متبرک موقع پر بھی عورت کو بعض نسوانی وجوہ کی بناء پر کچھ مناسک حج سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلام عورت کے بارے بہت نرم و مہربان اور شفقت و مروت آمیز رویہ رکھتا ہے۔ جبکہ اسلامی بنیادی فرائض کے آخری رُکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں عورت سوائے چند رعایات کے مرد کے برابر فرائض ادا کرتی ہے۔ بچت پر ٹیکس عائد ہوتا ہے تاہم وہ بچت جس کو عورت اپنی آرائش و زیبائش کی ذاتی اشیاء میں تبدیل کر لے اس بچت پر ٹیکس عائد نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام قومی خزانے میں اضافے کے مقصد کے تحت دولت کی مستقل گردش پر زور دیتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کی ٹیکس کے ذریعے حوصلہ شکنی کرتا ہے چنانچہ اس معاملے میں اسلام نے کبھی بھی عورتوں کو ان کے فائدہ یا نسوانی ذوق کی وجہ سے رعایت و سہولت نہیں دی۔

﴿389﴾ عورت کے معاشرتی فرائض بھی ہیں۔ دینِ اسلام کی رُو سے قومی خزانے کی برابر تقسیم کے نظریے کے تحت ان ذرائع سے منع کیا گیا ہے جن سے چند ہاتھوں میں دولت کے انبار لگ جاتے ہیں جیسا کہ سود اور پانسے کے کھیلوں کے معاملات میں ہوتا ہے۔ اس بارے ایک عورت کے لئے بھی وہی اصول ہیں جو مرد کے لئے ہیں۔ لاٹریاں اور اونٹ دوڑ یا گھڑ دوڑ پر سٹے بازی وغیرہ معاشرے کے معاشی توازن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتے ہیں اور مردوں اور عورتوں دونوں کو واضح طور پر اس معاشی توازن کو نقصان پہنچانے سے منع کیا جاتا رہا ہے۔

﴿390﴾ آیئے شراب کا ذکر کریں جو اَن گنت بداعمالیوں، بدبختیوں اور خرابیوں کا ذریعہ ہے۔ یہ ہر مسلمان کا فرضِ اولین ہے کہ وہ شراب سے احتراز کرے۔ قرآن پاک اسے شیطان کا کام قرار دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٩٠

(سورۃ المائدہ، آیت:90)

ترجمہ "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سوان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔"

شراب کی حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق، معاشی، اخلاقی اور دوسری بُرائیاں بھی جانی پہچانی ہیں جن کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ نشہ آور مشروبات عورتوں سے متعلق ایک خاص عنصر رکھتے ہیں۔ یہ عورت ہی ہے جو پہلے اپنے خون سے اور پھر اپنے دودھ سے اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے۔ پس وہ اپنی صحت یا اپنی بیماری بھی اپنے بچے کو منتقل کرتی ہے اور یوں وہ بیماری نئی نسل اور انسانیت کے مستقبل کو منتقل ہوتی ہے۔

391 ایک قابلِ ذکر فرضِ اخلاقیات ہے۔ اگر اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلقات میں ہمارا فرض روحانیت ہے تو اپنے جاننے والوں کے ساتھ اپنے باہمی تعلقات میں اخلاقیات بھی بالکل ایسی ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اسلام کی شدید خواہش اور کوشش وکاوش یہی ہے کہ وہ بُرائیوں کے ظاہری عناصر پر حملہ آور ہونے کی بجائے ان کے بنیادی واصلی ذرائع کو ختم کرے۔ اسلام کچھ عوامل بارے مشورہ دیتا ہے۔ انہیں لاگو کرتا ہے یا پھر ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اگر ہم ان عوامل کے مقاصد پر گہرائی سے غور وفکر نہ کریں تو بعض اوقات ہم حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔ تمام مذاہب کے مطابق شادی شدہ وغیر شادی شدہ جوڑوں کا زنا بالقصد جرم ہے لیکن اسلام اس معاملے میں دور تک رسائی رکھتا ہے اور ایسے ذرائع کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس قسم کی ترغیبات کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ اُمید کرنا آسان ہے کہ ہر فرد خود اپنی اخلاقیات کو پختہ کرے گا تا کہ وہ بُری ترغیبات کا مقابلہ کر سکے لیکن یہ فیصلہ زیادہ عقل مندانہ ہے کہ ایسے مواقع کو ہی کم یا ختم کر دیا جائے جن میں پست کردار والے لوگ (کہ جن کی زیادہ تعداد مردوں پر مشتمل ہوتی ہے۔) ایک ایسی جنگ میں شامل ہو جاتے ہیں جہاں شکست ایک ناگزیر نتیجہ ہوتی ہے۔

392 پردے کی تاکید سب سے پہلے قرآن پاک نے کی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝٥٩

(سورۃ الاحزاب، آیت 59)

ترجمہ "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں۔ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچانی جائیں پھر نہ ستائی جائیں اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔"

یہ آیت اس لئے نازل کی گئی تا کہ مخالف جنس کی کشش کے مواقع کم کیے جا سکیں اور عورتوں کو مردوں کے شر سے بچایا جا سکے۔ اس کے بعد گھریلو افراد دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ سلوک بارے وحی نازل ہوئی۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ النور، آیات:30، 31)

ترجمہ ”ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بھی محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے لئے پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے غلاموں پر یا ان خدمت گاروں پر جنہیں عورت کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ“

تاریخ اسلام کے ہر دور میں کہ جس میں رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی شامل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان عورت زندگی کے ہر اس شعبے سے منسلک تھی جس میں اس کے لئے آسانی پائی جاتی تھی۔ خواتین نے بطور نرسوں، استادوں اور حتیٰ کہ جہاں ضرورت پڑی وہاں بطور جنگجو کے بھی فرائض سرانجام دیئے اور مزید یہ کہ بطور گلوکارہ، مشاطہ (گیسوتراش) اور باورچن وغیرہ کے طور پر بھی کارہائے حیات میں حصہ لیا۔ ابن

حجر" الاصابہ" میں لکھتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون شفاء بنت عبداللہ کو دارالخلافہ مدینہ کے ایک بازار میں جائزہ کار مقرر کیا۔ شفاء بنت عبداللہ نے ہی اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔ ماہرین قانون اور فقہاء اس امکان کو تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی خصوصی عدالتوں میں بطور جج تقرری کی گئی اور اس حوالے سے کئی مثالیں موجود ہیں۔ مختصراً یہ کہ عورت کسی کی محتاجی قبول کرنے کی بجائے مسلم معاشرے میں مردوں کے ساتھ مل کر کام کرسکتی ہے اور اپنے لئے روزی کما سکتی ہے اور اپنی صلاحیتوں کو منور و اُجاگر کرسکتی ہے۔

393 قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْہَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

(سورۃ الروم، آیت: 21)

ترجمہ "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے لئے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کے پاس چین سے رہو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کردی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔"

مرد اور عورتیں باہمی طور پر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّہُنَّ ؕ (سورۃ البقرہ، آیت: 187)

ترجمہ وہ (عورتیں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔"

اسی لئے انہیں چاہیے کہ وہ اپنے باہمی مفاد میں ایک دوسرے کے ساتھ مروت ولحاظ کا رویہ اپنائیں۔ دو ایک جیسے افراد تمام معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ سو فیصد مطابقت و موافقت نہیں رکھ سکتے۔ گھریلو دلچسپی کے امور اور خاندان کے اندر بہتر ادراک و دوراندیشی کے لئے باہمی رعایت والتفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہیے اس بارے قرآن پاک کا حکم انتہائی خیال آفریں اور فکر انگیز ہے۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْہًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْہُنَّ لِتَذْہَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْہُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ وَعَاشِرُوْہُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ کَرِہْتُمُوْہُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَہُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا ﴿۱۹﴾

(سورۃ النساء، آیت: 19)

ترجمہ "اے ایمان والو! تمہیں یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو میراث میں لے لو اور ان کو اس واسطے نہ روکے رکھو کہ ان سے کچھ اپنا دیا ہوا مال واپس لے لو۔ ہاں اگر وہ کسی

صریح بدچلنی کا ارتکاب کریں۔ اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو۔"

درحقیقت عقلمند شخص وہ ہے جو دوسروں سے بہت نرم رویہ اور شگفتہ روش اپناتا ہے خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ دوسروں سے زیادہ طاقتور ہو۔

394 ہر انسان شادی کے لئے ایک ایسے ساتھی کی جستجو و آرزو کرتا ہے اور اسے ترجیح دیتا ہے۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں پیار و محبت کا سلسلہ افسردہ و غمزدہ ہی رہا ہے۔ خصوصاً نوجوان افراد کے درمیان، پیار و محبت کے مقاصد اکثر عارضی اور تخیلاتی ہوتے ہیں جیسا کہ خوب صورت آواز، لطیف اندازِ مسکراہٹ، نشیلی آنکھیں، جسم و جلد کا رنگ، بال بنانے کا انداز یا چشم و ابرو کی اشارہ بازی اور جسم و جاں کی کنایہ سازی پیار و محبت کے ڈرامے کی ابتدا کا باعث بنتے ہیں۔ تاہم ایک خوشگوار اور سچی ازدواجی زندگی کے لئے صرف یہی صفت کافی نہیں ہوتیں۔ اس بارے سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت عقل مندانہ و مدبرانہ نصیحت فرمائی۔ حدیث شریف میں ہے کہ "صرف خوبصورتی کی خاطر شادی نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ خوب صورتی اخلاقی گراوٹ کا باعث بنے۔ حتیٰ کہ صرف دولت کی خاطر شادی نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ دولت نافرمانی کا باعث بنے۔ بہتر تو یہ ہے کہ مذہبی عبادت و الفت کی بنیاد پر شادی کی جائے۔" (ابن ماجہ، 1859) چونکہ دینِ اسلام جملہ شعبہ ہائے کارِ حیات میں باقاعدگی اور نظم و ضبط پیدا کرتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جو شخص اپنے مذہبی فرائض میں بڑا باریک بین ہوتا ہے وہی اپنی ذہانت و لیاقت سے گھر میں بہتر طریقے سے امن و آشتی پیدا کرتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا ایک عارضی شے ہے جس میں سے ہر شخص وقتی مفاد حاصل کرتا ہے اور دنیاوی نعمتوں میں اچھی اور نیک بیوی سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہے۔" (ابن ماجہ، 1855)۔ ترمذی اور نسائی شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث بیان کرتے ہیں کہ "کامل مومن وہ ہے جس کا کردار اکمل ہو اور جو اپنی شریکِ حیات کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔"

395 جیسا کہ ہم نے ابھی پڑھا کہ دینِ اسلام اخلاقیات کو خاص اہمیت و فوقیت دیتا ہے۔ لہٰذا اسلام میں آزادانہ جنسی تعلقات کو ہر ذریعے سے ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 34)

ترجمہ "پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں مردوں کی پیٹھ پیچھے اللہ کی نگرانی میں

(ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور سونے میں جدا کر دو اور مارو۔ پھر اگر تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لئے بہانے مت تلاش کرو۔ بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔''

اسی طرح عورتوں سے بھی کہا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی بداخلاقی و ناموافقت (نشوز) سے خوفزدہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کرے کیونکہ رب تعالیٰ کے نزدیک میاں بیوی کی صلح ایک بہتر امر ہے تاہم اگر مرد کسی طرح بھی ٹھیک نہ ہو تو اس کا آخری اختیار و حق یہی ہے کہ وہ عدالت سے علیحدگی کا مطالبہ کرے۔

395 (الف) ایک شادی شدہ جوڑے کے خیالات و نظریات میں مطابقت و موافقت ان کے باہمی اعتماد و اتحاد کی عکاسی کرتی ہے۔ بیشتر اوقات یہ ازخود واقع ہو جاتا ہے کہ دونوں میاں بیوی ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں جبکہ کئی دوسرے مواقع پر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو رعایت برتنا پڑتی ہے اور اپنے ذاتی خیال سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ تاہم اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور کسی بھی شخص کو قرآن پاک کی اس نصیحت پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(سورۃ العنکبوت، آیت:8)

ترجمہ ''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک بنائے جسے تو جانتا بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ تم سب نے لوٹ کر میرے ہاں ہی آنا ہے۔ تب میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔''

اسی ضمن میں حدیث مبارکہ ہے کہ ''مخلوق کی فرمانبرداری خالق کی نافرمانی میں نہیں ہے۔'' ہر شخص کو ہر قسم کے معاملات میں رعایت برتنے کی آزادی حاصل ہے چاہے وہ پیار و محبت سے ہو یا کسی مصلحت اور مجبوری کے تحت ہو۔ بشرطیکہ یہ عمل اسلامی ضابطہ قانون کی خلاف ورزی نہ ہو کیونکہ یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلامی و مذہبی احکامات کی کسی بھی صورت و قیمت پر خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔

395 (ب) ایک چیز شافع محشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیاری تھی اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کئی مواقع پر ذکر بھی فرمایا کہ مردوں کو چاہیے کہ اپنے معاملات میں زنانہ پن اختیار نہ کریں اور لڑکیوں کو اپنے بال بنانے کے انداز، لباس، طرز گفتگو اور اسی طرح دوسری چیزوں میں لڑکوں جیسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر شخص قدرتی و فطری طریقہ و سلیقہ کے مطابق اپنی شخصیت کو پروان چڑھائے اور مخالف سمت اختیار نہ کرے ورنہ ''اللہ کی لعنت'' ہوگی اس شخص پر جو اسلامی راستہ چھوڑ کر دوسری راہ پر گامزن ہوگا۔

عورتوں کے حقوق:

396 قبل از اسلام عرب میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کمزور و کمتر سمجھا جاتا تھا اس دور میں اگر عورت کسی مرد کے ظلم وستم کا شکار ونشانہ بنتی تھی تو وہ اس سے بدلہ وانتقام نہیں لے سکتی تھی۔ قرآن پاک نے اس ناانصافی اور عدم توازن کو یکسر ختم کیا اور شخصیت، جائیداد یا عزت ووقعت کے معاملے میں عورتوں کو بھی مردوں کے برابر معاشرتی وعدالتی انصاف وداد رسی کا حق دیا۔ حتیٰ کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ معاملات میں عورتوں کے حقوق کی مردوں کے حقوق سے زیادہ حفاظت کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کا فرمان ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ النور، آیات 5,4)

ترجمہ "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں 80 دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور درست ہو گئے تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔"

یہ سزا اس کے علاوہ ہے جو آخرت میں ملے گی۔ اضافی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ توبہ و پچھتاوے کی صورت میں شاید بروز محشر یہ خدائی سزا ختم ہو جائے۔ عقیدۂ جزا وسزا کے مفہوم و مطلب کے حوالے سے یہ رائے متفقہ ہے کہ توبہ و پچھتاوے کی صورت میں گناہ مٹ جاتا ہے تاہم احساسِ ندامت و پشیمانی کے باوجود ثبوت کی عدم فراہمی وعدم دستیابی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ قرآن پاک معاشرے کو خاص طور پر ان خود غرضانہ و بے رحمانہ اعمال و افعالِ شر سے پاک وصاف کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کہ جن سے معاشرے کو نقصان و ضرر پہنچانا آسان اور اس نقصان و ضرر کا ازالہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

397 جائیداد کے معاملات میں دینِ اسلام عورت کی مکمل شخصی انفرادیت واہمیت کا ازحد غیر معمولی انداز میں اقرار واظہار کرتا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق عورت اپنی جائیداد پر مکمل و مطلق اختیار رکھتی ہے۔ اپنے معاملات کو منظم کرنے کی صلاحیت واہلیت رکھنے والی طبعی وقانونی عمر بلوغت کو پہنچنے کی صورت میں عورت اپنی جائیداد کو اپنے والد، بھائی، شوہر، بیٹے یا کسی بھی اور فرد کو درمیان میں لائے بغیر اپنی مرضی کے مطابق فروخت کر سکتی ہے۔ اس معاملے میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر عورت کے خاوند، باپ یا کسی اور رشتہ دار پر اس کے پاس موجود سرمائے یا اثاثے سے بڑھ کر ذمہ داریاں ہیں تب بھی وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی خاطر عورت کی جائیداد کو کسی صورت ہاتھ نہیں لگا سکتا اور اسی طرح عورت کے مقروض ہونے کی صورت میں بھی یہ رشتہ دار ذمہ دار نہیں ہوتے ہیں۔ جائیداد کے حصول کے لئے عورت کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے ہیں۔ جائیداد اسے ورثے میں ملے، تحفے میں ملے یا امداد واعانت کے طور پر ملے یا وہ خود اپنی محنت و مشقت سے کام کر کے کمائے یہ سب صرف اور صرف اسی کی رہتی ہے۔ وہ اپنی جائیداد کی بلا

شرکت غیرے مالک ہوتی ہے یہ اس کی مرضی پر ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے یا کسی کو بھی تحفے کے طور پر دے دے یا فروخت کر کے یا کسی اور قانونی ذرائع سے اس سے مفاد حاصل کرے۔ یہ تمام عورت کے موروثی حقوق ہیں انہیں (مثال کے طور پر) خاوند کے ساتھ خصوصی معاہدے یا کسی اور شخص کے فیصلے کو بنیاد بنا کر حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(398) حق وراثت کے بیان کے لئے قدرے تشریح و توضیح کی ضرورت ہے۔ قبل از اسلام عرب عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ، خاوند یا کسی اور رشتہ دار سے ورثے کی مد میں کچھ لے۔ محبوب خدا، داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاکیزہ مشن و تبلیغ کے لئے پندرہ سالوں کے دوران اس مسئلہ کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ تاریخ نویس اس حوالے سے بتاتے ہیں کہ سن تین ہجری میں ایک دولت مند انصاری، حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ وفات فرما گئے اور اپنے پیچھے ایک بیوہ اور چار نوعمر معصوم بچیوں کو چھوڑ گئے۔ مدینے کے رواج کے مطابق صرف بالغ مرد ہی جنگ میں حصہ لے سکتے تھے اور وراثت کا حق رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک کمسن بیٹے کو بھی اپنے مرحوم باپ کی جائیداد پر کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائیوں نے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیا اور ان کا خاندان راتوں رات ہی بالکل مفلس اور ذریعۂ معاش و آمدنی سے محروم ہو گیا۔ اس وقت کلامِ الٰہی بصورتِ وحی نازل ہوا جس نے قانونِ وراثت کے نفاذ کا اعلان کیا۔ جس پر ہمیشہ سے مسلمان عمل پیرا ہیں اور حتیٰ کہ دوسری قوموں جیسا کہ لیونت Levant (مشرقی بحیرۂ روم کے علاقے کا قدیم نام جس پر آج کل لبنان، شام اور اسرائیل کا قبضہ ہے) کے رہائشی عیسائیوں نے بھی اسے اپنایا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

(سورۃ النساء، آیات 7 تا 12)

ترجمہ ''مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ تھوڑا ہو یا بہت یہ حصہ مقرر ہے اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان کو معقول بات کہہ دو اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں جن کی انہیں فکر ہو۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ خدا سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے پھر اگر دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی اس مال میں سے ہے جو میّت نے چھوڑا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور اگر میت کی اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو کُل مال کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر اس کی کوئی اولاد نہیں اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے پھر اگر میّت کے بہن بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے (یہ حصہ اس) وصیت کے بعد ہوگا جو وہ کر گیا تھا اور بعد ادا کرنے قرض کے۔ تم نہیں جانتے تمہارے باپوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔ جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں اس میں تمہارا آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو اس میں سے جو وہ چھوڑ جائیں ایک چوتھائی تمہارا ہے اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض کے بعد اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے جو تم چھوڑ کر مرو بشرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو۔ پس اگر تمہاری اولاد ہو تو جو تم نے چھوڑا اس میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے اس وصیت

کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی یہ میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا اور اس میت کا ایک بھائی یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ پس اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں وصیت کے بعد جو ہو چکی ہو یا قرض کے بعد بشرطیکہ اوروں کا نقصان نہ ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جاننے والا تحمل کرنے والا ہے۔"

اسی طرح رب خبیر و علیم کا مزید ارشاد ہے کہ:

يَسْتَفْتُونَكَ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

(سورۃ النساء، آیت: 176)

ترجمہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اسے اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر دو بہنیں ہوں تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا۔ اللہ تم سے اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

اس قانون کے مطابق مختلف رشتہ دار خواتین کے علاوہ خاص طور پر بیوی، بیٹی، ماں اور بہن کو وراثت کا حق حاصل ہوا۔ اسلامی وراثتی قانون کے مطابق منتقلہ اور غیر منتقلہ جائیداد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر چیز اصلی وارثوں میں قانون کے مطابق تقسیم ہونا ضروری ہے۔ اسلام نے بُری تخیل کاری سے بچاؤ کی خاطر وصیت کے ذریعے قریبی رشتہ داروں کو جائیداد سے محروم کرنے اور اجنبیوں کو وارث بنانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ دراصل قریبی رشتہ دار تو خود بخود ہی جائیداد کے وارث بن جاتے ہیں، وصیت میں ان کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک وصیت متعلقہ قریبی رشتہ داروں کے ان حقوق میں کمی یا اضافہ نہیں کر سکتی جو حقوق ان کے لئے قانونی طور پر مقرر و متعین کیے گئے ہیں۔ وصیت تو قانونی طور پر صرف اجنبیوں کے لئے جائز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ لوگ جن کو مرحوم کی جائیداد پر براہِ راست کوئی حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اسلام نے پوری جائیداد کا زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصہ مقرر کیا ہے جو کوئی فرد، وصیت کے ذریعے

رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور کے لئے چھوڑ سکتا ہے جبکہ دو تہائی حصہ قریبی رشتہ داروں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت تب مؤثر و معتبر ہوگی جب تمام ورثاء ورثے کی تقسیم کے وقت اسے متفقہ طور پر تسلیم کرلیں۔

399 وراثت کا قانون کافی حد تک پیچیدہ ہے کیونکہ اس میں انفرادی حالات کے مطابق مختلف ورثاء کے وراثت میں حصے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اکیلی بیٹی کا اکیلا حصہ یا ایک بیٹے کی موجودگی میں حصہ، والدہ کا اکیلا حصہ یا والدین موجودگی میں حصہ، بچوں کے ساتھ یا ان کے بغیر حصہ، اکیلی بہن کا اکیلا حصہ یا مرحوم کے بھائی، باپ یا بچوں کی موجودگی میں حصہ، یوں ہر فرد کو اپنی انفرادی حیثیت کے مطابق مختلف تناسب سے ورثہ ملتا ہے۔ یہاں ہمارا مقصد ان سب باتوں کی تفصیل بیان کرنا نہیں ہے تاہم خواتین ورثاء کے وراثت میں حصوں کو مختصر طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ اگر مرحوم کا ایک بھی بچہ ہے تو اس کی بیوی کو جائیداد کا آٹھواں حصہ ملتا ہے دوسری صورت میں اسے چوتھائی حصہ ملتا ہے۔ اکلوتی بیٹی کو جائیداد کا آدھا حصہ ملتا ہے اور زیادہ بیٹیوں کی صورت میں انہیں جائیداد کا دو تہائی حصہ ملتا ہے جنہیں وہ سب آپس میں برابر تقسیم کرتی ہیں۔ یہ سب اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی بھائی نہ ہو۔ بیٹے کی موجودگی میں بہن کو بھائی سے آدھا حصہ ملتا ہے۔ ماں کو تیسرا حصہ ملتا ہے جبکہ وہ اکیلی ہو اور مرحوم کے باپ، بچے یا بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اگر مرحوم اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑتا ہے تو بہن کو جائیداد میں سے کچھ نہیں ملتا لیکن اگر وہ اکیلی ہے تو اس صورت میں اسے آدھا حصہ ملتا ہے۔ دو یا اس سے زیادہ بہنوں کی صورت میں انہیں دو تہائی حصہ ملتا ہے جسے وہ آپس میں برابر تقسیم کرتی ہیں۔ بیٹی کی موجودگی میں بہن کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور بھائی کی موجودگی میں اسے بھائی کے حصے کا آدھا حصہ ملتا ہے۔ مکمل حقیقی بہنوں، سوتیلی والدہ والی بہنوں اور سوتیلے والد والی بہنوں کے بھی وراثت میں مختلف حصے مقرر کیے گئے ہیں۔

400 یوں محسوس ہوتا ہے کہ وراثت کی تقسیم میں بہن و بھائی، والد و والدہ اور بیٹی و بیٹا کے درمیان غیر مساوی حصوں کی وضاحت و جواز پیش کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قوانین غیر معمولی اور شاذ و نادر حالات کو مدِنظر رکھ کر بنانے کی بجائے عام حالاتِ زندگی کے پیشِ نظر تشکیل و تنظیم کیے جاتے ہیں مگر قادر و قدیر قانون ساز نے عورتوں کے تمام تر حقوق کو زیرِ غور و زیرِ نظر رکھا ہے (واضح ہو کہ شاذ و نادر حالات کے لئے غیر معمولی ذرائع ہمیشہ مہیا کیے جاتے ہیں)۔ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ عورت کی جائیداد پر اس کے باپ، خاوند یا کسی اور رشتہ دار کا حق نہیں ہوتا۔ وہ اپنی جائیداد کی اکیلی حق دار ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ان وراثتی مالکانہ حقوق کے علاوہ عورت نان نفقہ کے حصول کا حق بھی رکھتی ہے مثلاً خوراک، لباس، سونے کے لئے چھت وغیرہ اور عدالت اس کے باپ، خاوند، بیٹے وغیرہ پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ عورت کی ان ضروریات کو تنہا اپنے خرچے پر پورا کریں۔ پہلے کی طرح ایک بار پھر عورت اپنے خاوند سے معاہداتی رقم کے

طور پر مہر وصول کرتی ہے جو قبل از اسلام عورت کا باپ وصول کرتا تھا لیکن اسلام میں اس کا فائدہ خاص طور پر خود عورت کو ہی ہوتا ہے۔ یہ مہر اس جہیز کی مانند نہیں ہے جو کہ ایک ضروری ولازمی شے نہیں ہے۔ مہر ایک ایسا ضروری عنصر ہے جس کے بغیر قانونی طور پر شادی جائز نہیں ہوتی۔ پس یہ دیکھا جائے گا کہ مرد کی نسبت کہ جس پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، عورت کو اپنے لئے کم مادی ضروریات چاہیے ہوتی ہیں۔ ان حالات میں یہ سمجھنا نہایت آسان ہے کہ مرد، عورت کی نسبت وراثت کے زیادہ حصے کا حقدار ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ عورت کو دوسروں کے خرچے پر گزر بسر کا حق حاصل ہے یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اسے وراثت کی شکل میں جائیداد میں حصے کا اضافی حق دیتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ایک اچھے گھریلو نظام کے لئے باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت بھی اپنے خاندان یا کنبے کی آمدن بڑھانے یا ان اخراجات کو گھٹانے کے لئے کام کرتی ہے جو اس کے کام نہ کرنے کی صورت میں بڑھ جائیں گے۔ لیکن ہم عورت کے حقوق بارے بات کر رہے ہیں نا کہ معاشرتی رواج وروایات بارے جو کہ مختلف افراد کے حوالے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسلام میں نان نفقہ کا نظریہ اس حد تک آگے جاتا ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق، ایک بیوی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے شیر خوار بچے کو اپنا دودھ پلائے، اگر شیر خوار بچے کی ماں اسے اپنا دودھ نہیں پلانا چاہتی تو یہ ذمہ داری بچے کے باپ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کے لئے اپنے خرچ پر ایک رضاعی ماں کا انتظام کرے۔

(401) آیئے شادی کے حوالے سے بات کرتے ہیں جو بہت سے سوالات کو جنم دیتی ہے۔ اسلام کے مطابق شادی ایک ایسا باہمی معاہدہ ہے جس کی بنیاد دونوں معاہداتی فریقین کے آزادانہ فیصلے پر رکھی جاتی ہے۔ والدین اپنے مشورے کے ذریعے اور اپنے تجربے کی بنیاد پر اپنے بچے کی اس کے جیون ساتھی کی تلاش یا پسند کرنے کے معاملے میں اس کی مدد کرتے ہیں تاہم اس معاملے میں آخری فیصلہ جوڑے کا ہی ہوتا ہے۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس معامے میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ غیر قانونی طریقہ کار کے درجات ایک علاقے سے دوسرے علاقے اور ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں مختلف ہو سکتے ہیں لیکن قانون ان رواجوں کو نہیں پہچانتا و مانتا کہ جو اس کے ضوابط و شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

(402) یہ سچ ہے کہ اسلام کثیر الازدواجی کی اجازت دیتا ہے لیکن اس مقام پر اسلامی قانون ان دوسرے قوانین کی نسبت زیادہ لچک دار اور معاشرے کی ضروریات سے زیادہ ہم آہنگ ہے کہ جو کسی بھی صورت کثیر الازدواجی کی اجازت نہیں دیتے۔ فرض کیجیے ایک ایسی صورت حال ہے جس میں ایک عورت کے جوان بچے ہیں اور وہ دائمی مرض کا شکار ہو جاتی ہے اور گھریلو کام کاج کے قابل نہیں رہتی۔ اس کے خاوند کی آمدنی بھی اتنی نہیں ہے کہ وہ گھر کے کام کاج کے لئے نوکرانی کا انتظام کر سکے یہاں ہم ازدواجی زندگی کی قدرتی وفطری ضروریات

بارے بات نہیں کرتے۔ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ وہ دائمی بیمار عورت اپنے خاوند کو دوسری شادی کی اجازت دے دیتی ہے اور یہ کہ ایک ایسی عورت بھی مل جاتی ہے جو کچھ تعرض کے بعد اس آدمی سے شادی کرنے پر راضی ہو جاتی ہے مگر مغربی قانون اس رنج والم اور مصیبت سے گھرے گھر میں خوشی لانے کے لئے ایک قانونی شادی کی بجائے بداخلاقی وفحاشی کی اجازت دے گا۔

403 دراصل اسلامی قانون عقل وفہم سے قریب تر ہے کیونکہ یہ صرف اس صورت میں کثیر الازدواجی کو تسلیم کرتا ہے جب عورت خود اس قسم کی زندگی کے لئے رضا مند ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کثیر الازدواجی کو لاگو نہیں کرتا بلکہ صرف کچھ حالات وواقعات میں اس کی اجازت دیتا ہے۔ ہم نے ابھی دیکھا کہ اس کا انحصار صرف اور صرف عورت کی رضامندی پر ہوتا ہے۔ وسیع زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ پہلی اور دوسری بیوی دونوں کے حوالے سے صحیح ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ دوسری عورت پہلے سے شادی شدہ آدمی سے شادی کرنے سے منع کر سکتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کوئی بھی شخص عورت پر اس کی رضامندی کے بغیر شادی کے بندھن میں باندھنے کے لئے زبردستی نہیں کر سکتا۔ اگر عورت دوسری بیوی بننے پر راضی ہو جاتی ہے تو قانون کو مرد کے حق میں بہتر اور عورت کے لئے ظالم اور نا انصاف تصور نہیں کیا جانا چاہیے۔ کثیر الازدواجی کا انحصار پہلی بیوی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنی شادی کے وقت وہ نکاح نامے میں اس شق کے اندراج اور قبولیت کا تقاضا کر سکتی ہے کہ اس کا خاوند صرف ایک شادی کرے گا۔ یہ شرط بھی کسی دوسرے قانونی معاہدے کی شرط کی طرح قانونی طور پر جائز ہوگی۔ اگر عورت اپنے اس حق سے استفادہ نہیں کرنا چاہتی تو قانون اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ ہم نے صرف غیر معمولی وشاذ ونادر حالات وواقعات بارے بات کی ہے اور قانون کے پاس ان کے ممکن حل ہونا ضروری ہیں۔ کثیر الازدواجی اصول نہیں بلکہ استثناء ہے اور اس استثناء کے معاشرتی وسماجی کے ساتھ ساتھ مختلف ومتنوع اور بھی فوائد وثمرات ہیں۔ (یہاں ان کی تفصیلات کا بیان قدرے بھاری پن پیدا کرے گا) اور اسلامی قانون اپنی اس لچک دار ساخت پر واضح طور پر قابلِ فخر واعزاز ہے۔

404 قدیم مذہبی قوانین میں مردوں کی کثیر الازدواجی بارے کوئی پابندی نہیں پائی جاتی۔ تمام انجیلی پیغمبر کثیر الازدواج تھے۔ یہاں تک کہ عیسائیت میں جو کہ یک زوجگی کے مترادف بن چکا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کثیر الازدواجی کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا دوسری طرف لوتھر (Luther)، میلنکتھن (Melanchthon)، بوسر (Bucer) وغیرہ (بحوالہ "Dictionaire de la Bible by Vigouroux" زیر عنوان Polygamie) جیسے ممتاز ونمایاں مذہبی پیشواؤں نے میتھیو (Matthew) کی انجیل (25:1-12) کا حوالہ دیتے ہوئے، دس دوشیزاؤں کی تمثیلی کہانی سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ کثیر الازدواجی قانونی طور پر جائز ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں اس امکان کو مکمل طور پر محسوس کیا کہ ایک آدمی بیک وقت دس لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے۔ اگر عیسائی اپنے پیغمبر

دین کی طرف سے دی گئی اجازت سے مستفید نہیں ہونا چاہتے تو اس طرح قانون تو تبدیل نہیں ہو جاتا۔ مسلمانوں کے لئے بھی ایک واضح قانون موجود ہے جو کہ انسانی تاریخ میں واحد قانون ہے کہ جس نے قطعی طور پر کثیر الازدواجی کی تعداد مقرر و متعین کی۔ عیسائی نظریہ و عمل اور رواج و روایت کو سمجھنے کے لئے اور اس کے علاوہ عام بحث کے لئے بھی ہم ''انسائیکلو پیڈیا برطانیکا'' کے مضامین ''شادی'' اور ''کثیر الازدواجی'' کے ساتھ ساتھ ویسٹر مارک (Westermarck) کی کتاب "History of Human Marriage" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یک زوجگی کو اگر دوسری شادی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ شادی کی ایک خاص اور منفرد قسم لگتی ہے کیونکہ دوسری شادی کو ایک سنگین مجرمانہ خلاف ورزی اور گناہ کے ساتھ ساتھ مقدس چیز کی بے حرمتی جیسا فعل تصور کیا جاتا ہے جس کا ارتکاب واقعی بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔ شادی بارے اس طرح کا خاص نمونہ اور بے لچک نظریہ جدید ترقی یافتہ مغربی ثقافت کے علاوہ شاید کہیں نہیں پایا جاتا۔ حتیٰ کہ عیسائی عقیدے میں بھی یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔ (بحوالہ ''انسائیکلو پیڈیا برطانیکا'' زیرِ عنوان ''شادی'')۔ ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ مغربی دنیا میں لازمی یک زوجگی کو عیسائیت نے متعارف کروایا۔ عیسائیت نے اسقف (Deacon) اور اُسقف اعظم (Bishop) یعنی چھوٹے پادری اور بڑے پادری کے علاوہ کسی اور کو کثیر الازدواجی سے واضح طور پر منع نہیں کیا (12 اور 1Timothy, iii, 2) جو کہ سینٹ پال (St.Paul) کا مشورہ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بارے کچھ نہیں فرمایا..... لیکن پچھلی اولین صدیوں میں کسی بھی چرچ کی کونسل نے کثیر الازدواجی کی مخالفت نہیں کی اور عیسائیت سے پہلے زمانہ کفر میں جب مختلف ملکوں کے بادشاہوں نے ایسا کیا تو ان کے راستے میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی۔ چھٹی صدی عیسوی میں آئرلینڈ کے بادشاہ Diarmait کے حبالۂ عقد میں دو ملکہ اور دو کنیزیں تھیں۔ (H.d'Arbois be Jubainville, "Cours de literature Celtique", vi,292) فرانس کے میروونجین (Merovingian) بادشاہ بھی کثیر الازدواج تھے۔ چارلس عظیم شالی مین (Charlemagne) کی دو بیویاں اور کئی کنیزیں تھیں اور اس کے قوانین میں سے ایک قانون یہ ظاہر کرتا ہے کہ پادری بھی کثیر الازدواجی سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

(A. Thierry, "Recits des temps Merovingiens" &L.Hallam, "Europe during the Middle Ages 1,420" & Hellwald, "Die menschliche Familie", p.588)

بعد ازاں ہیس (Hesse) کے Philip اور پرشا (Prussia) کے فریڈرک ولیم دوم (Frederick William II) نے بھی لوتھران چرچ کے منسٹرز کی اجازت سے دو، دو شادیاں کیں۔

(Friedberg, "Lehrbuch des katholischen und evangelischen kirchenrechts I, 436)

لوتھر (Luther) نے خود دو شادیوں کی اجازت دی اور پھر میلنکتھن (Melanchthon) نے بھی ایسا کیا۔ (Koslin, "Martin Luther" II,476) کئی مواقع پر کثیر الازدواجی بارے بات کرتے ہوئے لوتھر نے لحاظ و مروت اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔ (ایضاً، 693)......
1650ء میں ویسٹ فیلیا (Westphalia) میں امن وسکون کے فوراً بعد (جب تیس سالہ جنگ کے نتیجے میں آبادی میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی) جنگی مجلس قانون ساز نے مغربی جرمنی کے شہر نیورمبرگ (Nuremberg) میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا کہ اس وقت سے ہر شخص کو دو عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیے۔
(V. Hellwald, "Cours de literature celtique, p.599 note)۔
کئی عیسائی فرقوں نے کثیر الازدواجی کے حق میں پُر جوش و ولولہ انگیز دلائل دیئے ہیں۔ سولہویں صدی کی پروٹیسٹنٹ تحریک کے رکن نے منسٹر (Munster) شہر میں علی الاعلان تبلیغ کرتے ہوئے کہا کہ جو کوئی بھی سچا و مخلص عیسائی بننا چاہتا ہے تو اس کی بہت سی بیویاں ہونا ضروری ہیں۔ (ایضاً، صفحہ 558 نوٹ 1)۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ مورمنز (Mormons) یعنی نیویارک کے مسیحی کلیسا کے ممبران کثیر الازدواجی کو خدائی دستور و رواج قرار دیتے ہیں۔
(Westermarck, "History of Human Marriage III, 50-51)
اور یہ کہ مستند و معتبر مؤرخین نے اپنی مشہور زمانہ کتب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ عیسائیوں کے عظیم مبلغین اور ممتاز مذہبی پیشواؤں مارٹن لوتھر (Martin Luther) اور فلپ میلنکتھن (Philip Melanchthon) دونوں نے انگلستان کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ شادی کے بندھن سے اجتناب کرنے کی بجائے ایک کے بعد دوسری شادی کر لے۔ ان کے اس مشورہ سے دنیا کا ہر صاحبِ فہم و بصیرت عیسائیوں کی ذہنیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔
(J.B. Boussuet, "Histories des variations des eglises Protestantes" livre VI, depuis 1573 jusqu'a l'an 1546 in: Oeuvres completes de Bousset, new edition at Bar-le-Duc, 1877, vol.III, 233-250, in particular p-244)۔ مزید ملاحظہ کیجیے "Dictionnaire de la Bible", by F.Vigouroux, Paris, 1912, vol, IV. 513, بعنوان "Polygamie")

﴿405﴾ اسلامی قانون میں تنسیخ نکاح کا امکان بھی ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ خاوند کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا یکطرفہ حق حاصل ہے۔ بیوی بھی نکاح نامہ (شادی کا معاہدہ) پر دستخط کے دوران خلع کا حق حاصل کر سکتی ہے۔ عدالتِ انصاف بھی بیوی کی شکایت پر جوڑے کی علیحدگی کا حق رکھتی ہے بشرطیکہ اگر خاوند ازدواجی فرائض

پورے کرنے کے قابل نہ رہا ہو یا وہ کسی خاص نوعیت کی سنجیدہ بیماری میں مبتلا ہو یا وہ بغیر کسی اطلاع کے لمبے عرصے تک غائب رہے وغیرہ۔ مزید یہ کہ دوطرفہ علیحدگی بھی اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ جس میں دونوں فریقین باہمی رضا مندی سے کچھ شرائط کی بنیاد پر اپنا ازدواجی تعلق مزید برقرار نہ رکھنا چاہتے ہوں۔ قرآن پاک اس بات پر زور دیتا ہے کہ میاں بیوی کو مکمل اور قطعی علیحدگی اختیار کرنے سے پہلے اپنے اختلافات کسی ثالث کے روبرو پیش کرنے چاہئیں۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

(سورۃ النساء، آیت:35)

ترجمہ "اگر تمہیں کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑنے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔"

شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بہرطور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "اللہ عزوجل کے نزدیک جائز اشیاء میں سے سب سے نفرت انگیز شے طلاق ہے۔" قوانین، اخلاقیات اور نصائح سبھی ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث بنتے ہیں اور ان سب کا منبع و ماخذ صرف اور صرف قرآن و حدیث ہی ہے۔

❀......❀

باب 12

اسلام میں غیر مسلموں کا مقام و مرتبہ

406 دوری و نزدیکی، رشتہ داری و اجنبیت کے مابین فرق و تمیز اور امتیاز و تفریق کرنا ایک قدرتی و فطری امر ہے۔ ذہنی و اخلاقی ترقی و ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے میں غیر ملکیوں کو جذب و قبول کرنے کا میلان و رجحان رہا ہے۔ اگر معاشرہ اپنے آپ کو محض خونی رشتہ داری اور قبائلی تعلق داری کی گروپ بندی تک محدود و متعین کر دیتا تو غیر ملکیوں کو حقوق قومیت و شہریت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ مل سکتے۔ اگر نسل کے علاوہ رنگ کو بنیاد بنا کر ایسا کیا جاتا تو پھر بھی یہی نتیجہ نکلتا کیونکہ جلد کے رنگ کو تو چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے سماجی و معاشرتی اتحاد و یگانگت میں اس حوالے سے غیر ملکیوں کے جذب و قبول کے لئے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مقام پیدائش بھی کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں رہا کیونکہ انسان ہمیشہ شہری ریاستوں کی حد بندیوں کو عبور کرتا رہا ہے۔ سماجی و معاشرتی اتحاد و اتفاق کے مختلف نظریات و خیالات کے مطابق محض ایک قدرتی واقعہ و حادثہ ہی اس کی بنیاد بنتا رہا ہے جو انسانی عقلیت پسندی سے زیادہ حیوانی جبلت پر انحصار رکھتا ہے۔ یہ ایک عام فہم امر ہے کہ اسلام نے قومیت کے ان تمام نظریات و تصورات کو یکسر رد کیا ہے اور محض عقائد و افکار کی مطابقت کو قومیت کی بنیاد و اساس بنایا ہے اور اسے معاشرے کا بنیادی بندھن اور اتحاد و ملاپ کا بنیادی عنصر قرار دیا ہے کیونکہ یہ وہ نکتہ و نظریہ ہے جو پیدائشی مقامات اور دوسرے واقعات و حوالہ جات کو بنیاد بنانے کی بجائے انسان کے ذاتی فکری انتخاب کو فوقیت دیتا ہے۔ چنانچہ ایسا معاشرہ ہی غیر ملکیوں کو بہ آسانی قومیت و شہریت دینے اور جذب و قبول کرنے کا حامل ہوتا ہے اور اسی میں نسلِ انسانی کے تمام طبقات و قبائل بہ سہولت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ نکتہ و نظریہ زیادہ قابلِ عمل اور منطق و دلیل کے قریب تر ہونے کی بنا، پر کسی بھی فرد کو امن و سکون اور اطمینان و تسلی کے ہم رکاب حیاتِ مستعار و ناپائیدار کے لمحات بہتر طور پر گزارنے کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔

407 اگر ایک توحید پرست مومن یا سرمایہ دار کو کمیونسٹ ممالک میں ایک اجنبی و غیر متعلق فرد سمجھا جاتا ہے، ایک سیاہ فام کو سفید فام ممالک میں سماجی و معاشرتی تفریق و تمیز کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا ایک غیر اطالوی کو اٹلی (اطالیہ) کا حقیقی باشندہ قرار نہیں دیا جاتا تو یہ امر بھی باعث حیرت و استعجاب نہیں ہونا چاہیے اگر ایک غیر مسلم کو کسی اسلامی مملکت میں اجنبی و غیر متعلق فرد سمجھا جائے۔ خیالات و نظریات یا نکتہ ہائے نظر میں اختلاف ہو سکتا ہے تاہم ہر شخص اپنے قبیلہ و مکتبۂ فکر اور دوسرے قبیلہ و مکتبۂ فکر میں امتیاز ضرور کرتا ہے۔

408 ہر قسم کے دوسرے سیاسی یا سماجی نظام کی طرح دینِ اسلام بھی اپنے "متعلقین" اور "غیر متعلقین" میں امتیاز کرتا ہے مگر اس کی دو خصوصیات منفرد و ممتاز اور قابلِ ذکر ہیں۔ اول: یہ کہ جو افراد اس کے نظریات سے اتفاق کرتے ہیں وہ روحانی طور پر اس امتیاز اور حد بندی سے مستثنٰی قرار پاتے ہیں۔ دوم: یہ کہ دنیاوی معاملات میں دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے اور کسی قسم کا غیر مساویانہ برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ اب ہم اس دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنے کی بھرپور کوشش و کاوش کریں گے۔

فرائض کا خدائی ماخذ:

409 کسی کو بھی اس حقیقت کی عملی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان جس نظامِ قانون کو فکری اور عملی طور پر مانتے ہیں اس کا منبع و ماخذ خدائی ہے یعنی وہ نظام قانون محض کسی ملک کے لیڈروں کی اکثریت کی مرضی و منشاء کا مجموعہ ہونے کی بجائے خلاقِ عظیم، رب کریم و رحیم کا تخلیق کردہ ہے۔ انسانوں کی اکثریت کے بنائے ہوئے قانون میں اقلیت کو اپنے خیالات و نظریات منوانے کے لئے جدوجہد اور کوشش و کاوش کرنا پڑتی ہے۔ ہمارے دور کی جمہوری حکومتوں میں نہ صرف یہ کہ ہر الیکشن میں بیشتر اوقات اکثریتی جماعت مختلف ہو جاتی ہے بلکہ یہ جمہوری حکومتیں ہمہ قسم کے ذرائع ابلاغ اور اتحادی گروپوں کے زور پر بنتی یا بگڑتی رہتی ہیں اور جو بھی جماعت برسرِ اقتدار آتی ہے وہ سابقہ حکمرانوں کی پالیسیوں کو تہ و بالا کرتے ہوئے دوسری تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ قوانین کو بھی بدل ڈالتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اسلامی قوانین سماجی و معاشرتی ارتقاء میں کس قدر جذب و قبولیت کی صلاحیت رکھتے ہیں یہ حقیقت بے مثل و ناقابلِ تردید ہے کہ اسلامی قوانین اپنے خدائی منبع و ماخذ ہونے کی بناء پر دنیا کے کسی بھی سیکولر نظامِ قانون کے مقابلے میں زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں۔

410 اسلامی نظامِ قانون غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے اور ان کے بارے مختلف قوانین پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتا ہے۔ چنانچہ اسلامی مملکت و ریاست میں سیاسی لڑائیوں اور پارلیمانی انتخابات کے باعث غیر مسلموں کو کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ اسلامی حکمران یا پارلیمنٹ ان کے بارے اسلامی قوانین کو کسی صورت تبدیل نہیں کر سکتے۔

بنیادی نظریات:

411 مومن و مسلمان اور منکر و کافر کسی صورت برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن و مسلمان جنت الفردوس میں جائیں گے جبکہ منکر و کافر جہنم میں جائیں گے لیکن اس حقیقت کا تعلق آخرت سے ہے۔ جہاں تک دنیاوی زندگی کا تعلق ہے مسلم فقہاء نے "متعلقین" اور "غیر متعلقین" کے مابین ہمیشہ عظیم تر مساویانہ سلوک و رویہ بارے بات کی ہے۔

412 جہاں تک مذہبی رواداری کا سوال ہے قرآن الحکیم واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۃ البقرہ آیت)

ترجمہ ''دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔''

اسلامی مملکت میں مستقل اور عارضی دونوں کے باشندوں کو تحفظ وسیکیورٹی اور ضمیر کی آزادی کے حوالے سے مکمل ضمانت دی جاتی ہے۔

413 جہاں تک مہمان نوازی اور جائے پناہ ومحفوظ ٹھکانہ دینے کا تعلق ہے چودہ سو سال سے زائد عرصہ سے اس پر بحسن وخوبی عمل ہو رہا ہے جس سے اس کی نظریاتی پوزیشن مزید مضبوط ومستحکم ہوئی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ التوبہ، آیت:6)

ترجمہ ''اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں۔''

نسلی، مذہبی، سیاسی تعصبات، زیادتیوں کے شکار اور دوسرے مظلومین نے ہمیشہ اسلامی مملکت میں ہی محفوظ ٹھکانہ اور جائے پناہ پائی ہے۔

داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

414 مدینہ منورہ میں داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام واستحکام حاصل کرنے کے بعد دیکھا کہ وہاں مکمل طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اس علاقہ میں نہ تو کبھی سلطنت ومملکت قائم ہوئی تھی اور نہ ہی کسی بادشاہ نے طرفین کی تباہی کا موجب بننے والی خانہ جنگیوں میں ملوث قبائل کو یکجا ومتحد کرنے کی کوشش و کاوش کی تھی۔ محض چند ہفتوں کے اندر ہی منتظم اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ کے تمام باشندوں کو منظم ومتحد کرنے میں کامیاب وکامران ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی شہری ریاست تشکیل دی کہ جس میں مسلمان، یہودی اور عربی کفار کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ قدرے مختصر تعداد میں عیسائی ایک معاشرتی معاہدہ کے تحت ایک ریاستی نظام وانتظام کے زیر اثر آ گئے۔

415 ''اولین مسلم'' ریاست مدینہ منورہ کے مختلف رہائشی گروپوں کی ایک کنفیڈریشن (نیم وفاقی حکومت) تھی۔ وہاں کی اس پہلی ''مسلم'' ریاست کا آئین وقانون اپنی مکمل حالت اور پورے متن کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کی شق نمبر 25 میں واضح لکھا ہے کہ'' مسلمانوں کا اپنا مذہب جبکہ یہودیوں کا اپنا مذہب کہ جس پر وہ عمل پیرا ہوں گے'' یا یہ کہ ''امداد واعانت، تعاون ومعاونت اور انصاف کی عملداری ہو گی'' لیکن اس کے

باوجود اسی شق نمبر 25 میں ایک غیر متوقع پیراگراف بھی شامل ہے جس کے مطابق ”یہودی، مسلمانوں کے ساتھ ایک اتحادی (تشکیلی حصہ کے طور پر) قوم ہیں یعنی یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت (یا اُمت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ (بحوالہ ابن ہشام، ابوعبید)

416 یہ حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ کی اس شہری ریاست کی تشکیل کے وقت خود مختار یہودی علاقوں نے مکمل آزادی اور اپنی مرضی و منشاء سے اس نیم وفاقی ریاست کو قبول و منظور کرتے ہوئے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اعلیٰ اور سب سے بڑا سیاسی حاکم و سربراہ تسلیم کیا۔ یہ امر ہمیں یہ رائے قائم کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم ملک کی سیاسی زندگی کے حوالے سے غیر مسلم رعایا کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مسلم ریاست کے سربراہ کے انتخاب میں اپنا ووٹ استعمال کر سکے۔

417 دنیا کے اس پہلے تحریری دستور کے مطابق ریاست کا فوجی دفاع یہودیوں سمیت آبادی کے تمام طبقات کی ذمہ داری تھی اس سے ان کی ریاست کے منصوبوں و مشوروں میں شمولیت اور ان کی تشکیل و تکمیل میں حصہ داری ظاہر ہوتی ہے۔ اس تحریری دستور کی شق 37 کے مطابق ”یہودیوں پر ان کے خرچہ کا بار ہوگا جبکہ مسلمانوں پر ان کے خرچہ کا بار ہوگا اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے گا تو ان (یہودیوں اور مسلمانوں) میں باہمی مدد و معاونت عمل میں آئے گی۔“ مزید یہ کہ شق 45 کے مطابق ”اگر اس دستور والوں (یہودیوں اور مسلمانوں) سے کوئی کسی ایک کے ساتھ صلح یا جنگ کرے گا تو یہ باہم متفق و متحد رہیں گے اور منقسم نہیں ہوں گے۔“

418 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہری ریاست کے قیام کے چند ماہ بعد مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے عربی کفار کے ساتھ دفاعی اتحاد اور باہمی امداد و اعانت کے نتیجہ خیز اور فیصلہ کن معاہدے کیے۔ جن میں سے کچھ کفار نے تقریباً دس سال بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس طویل عرصہ کے دوران باہمی مدد و معاونت کا عمل مکمل نہیں ہوا تھا جیسا کہ درج ذیل واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

419 سن 2 ہجری میں کفار مکہ نے شاہ حبشہ نجاشی کے پاس ایک سفارتی وفد بھیجا تاکہ اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے ملک میں پناہ لینے والے مکی مسلمانوں کو ”مجرم پناہ گزین“ قرار دے کر ان کے حوالے کرے۔ کفار مکہ کی اس مہم جوئی کی مدافعت کرنے کے لئے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کی حمایت کی خاطر کہ جنہوں نے اپنے ہی شہر کے باشندوں کے ہاتھوں مذہبی ظلم و ستم کی بناء پر حبشہ میں جائے پناہ تلاش کی تھی ایک سفیر حبشہ کی جانب روانہ فرمایا یہ سفیرِ اسلام حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ درحقیقت وہ مدینہ منورہ کے ہمسایہ اتحادی قبائل میں سے کسی ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

420 ایک دور میں جبکہ اسلامی مملکت کی وسیع و عریض سرحدوں پر مستقل جنگیں لڑی جا رہی تھیں تو اس وقت زندگی کے خاتمہ کے اندیشے اور جنگجوؤں کی معاشی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے فوجی خدمت و ملازمت کو

ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کرنا آسان و سہل نہیں تھا۔ غیر مسلموں پر اعتماد و بھروسہ بارے شکوک وشبہات کے پیش نظر جب انہیں فوجی سروس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تو تمام غیر مسلم کہ جنہوں نے مسلم حکمرانی کو قبول و منظور کر لیا تھا غیر ملکیوں کے ساتھ جنگ سے اپنے اس استثنیٰ کا خیر مقدم کیا۔ وہ اب امن و سکون اور خوشی و خوشحالی کے ساتھ زندگی کے سفر میں رواں دواں رہ سکتے تھے جبکہ مسلمانوں کو جنگ سے منسلک تمام خطرات اور اندیشوں کے باوجود فوجی فرائض کی بجا آوری کے لئے ذمہ داری دی جا سکتی تھی۔ چنانچہ غیر مسلم معمولی اضافی ٹیکس ''جزیہ'' ادا کرتے تھے جو کہ نہ تو بھاری تھا اور نہ ہی غیر منصفانہ تھا اور یہ کہ اس سے ان کی عورتیں، بچے اور غریب افراد مستثنیٰ تھے۔ رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جزیہ کی رقم محض دس درہم سالانہ تھی جو کہ ایک اوسط درجہ کے خاندان کے دس روز کے اخراجات کے برابر تھی۔ مزید یہ کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی سال کسی جنگی مہم میں حصہ لیتا تھا تو اس سے متعلقہ سال کا جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ چند مخصوص و چیدہ مثالیں جزیہ کے حقیقی و اصلی کردار پر بہتر روشنی ڈال سکتی ہیں۔

421 اسلام کے آغاز میں جزیہ نہ ہی ریاست مدینۃ المنورہ اور نہ ہی کہیں اور نافذ و لاگو تھا۔ اس کا حکم قرآن پاک میں سن 9 ہجری میں نازل ہوا۔ یہ موزونیت و افادیت کا معاملہ تھا۔ اسلام میں یہ کوئی لازمی و ضروری اعتقادی فریضہ نہیں تھا۔ ان واقعات سے یہ بات کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ ابن سعد کے مطابق رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ ''اگر یہ زندہ رہتا تو میں ابراہیم کی والدہ کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے طور پر تمام قبطیوں کو جزیہ ادا کرنے سے مستثنیٰ کر دیتا۔'' (حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا تھا اور وہ قبطیہ تھیں) اسی طرح امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (حسن المحاضرہ، باب خلیج امیر المومنین) بیان کرتے ہیں کہ جب غیر مسلم مصریوں نے قدیم نہر (مشہور نہر امیر المومنین) کو فسطاط (قاہرہ) سے بحیرۂ احمر تک دوبارہ کھودنے و کھولنے کے منصوبہ پر عمل درآمد کے لئے مسلم حکومت کو اپنا ارادہ وعندیہ بیان کیا (تاکہ مصر سے اشیائے خوردنی مدینہ منورہ لانے کے لئے بحری ذریعہ آمدورفت جاری کیا جا سکے) تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں جزیہ کی ادائیگی سے تاحیات مستثنیٰ قرار دے دیا۔ کچھ فقہاء کی رائے میں جزیہ کے حوالے سے مسلمانوں کے مفادات پر بین الاقوامی ردِعمل کو ضرور زیرِ غور لایا جانا چاہیے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام پوری دنیا میں سرایت کر چکا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ایسے ممالک میں رہ رہے ہیں جہاں غیر مسلم حکومتیں ہیں اور اگر اسلامی ممالک میں عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جائے تو یقینی طور پر غیر مسلم حکومتوں والے ممالک میں موجود مسلمانوں کو ردِعمل کا سامنا ہوگا۔

422 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسترِ وصال پر حجاز کی یہودی اور عیسائی آبادیوں کی دوسرے علاقوں میں منتقلی کی ہدایت دی۔ اس کا سیاق و سباق روایات میں بیان نہیں کیا گیا تاہم یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق علاقے کی کچھ آبادیوں کے سیاسی رویے سے تھا اور یہ کہ یہ پابندی عیسائی اور یہودی اقوام کے تمام افراد کے لئے عمومی طور پر نہیں تھی۔ یہ امر زیرِ غور رکھنا چاہیے کہ خلفاء راشدین کے ادوار میں مسلمانوں کے

غیر مسلم غلام اور لونڈیاں تھیں جو اپنے اپنے مالک و آقا کے ساتھ مکہ و مدینہ وغیرہ میں رہائش پذیر تھے۔ آزاد غیر مسلموں میں سے ایک مشہور و معروف حوالہ اس عیسائی ڈاکٹر کا ہے جس کے مریضوں کی مشاورت کے لئے مخصوص کمرے کعبہ کی مسجد کے مینار کے عین نیچے تھے۔ وہ وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یا اس کے فوری بعد کے دور میں رہتا تھا۔ (ابن سعد جلد پنجم) اسی طرح ابن سعد (جلد سوم صفحہ 258) ایک عیسائی جفینہ کا بھی حوالہ دیتا ہے جو مدینہ منورہ کے رہائشی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔

﴿423﴾ رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بسترِ وصال پر دی گئی ایک اور ہدایت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "غیر مسلم رعایا کو میری طرف سے دیئے گئے تحفظ و امان پر احتیاط و التزام کے ساتھ عمل کرو۔" ابو داؤد نے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ "جو کوئی غیر مسلم رعایا پر زیادتی و ظلم کرے گا وہ مجھے روزِ محشر غیر مسلم کی وکالت کرتا ہوا پائے گا۔"

﴿424﴾ معلّم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و فرمودات اور اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لئے عظیم و ارفع ترین آئین کو وجود دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے جہاں تک اس آئین اور قوانین و ضوابط کو اپنی زندگیوں میں رائج و لاگو کرنے اور انہیں سیکھنے اور عمل کرنے کا تعلق ہے تاریخ کا مطالعہ از حد ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے ادوار میں ان پر کس طرح عمل درآمد ہوا اسے جاننا بھی ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم یہاں چند حقائق کا حوالہ دیتے ہیں۔

مابعد عمل:

﴿425﴾ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک صوبائی گورنر نے اپنے لئے ایک غیر مسلم سیکرٹری کا انتخاب کیا۔ اس خبر کو سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کیا کہ غیر مسلم سیکرٹری کی جگہ مسلمان سیکرٹری رکھا جائے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب متعلقہ صوبہ میں ابھی تک امن و سکون قائم نہیں ہوا تھا بلکہ جنگ جاری و ساری تھی۔ اس حکم کو نئے فتح شدہ ملک کے باشندوں پر فطری و قدرتی عدم اعتماد اور سیکرٹری کے عہدہ کی اہمیت کے تناظر میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رویہ کو بہتر طور پر جاننے و سمجھنے کے لئے آیئے اسی عظیم خلیفہ کے ایک اور واقعہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس واقعہ کو البلاذری نے "الانساب" میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر کو لکھا کہ ان کے پاس ایک ایسا یونانی بھیجا جائے جو مملکت کی آمدنی کے حسابات کی بہتر طور پر ترتیب و تنظیم کر سکے۔" اسی طرح انہوں نے مدینہ منورہ میں اس نظامت کا سربراہ ایک عیسائی کو مقرر کیا۔

﴿426﴾ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوجی، معاشی اور انتظامی معاملات میں اکثر و بیشتر غیر مسلموں سے مشاورت کیا کرتے تھے۔

﴿427﴾ کسی کو بھی اس بات پر مسلمانوں کو موردِ الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے کہ مسلمانوں نے اپنی مساجد میں

نماز کی امامت کی ذمہ داری محض مسلمانوں یعنی اپنے ہم مذہب افراد ہی کے لئے مخصوص کی ہوئی ہے۔ اسلام دراصل روحانی و دنیاوی تمام شعبہ ہائے حیات میں ربط و تعاون کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ مسجد میں نماز کی امامت کا اعزاز اور ذمہ داری سربراہِ مملکت کی ہوتی ہے جو کہ مذہبی سربراہ بھی ہوتا ہے۔ اگر معاملے کی اس صورتِ حال کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ آسکتی ہے کہ کسی مسلمان ریاست کا سربراہ کسی غیر مسلم کو کیوں منتخب نہیں کیا جا سکتا۔

428 یہ استثنائی صورتِ حال اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ ملک کے سیاسی و انتظامی معاملات میں غیر مسلموں کو شامل نہ کیا جائے۔ خلفائے راشدین کے دور سے غیر مسلم افراد مسلم ریاست میں وزراء کے عہدوں پر فائز رہے ہیں اس کے برعکس دنیا کے بہت زیادہ اہم اور مشہور سیکولر جمہوری ممالک میں بھی اس قسم کا عمل نظر نہیں آتا کیونکہ وہاں مسلم رعایا کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ خلفائے راشدین کا یہ عمل اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں تھا۔ اس کی شہادت معتبر و جید اور مستند قدیم لکھاریوں نے دی ہے اور شافعی فقہاء (جیسا کہ الماوردی) اور حنبلی فقہاء (جیسا کہ ابویعلی الفراء) نے اس نظریہ کی حمایت کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ خلیفۂ وقت غیر مسلم رعایا کے افراد کو قانونی طور پر وزراء اور ایگزیکٹو کونسل کے ممبران نامزد کر سکتا ہے۔ ہم پہلے ہی اس بات کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غیر مسلم کو سفیر کے طور پر حبشہ بھیجا تھا۔

سماجی و معاشرتی خود مختاری:

429 غیر مسلموں کے ساتھ رویہ و برتاؤ کے حوالے سے دینِ اسلام کا شاید یہ سب سے روشن اور ممتاز و منفرد پہلو یہی ہے کہ اس نے غیر مسلموں کو سماجی و معاشرتی اور عدالتی خود مختاری عطا کی ہے۔ قرآن اس بارے تفصیل سے کہتا ہے کہ:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ

برابر ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر عیسیٰ علیہ السلام، مریم کے بیٹے کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ (وہ) اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور راہ بتانے والی اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت تھی اور چاہیے کہ انجیل والے اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اُتارا ہے اور جو چیز اللہ نے اتاری ہے جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سچی کتاب اتاری جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے مضامین پر نگہبانی کرنے والی ہے۔ سو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اُتارا ہے اور جو حق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک واضح راہ مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت کر دیتا لیکن وہ تمہیں اپنے دیئے ہوئے احکام میں آزمانا چاہتا ہے لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے پھر وہ تمہیں جتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔''

430 انہی احکاماتِ الٰہی کی بنیاد پر داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے اسلامی ریاست و مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم رعایا کو عدالتی خود مختاری دی جو کہ نہ صرف غیر مسلموں کے ذاتی تشخص کے لئے تھی بلکہ کارِ حیات کے تمام معاملات (معاشرتی، تعزیری وغیرہ) کے لئے تھی۔ مثلاً صحیح العقیدہ قدامت پسند خلفاء کے دور کے ہم عصر عیسائی اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسلم حکومت نے عیسائی پادریوں کو کئی دنیوی و زمانی عدالتی اختیارات دیئے ہوئے تھے۔ عباسی خلفاء کے دور میں عیسائی اور یہودی سردار متعلقہ سلطنت کے ارفع و اعلیٰ طبقہ اور انتہائی معزز و مکرم افراد میں شمار ہوتے تھے اور ان کا خلیفہ سے بلا واسطہ رابطہ رہتا تھا۔

431 پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہودیوں کا دینی عبادت و تعلیم کا اپنا ادارہ تھا۔ نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ میں داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف وہاں کے رہائشیوں کی زندگیوں اور پراپرٹی کی حفاظت کی ضمانت دی تھی بلکہ انہیں اپنے پادری اور بشپ کی نامزدگی خود کرنے کا بھی اختیار دیا تھا۔

432 لوگوں کی کثیر تعداد میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور سرداروں کی زندگی کے ظاہری

اطوار (جیسا کہ لباس، اندازِ زلف آرائی، آدابِ محفل و مجلس وغیرہ) کی نقل کرنے کی بھونڈی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ اطوار سطحی طور پر عوام میں رچ بس جاتے ہیں جس سے حکمران طبقہ کو اگرچہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن اس طبقے کا اخلاقی نقصان ضرور ہوتا ہے جو غلامانہ انداز سے نقل کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلم افراد محفوظ طبقہ (ذمی) کے طور پر رہ رہے ہوتے ہیں چنانچہ حکومتِ وقت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان ''غیر متعلقین'' کے قانونی مفادات کا تحفظ کرے اور یہی بات ہمیں عباسی خلفاء کے دور میں نظر آتی ہے کہ جس میں ''غیر متعلقین'' کو قوت وطاقت کے زور پر اپنے رنگ میں رنگ لینے کے بجائے حکومتِ وقت نے ہمہ قسم کی نقالی کی حوصلہ شکنی کی۔ یوں مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں، زرتشتیوں اور دوسروں نے اپنے اپنے لباس کے انداز، سماجی و معاشرتی اطوار اور اپنی ممتاز و نمایاں انفرادیتوں کو قائم و برقرار رکھا۔ مختلف اقوام کو خلط ملط کر کے ابتری و بے ترتیبی پیدا کرنے کی بجائے دینی و مذہبی تبدیلی اور رجوع الی اللہ کے ذریعے اپنے میں مکمل طور پر سمو لینے کی خواہش کی گئی۔ یہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں مذہبی و دینی ضروریات کے تحت مسلمانوں کے کلچر کا فروغ کوئی مسئلہ و معاملہ نہیں رہا (داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کسی بھی صورت ایسی کوئی بات نہیں ملتی) بلکہ متعلقہ دور کے سماجی و معاشرتی نظریات سے مطابقت رکھتے ہوئے اپنی زندگی، اپنے کلچر کے مطابق گزارنے کی ہر کسی کو اجازت دی گئی اور اس کا بنیادی مقصد اور مطمع نظر یہی تھا کہ پہلی ہی نظر میں ہر شخص اور ہر فرد کے بارے علم ہو جائے کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے تاکہ ہر کسی کی داخلی و باطنی اور اصلی حقیقی اقدار اور ان کے نقائص نمایاں اور واضح طور پر اُبھر کر سامنے آ جائیں۔ برسبیل تذکرہ یہ بات بھی دہرائی جا سکتی ہے کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد نسلی وخاندانی تعلق اور جائے پیدائش کی بجائے نظریاتی نظام (دین) کی شناخت پر قائم ہے۔

﴿433﴾ اسلامی سلطنت و مملکت میں ہر فرد (چاہے وہ دیسی ہو یا بدیسی، ملکی ہو یا غیر ملکی) کی شخصیت، دولت اور عزت کی مکمل طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ لمحہ موجود میں نافذ قانونی کتاب ''شرح الہدایہ'' میں یہ صریحاً درج ہے کہ ''کسی فرد کی ہتک عزت اور بدنامی و رسوائی کرنا، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم منع ہے۔'' مستند و معتبر فقہی کتاب ''بحرالرعیق'' میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ''جس طرح موت کے بعد مردہ مسلمانوں کی ہڈیوں کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح غیر مسلموں کا بھی حق ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کی ہڈیوں کی عزت و حفاظت کی جائے۔ ان کی بے حرمتی کی قطعی اجازت نہیں ہے کیونکہ اگر غیر مسلم کی زندگی میں اس کی ہتک عزت کرنا منع ہے تو اس کو دی گئی محافظت کی بنیاد پر اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی اس کی ہڈیوں کی بے حرمتی منع ہے۔'' فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم خاتون کی عصمت دری کرتا ہے تو اسے بھی وہی سزا ملے گی جو کسی مسلمان خاتون کی عصمت دری پر مقرر ہے۔

﴿434﴾ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں چند مسلمانوں نے ایک یہودی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے اس پر مسجد تعمیر کر دی۔ خبر ملتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد شہید کرنے اور یہودی کو زمین واپس کرنے کا حکم جاری کیا۔ ایک لبنانی عیسائی پروفیسر کردہی (Cardahi) اس حوالے سے لکھتا ہے کہ ''اس

شدہ مشروبات کا استعمال مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے جبکہ مسلم ملک کے غیر مسلم باشندوں کو نہ صرف الکحل سے تیار شدہ مشروبات پینے کی مکمل آزادی ہے بلکہ ان کے تیار کرنے، درآمد کرنے اور فروخت کرنے کی بھی اجازت ہے۔ یہی صورتِ حال قمار بازی، قریبی رشتہ داروں سے شادی اور سود سے مشروط معاہدوں وغیرہ کے لئے بھی ہے۔ پرانے ادوار میں اس سے مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور ان کا غلط استعمال اور ردِ عمل بھی شاذ و نادر اور کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔ جہاں تک بین الاقوامی تجارت کا تعلق ہے جدید فقہاء نے اس کی آزادی پر پابندی لگائی ہے۔ الکحل سے تیار شدہ مشروبات کے استعمال پر پابندی کی کوششیں غیر مؤثر رہیں گی اگر انہیں تمام آبادی (مسلم و غیر مسلم) پر لاگو نہ کیا جائے مگر غیر مسلموں کے نمائندوں کی مرضی و منشاء نے فقہاء کا کام آسان کر دیا ہے جو اصولی طور پر اپنے مذہب سے اختلاف رکھنے والی اقوام کے معمولات و اعمال میں مداخلت نہیں کریں گے۔

439 جہاں تک مسلمانوں سے رشتہ داری کا تعلق ہے اسلامی قانون مختلف غیر مسلم اقوام میں تمیز و امتیاز کرتا ہے۔ اسلامی قانون غیر مسلموں کو دو طبقوں میں تقسیم کرتا ہے جنہیں ہم "ترقی یافتہ" اور "قدیم" کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایک وہ جو خدائے واحد پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے مذہب کے بانی پیغمبروں پر اتارے گئے خدائی احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ایسا نہیں کرتے (مثلاً بت پرست، دہریہ، ملحد و کافر، روحیتِ مظاہر پرست، مشرک وغیرہ) مسلم مملکت و سلطنت میں ان تمام کو بطور رعایا رواداری کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے اور انہیں ضمیر و زندگی کی حفاظت و آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے تاہم ایک مسلمان اپنی پرائیویٹ زندگی میں مختلف سلوک و رویہ رکھتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ "ترقی یافتہ" غیر مسلم عورت سے شادی کر سکتا ہے مگر "قدیم" غیر مسلم عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک مسلمان نہ صرف عیسائی یا یہودی خاتون سے شادی کر سکتا ہے بلکہ اسے اپنے مذہب کو برقرار رکھنے کی بھی اجازت دے سکتا ہے۔ وہ خاتون چرچ یا یہودی معبد میں جا سکتی ہے، وہ شراب پی سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک مسلمان مرد کو ایسی عورت سے شادی کرنا منع ہے جو ایک خدا پر یقین نہ رکھتی ہو یا بت پرست ہو، مشرک ہو۔ ایک مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی چاہے وہ غیر مسلموں کے کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ مزید یہ کہ ایک مسلمان "قدیم" اقوام کے افراد کے ہاتھوں ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت نہیں کھا سکتا۔

تبدیلی مذہب:

440 اسلامی قانون واضح اور غیر مبہم انداز میں غیر مسلموں کو ان کے اپنے عقائد و نظریات قائم رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور اگر اسلامی قانون صریحاً اس بات سے منع کرتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے افراد کو زور و زبردستی کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل کیا جائے تو وہ اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کے لئے انتہائی سخت نظم و ضبط بھی برقرار رکھتا ہے۔ اسلامی "قومیت" کی بنیاد نسلی، لسانی یا علاقائی پہلوؤں پر استوار ہونے کی بجائے خالصتاً مذہبی و دینی معاملات پر قائم ہے۔ نتیجتاً اپنے مذہب سے غداری و ارتداد کو خالصتاً سیاسی بغاوت سمجھا جاتا

یہودی کا گھر ''بیت الیہودی'' کے نام سے اب بھی موجود ہے اور اس واقعہ کی نسبت سے مشہور و معروف ہے۔''
ایک اور نمایاں مثال ابن کثیر اور دوسروں نے دمشق کی جامع مسجد کی دی ہے۔ ایک اموی خلیفہ نے مسجد کی توسیع کے لئے چرچ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد ازاں جب خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس امر کی شکایت کی گئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے توسیعی حصہ کو گرانے اور چرچ کو بحال کرنے کا حکم دیا لیکن عیسائیوں نے اپنی مرضی و منشاء اور خوشی و خوشدلی سے مالی تلافی کو ترجیح دی اور یوں معاملہ باہمی رضامندی سے طے ہو گیا۔

﴿435﴾ آیئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (طبقات ابن سعد، جلد پنجم، صفحہ 280) کے ایک سرکلر کا حوالہ دیتے ہیں جو کہ مزید ایک واضح شہادت ہے۔

''اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام سے جو از حد مہربان، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ رب (قادر و قدیر) کے (سپاہی) خدمت گار اور مومنین کے کمانڈر عمر رضی اللہ عنہ (ابن عبدالعزیز) کی جانب سے (گورنر) عدی ابن ارتت اور اس کے مصاحب مسلمانوں کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ جس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں۔ ازاں بعد: غیر مسلموں کی حالت پر توجہ دو اور ان کے ساتھ نرم رویہ رکھو۔ اگر ان میں کوئی بڑھاپے کی منزل کو پہنچ جائے اور اس کے پاس (آمدنی کے) ذرائع نہ ہوں تو یہ تم ہو گے جو ان پر خرچ کرو گے۔ اگر اس کی برادری کے افراد موجود ہیں تو ان سے مطالبہ کرو کہ وہ اس پر خرچ کریں۔ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ سماجی و معاشرتی ظلم و زیادتی کرے تو اس کا قصاص و بدلہ لو۔ یہ ایسے ہے جیسا کہ تمہارا کوئی غلام ہو اور وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے تو تمہیں چاہیے کہ یا تو اس کی موت تک اسے خرچ دو یا اسے آزاد کر دو۔ مجھے علم ہوا ہے کہ تم شراب کی درآمد پر عشر قبول کرتے ہو اور اسے رب العزت سے منسوب خزانے میں جمع کرتے ہو۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ چاہے وہ کتنی ہی تھوڑی رقم کیوں نہ ہو اسے رب العزت سے منسوب خزانے میں کبھی بھی جمع نہ کرو جب تک کہ وہ قانونی طور پر پاکیزہ و خالص نہ ہو۔ تم پر سلامتی ہو۔''

﴿436﴾ خلیفہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور خط (طبقات ابن سعد، جلد پنجم، صفحہ 252) اس طرح ہے کہ:

''اپنے بہی کھاتے (رجسٹرز) غیر منصفانہ عائد کیے گئے ٹیکسوں سے پاک صاف کر لو اور پرانی فائلوں کا (بھی) مطالعہ کرو۔ اگر کسی مسلم یا غیر مسلم کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی ہوئی ہے تو اسے اس کا حق واپس کرو۔ اگر ایسا کوئی فرد فوت ہو گیا ہے تو اس کے حقوق اس کے ورثاء کو لوٹاؤ۔''

﴿437﴾ یہ ایک علمِ عام کی بات ہے کہ مسلمان فقہاء ہمسایوں کا حق شفعہ تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی غیر منقولہ جائیداد فروخت کرتا ہے تو اجنبی کی نسبت ہمسائے کا حق فائق ہے۔ یہ حق غیر مسلموں کے لئے بھی تسلیم کیا گیا۔

﴿438﴾ مسلم مملکت و سلطنت میں غیر مسلموں کے حقوق کی اس حد تک محافظت کی گئی ہے کہ انہیں دین اسلام کی روایات و رسومات سے یکسر متصادم رسومات پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ مثلاً الکحل سے تیار

ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس جرم کی سزا دی جاتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ اس کی ضرورت بمشکل ہی پڑی ہے۔ نہ صرف اس دور میں کہ جب بحرالکاہل سے بحراوقیانوس تک مسلمانوں کی عظیم حکمرانی تھی بلکہ ہمارے اپنے دور کہ جہاں اب مسلمانوں میں سیاسی، مادی اور ذہنی وفکری کمزوریاں پائی جاتی ہیں یہ ایک حیران کن حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں ارتداد اور تبدیلیٔ مذہب کا وجود بالکل نہیں پایا جاتا۔ یہ بات نہ صرف ان علاقوں کے لئے سچ ہے کہ جہاں مسلم ریاست کی مشابہت پائی جاتی ہے بلکہ دوسرے ممالک میں استعماری و مستعمراتی طاقتیں اپنی حتی المقدور اور حتی الوسع کوششوں کے باوجود مسلمانوں کو ان کا مذہب تبدیل کرانے میں ناکام و نامراد رہی ہیں جبکہ اس کے برعکس فن لینڈ اور ناروے سے اٹلی تک، کینیڈا سے ارجنٹائن تک کی مغربی عوام میں اسلام اپنی جڑیں مضبوط و مستحکم کر رہا ہے اور یہ سب کچھ کسی منظم مشنری و تبلیغی تحریک و تنظیم کے بغیر ہو رہا ہے۔

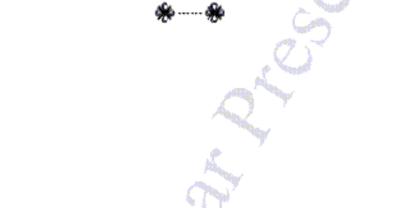
مقدس جنگ (HOLY WAR):

﴿441﴾ آیئے اس مختصر بیان کو اس سوال بارے چند الفاظ لکھ کر ختم کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے غیر مسلم حلقوں میں ازحد غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ یہ اس خیال و تصور اور فکر و نظریہ کے حوالے سے ہے کہ جو عام طور پر "مقدس جنگ" بارے قائم کیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان کی تمام تر زندگی (چاہے اس کا تعلق روحانی معاملات سے ہو یا دنیاوی و زمانی حالات سے ہو) قانونِ الٰہی کے تحت نظم و ضبط سے عبارت ہے اگر ایک مسلمان اثباتِ جرم اور توثیقِ گناہ کے بغیر محض دکھاوا و بناوٹ کی نماز ادا کرتا ہے تو وہ اس کی عبادت نہیں بلکہ اللہ کے خلاف جرم اور اپنی ذات و شخصیت کی پرستش ہے کہ جس کی سزا روزِ محشر ملے گی۔ اس کے برعکس اگر ایک مسلمان اس نیت سے کھانا کھاتا ہے تاکہ احکاماتِ الٰہی کی ادائیگی کے لئے ضروری قوت و طاقت حاصل کر سکے اور حتیٰ کہ وظیفۂ زوجیت بھی اس نیت سے ادا کرتا ہے کہ وہ حکمِ الٰہی کی اطاعت کر رہا ہے تو اس کے یہ دونوں ضرورت و لطف اندوزی کے عمل متبرک و مقدس عمل کہلائیں گے اور عبادت میں شمار ہوں گے اور رسولِ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رب رحمٰن و رحیم نے ان کی بہتر جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿442﴾ یہی ہے زندگی کا وہ نظریہ جو اسلام کی عطا ہے کہ جس میں دیانتدارانہ و منصفانہ کوشش و کاوش ایک متبرک و مقدس عمل کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلام میں حکمِ الٰہی کے تحت اعلیٰ و ارفع اور بہتر و برتر مقصد کے حصول کی خاطر جنگ کے علاوہ ہمہ قسم کی جنگ کی ممانعت ہے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ سے محض تین قسم کی جنگوں کا حوالہ ملتا ہے: (1) دفاعی (2) تعزیری (3) احتیاطی..... بازنطینی سلطنت میں مسلمان سفیر کے قتل کے حوالے سے بازنطینی شہنشاہ ہرقل کے نام مشہور و معروف خط میں معلمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو تین متبادل تجاویز دی تھیں۔ "مشرف بہ اسلام ہو جاؤ یا اگر تمہاری رعایا میں

سے کوئی اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو تم کسی قسم کی مداخلت نہ کرو یا جزیہ ادا کرو۔" (ابوعبید، کتاب الاموال 55) سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا مقصد ومحور یہی تھا کہ دنیا میں ضمیر کی آزادی قائم کی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کی عظیم تر اتھارٹی ہو سکتی ہے؟ یہ ہے مسلمانوں کی "مقدس جنگ" (HOLY WAR) کہ جس کا مقصد استحصال وناجائز انتفاع نہیں بلکہ قربانی کے جذبہ کے تحت حکم خداوندی کی ترویج واشاعت ہے۔اس کے علاوہ باقی سب کچھ غیر قانونی ہے۔لوگوں کو زور و جبر اور جنگ وجدال کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کا مطلقاً سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو پھر غیر مقدس جنگ ہو گی۔

❀-----❀



باب 13

آرٹس اور سائنسی علوم میں مسلمانوں کا کردار

443 جس قدر زیادہ تعداد میں سائنسی علوم ہیں اتنی ہی زیادہ تعداد میں مستند و ماہر مؤرخین کی ضرورت ہے جو سائنسی علوم کے ہر شعبہ و شاخ کی ترویج میں مسلمانوں کے کردار کا حقیقی احاطہ کرنے اور اس از حد وسیع موضوع کے عام جائزہ کی ترتیب و تشکیل میں مدد و معاون ثابت ہوسکیں۔ اس موضوع سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کا تصنع کیے بغیر یہاں وہ معلومات دینے کی کوشش و کاوش کی گئی ہے کہ جو آرٹس اور سائنسی علوم کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کے عمومی کردار پر روشنی ڈالتی ہیں۔

عمومی رویہ:

444 اسلام محض انسان اور ربِّ رحمٰن کے مابین رشتہ و تعلق کے بیان پر مشتمل دین نہیں بلکہ یہ ایک جامع اور کامل و اکمل نظریۂ حیات ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آرٹس اور سائنسی علوم کے حصول کے حوالے سے اسلامی رویہ کا جائزہ پیش کیا جائے۔

445 اسلام کسی صورت بھی اعلیٰ و ارفع اور بہتر و برتر دنیاوی زندگی کی حوصلہ شکنی نہیں کرتا۔ رب رحمٰن و رحیم قرآن پاک میں بار بار اس حوالے سے ہدایات دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اور لطف اٹھاؤ۔ مثلاً:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف، آیت: 32)

ترجمہ "(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور کس نے کھانے کی صاف ستھری چیزیں (حرام کیں)۔ کہہ دو کہ دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ قیامت کے روز خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی۔ اسی طرح ہم آیات مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔"

اور رب قادر وقدیر ان بندوں کی تعریف فرماتا ہے کہ جو:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 201)

ترجمہ ''اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

قرآن الحکیم لوگوں کو تعلیم دیتا ہے کہ:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

(سورۃ القصص، آیت: 77)

ترجمہ ''اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

بہتری و بھلائی کی یہی تلاش وجستجو ہے جو انسان کو پڑھنے اور سیکھنے کی طرف مائل وقائل کرتی ہے اور اسے ترغیب و تحریص دیتی ہے کہ وہ کائنات میں موجود ہر شے کا حتی الوسع بہتر و برتر طریقہ وسلیقہ سے علم حاصل کرے تاکہ وہ نہ صرف ان کے فوائد وثمرات پا سکے بلکہ رب قادر وقدیر کا شکر گزار بھی بن سکے۔ قرآن مجید فرقان حمید واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

(سورۃ الاعراف، آیت: 10)

ترجمہ ''اور ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور اس میں تمہاری زندگی کا سامان بنا دیا۔ (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔''

رب کریم وعظیم نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

(سورۃ الحجر، آیات: 21,20)

ترجمہ ''اور اس (زمین) میں تمہارے لئے روزی کے اسباب بنا دیئے اور ان کے

لئے بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔ اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور ہم صرف اسے اندازہ معین پر نازل کرتے ہیں۔''

اور مزید یہ کہ:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 29)

ترجمہ ''اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔''

رب قادر و قدیر نے مختلف مقامات پر انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے مثلاً

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾

(سورۃ لقمان، آیت: 20)

ترجمہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں۔ نہ انہیں علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے۔''

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

(سورۃ ابراہیم، آیات: 33,32)

ترجمہ ''اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کو پھل نکالے اور کشتیاں تمہارے تابع کر دیں تاکہ دریا میں اس (اللہ) کے حکم سے چلتی رہیں اور نہریں تمہارے تابع کر دیں۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے تابع کر دیا جو ہمیشہ چلنے والے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو تابع کیا۔''

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ ﴿۱۲﴾

(سورۃ النحل، آیت: 12)

ترجمہ ''اور رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔''

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾

(سورۃ الحج، آیت: 65)

ترجمہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی سب چیزوں اور کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا ہے جو دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر اس کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

(سورۃ الطلاق، آیات: 12،11)

ترجمہ ''ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اس نے نیک کام بھی کیے تو وہ اسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے اس (مومن) کو بہت اچھی روزی دی ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور

زمینیں بھی اتنی ہی (پیدا کیں) ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کو علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔''

ایک طرف قرآن الحکیم انسان کو رب وحدہٗ لاشریک کی پوجا و پرستش اور عبادت و اطاعت کی یاددہانی کراتا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

(سورۃ القریش، آیات:4,3)

ترجمہ ''ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور ان کو خوف سے امن دیا۔''

جبکہ دوسری طرف قرآن مجید فرقان حمید کوشش و کاوش اور جدوجہد کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾

(سورۃ النجم، آیت:39)

ترجمہ ''اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے۔''

قرآن پاک نہ صرف انسان کو غور وفکر اور تحقیق کے لئے راغب کرتا ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾

(سورۃ الروم، آیت:42)

ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ زمین میں چلو، پھر واور دیکھو جو لوگ پہلے گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔''

بلکہ قرآن پاک نئی دریافتیں کرنے کی کاوش کی بھی تلقین کرتا ہے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

(سورۃ آل عمران، آیت:191)

ترجمہ ''وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ پاک ہے تو (ہر عیب سے)، بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔''

446 جہاں تک علم میں وسعت کے حصول کے طریقہ وسلیقہ کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ازحد ولولہ انگیز و ترغیب آمیز ہے کہ داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ پڑھنے اور لکھنے کا حکم تھا اور قلم کی تعریف وتوصیف تھی کہ جو انسانی علم کا ذریعہ ووسیلہ بھی ہے اور محافظ بھی ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورۃ العلق، آیات: 1 تا 5)

ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے نام سے پڑھئے کہ جس نے (سب کو) پیدا کیا۔ انسان کو جمے ہوئے خون (خونِ بستہ) سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

قرآن ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ النحل، آیت: 43)

ترجمہ ''اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ پس اگر آپ کو معلوم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔''

اسی طرح:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء، آیت: 7)

ترجمہ ''اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی تو آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ اگر آپ نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لیں۔''

اور علم کے حوالے سے فرمایا گیا کہ:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 85)

ترجمہ ''اور یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روح کے بارے سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔''

مزید یہ کہ:

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝

(سورۃ یوسف، آیت: 76 آخری حصہ)

ترجمہ ''ہم جس کے چاہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر ایک دانا سے بڑھ کر دوسرا دانا ہے۔''

کس قدر جامع، دلنشیں اور علم افروز دعا والتجا ہے جو قرآن مجید انسان کو سکھاتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝

(سورۃ طٰہٰ، آیت: 114 دوسرا حصہ)

ترجمہ ''اور کہہ دو (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم عطا فرما۔''

447 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ ''اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں 1 رب وحدہٗ لاشریک پر ایمان واعتقاد 2 نماز 3 روزہ 4 حج بیت اللہ 5 زکوٰۃ۔'' اگر ایمان و عقیدہ دینی سائنس کی ترویج واشاعت اور حصول وقبول کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسرے دنیاوی وزمانی سائنسی علوم کی تدریس وتوقیر کا تقاضا کرتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی کے لئے نمازی کو اپنا چہرہ کعبۃ اللہ (مکہ مکرمہ) کی جانب کرنا ہوتا ہے اور یہ کہ نماز کی ادائیگی لازماً چند مصدقہ ومعتبر اور مقررہ ومتعین قدرتی مظاہر وقوع ہونے پر ہی ہونی چاہیے۔ اس کے لئے جغرافیہ اور فلکیات کے علوم سے آگاہ وآشنا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے لئے بھی قدرتی مظاہر کے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً صبح صادق کا طلوع اور سورج کا غروب وغیرہ۔ حج بیت اللہ کے لئے راستوں اور ذرائع آمد ورفت کے علم سے آگاہی کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ مکہ مکرمہ احسن طریقہ پر پہنچا جاسکے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ریاضی (حساب) کا علم جاننا ضروری ہے اور یہی علم کسی مرحوم کی وراثت کی منصفانہ تقسیم کے لئے بھی اہمیت وافادیت رکھتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید فرقان حمید کو اس میں بیان کیے گئے حوالہ جات، تلمیحات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں سمجھنا بنیادی ضرورت ہے۔ درحقیقت مطالعۂ قرآن کے لئے سب سے پہلے اس زبان کا علم ہونا ضروری ہے کہ جس میں وہ نازل ہوا ہے (یعنی لسانی سائنس)۔ مزید یہ کہ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے حوالے اس امر کے متقاضی ہیں کہ تاریخ اور جغرافیہ کا علم حاصل کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

448 برسبیل تذکرہ آیئے ان لمحاتِ ایمان افروز کو یاد کرتے ہیں کہ جب نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد آزادانہ زندگی کا آغاز کیا۔ اس وقت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کا ایک حصہ تدریسی مقصد کے لئے مخصوص تھا (مشہور و معروف صُفّہ) اس حصہ میں دن کے اوقات میں تدریس و تعلیم ہوتی تھی جبکہ رات کو اسے طلباء بطور اقامت گاہ استعمال کرتے تھے۔

449 رب وحدہٗ لاشریک ان ہی کی مدد کرتا ہے جو خدائی مشن کی ترویج و ترقی کے لئے کوشش و کاوش اور اعانت و معاونت کرتے ہیں۔ اس بات کا ذکر قرآن پاک میں اکثر ملتا ہے۔

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

(سورۃ محمد، آیت: 7)

ترجمہ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔"

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے کہ:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

(سورۃ الحج، آیت: 40 آخری حصہ)

ترجمہ "اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست غالب ہے۔"

یہ امر باعثِ حیرانی و حیرت نہیں ہے کہ مسلمان ازحد خوش قسمت و خوش بخت رہے کیونکہ انہیں رب رحمٰن و رحیم نے عوام الناس میں ترویج و اشاعتِ علم کے لئے سستے اور کثیر مقدار میں کاغذ سے نوازا۔ سن 2 ہجری سے ہی وسیع و عظیم اسلامی سلطنت میں کاغذ تیار کرنے کے کارخانے وجود میں آچکے تھے۔

450 اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم صرف ان چند سائنسی علوم کا حوالہ دیں گے جن میں مسلمانوں کا کردار خاص طور پر بنی نوع انسان کے لئے ازحد اہمیت و افادیت کا حامل رہا۔

مذہبی اور فلسفیانہ سائنسی علوم:

451 قدرتی و فطری طور پر مذہبی سائنس اس وقت شروع ہوئی جب پیغامات و احکاماتِ الٰہی قرآن کی شکل میں مسلمانوں کے لئے نازل ہوئے۔ قرآن مجید فرقان حمید کے مطالعہ اور فہم و ادراک کے لئے زبان دانی کی سائنس، گرائمر (قواعد زبان) کی سائنس، تاریخ کی سائنس اور حتیٰ کہ قیاسی سائنس کی ضرورت پڑی۔ یہ سائنسیں بتدریج ترقی کرتے ہوئے عام استعمال کی آزاد سائنسیں بن گئیں۔ دوسری سائنسوں کے ساتھ ساتھ

مقدس و مطہر متن (قرآن پاک) کی تلاوت کی سائنس وجود میں آئی جو ترقی کرتے ہوئے اسلام کی مذہبی ''موسیقی'' میں ڈھل گئی۔ قرآن کی حفاظت و محافظت نے عربی رسم الخط میں ترقی و بہتری اور اصلاحات کی راہ دکھائی اور یہ ترقی و بہتری نہ صرف یہ کہ عربی رسم الخط کی درستی میں ہوئی بلکہ اس کی خوب صورتی میں بھی اضافہ ہوا۔ اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ عربی رسم الخط اپنے تلفظ اور ادائیگی کے حُسن کے باعث دنیا کی کسی بھی زبان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے درست ترین رسم الخط ہے۔ اسلام کے آفاقی و کائناتی کردار نے اس ضرورت کو جنم دیا کہ اسے غیر عرب بھی بخوبی سمجھ سکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی سے اس کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کے کچھ حصے فارسی میں ترجمہ کیے اور مختلف زبانوں میں تراجم کا یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآن پاک کے تراجم محض اس کے متن کو سمجھنے کی خاطر ان لوگوں کے لئے کیے گئے جو عربی نہیں جانتے تھے۔ یہ تراجم کبھی بھی عبادت وریاضت کے لئے نہیں کیے گئے کیونکہ نماز کی ادائیگی میں ہر نمازی صرف عربی متن ہی استعمال کرتا ہے۔ قرآن پاک کے مواد و متن کو دائمی و دوامی حیثیت دینے اور اس کی سالمیت کی حفاظت کے لئے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ایک ساتھ دو طریقے استعمال کیے گئے۔ اول یہ کہ اسے لکھ کر ریکارڈ کیا گیا۔ دوئم یہ کہ اسے زبانی یاد (حفظ) کیا گیا۔ دونوں طریقوں نے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قرآن پاک کو بھولنے یا کسی قسم کی غلطی کے امکان کو معدوم وختم کرنے میں معاونت کی۔ تصدیق وتوثیق کے فقہی طریقہ نے اس نظام کو مزید مضبوط و مستحکم کیا۔ یوں کسی بھی فرد کو مستند و معتبر ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ قرآن پاک کے ایک نسخہ کو محفوظ کرنا ہوتا تھا بلکہ اسے کسی تسلیم شدہ فاضل استاد کے روبرو شروع سے آخر تک پڑھ کر سنانا ضروری تھا۔ یہ عمل اور یہی طریقہ وسلیقہ لحۂ موجود تک جاری وساری ہے۔

452 قرآن مجید کی حفاظت کی طرح مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات (احادیث) کے ساتھ بھی از حد قلبی و ذہنی تعلق کا مظاہرہ کیا۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کے اقوال و افعال کی رپورٹس کو پوری کوشش و کاوش کے ساتھ محفوظ کیا۔ سردارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنی ذاتی حیثیت و دلچسپی سے آنکھوں دیکھی کانوں سنی تازہ ترین معلومات کی بنیاد پر یادداشتوں کی تیاری کا منزہ و مطہر عمل شروع کر دیا تھا اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔ قرآن کے معاملے کی طرح احادیث کی ترسیل و ابلاغ میں بھی مستند و معتبر ہونے کا اعلیٰ وارفع معیار قائم رکھنے پر زور دیا گیا۔ کوئی فرد حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ گوتم بدھ اور دوسری قدیم و عظیم شخصیات کی حیاتِ ناپائیدار بارے دستیاب جملہ معلومات کی بنیاد پر محض چند صفحات ہی لکھ سکتا ہے لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح

حیات کی مستند و معتبر دستیاب تفصیلات سے سینکڑوں صفحات بھر سکتا ہے۔ آنے والی نسلوں تک ازحد درست اور صحیح کوائف و معلومات پہنچانے کے لئے بہت زیادہ احتیاط و استناد سے کام لیا گیا۔

453 خاص طور پر اعتقادات و عقائد کے معاملات پر ایمان و یقین کے قیاسی پہلو کے حوالے سے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں شروع ہونے والے مباحث بعدازاں ''کلام'' اور ''تصوف'' جیسی مختلف سائنسوں کے وجود کی بنیادی وجہ بنے۔ غیر مسلموں کے ساتھ اور حتیٰ کہ مسلمانوں کے مابین آپس میں ہونے والے مذہبی مناظروں کے باعث یونانی اور ہندوستانی فلاسفی وغیرہ کے غیر ملکی عناصر متعارف ہوئے۔ بعدازاں مسلمانوں کو الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن رُشد اور ان جیسے اپنے مسلمان فلسفیوں کی کمی نہ رہی کہ جو تخلیقی قوت و اہلیت اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھے۔ غیر ملکی زبانوں کی کتب کے عربی تراجم کا ازحد خوش بخت اور خوش کن نتیجہ نکلا کہ یونانی اور سنسکرت کی وہ کتب کہ جن کے اصلی و حقیقی نسخے اب ناپید ہو چکے ہیں عربی تراجم کی بدولت آنے والی نسلوں (اخلاف) کے لئے محفوظ ہو گئے۔

نئے سائنسی علوم:

454 سماجی و معاشرتی سائنسی علوم کی ترویج و ترقی میں سسلمانوں کا کردار انتہائی اہمیت و افضلیت کا حامل رہا۔ اس کی نمایاں اور قابلِ ذکر خوبی اس کی ترقی کی تیزی اور برق رفتاری تھی۔ عربی زبان میں لکھی گئی پہلی کتاب قرآن مجید فرقان حمید تھی۔ بمشکل دو صدیوں کے اندر ہی اَن پڑھ بدویوں کی زبان ترقی کرتے ہوئے دنیا کی ارفع و اعلیٰ ترین زبانوں میں شمار ہونے لگی۔ بعدازاں یہ نہ صرف واحد ارفع و اعلیٰ ترین زبان کے مقام تک پہنچی بلکہ ہمہ قسم کے سائنسی علوم کے لئے بین الاقوامی زبان بن گئی۔ اس مظہر کی وجہ دریافت کرنے سے پہلے آیئے ایک اور حقیقت کو زیرِ غور لاتے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی اور اولین مسلمان تمام تر عربی تھے لیکن انہوں نے عربی زبان میں احکامات ربانی (قرآن) اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (احادیث) کے ذخیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے ہر زبان و نسل کے افراد کو مطلق مساوات کی بنیاد پر دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے لئے اپنی شخصیت تک کو دینِ اسلام کی خاطر مٹا کر رکھ دیا۔ یوں ''اسلامی'' سائنسوں کی ترویج و ترقی میں تمام نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے حصہ لیا جن میں عربی، ایرانی، یونانی، ترکی، حبشی، ہندوستانی اور دوسرے شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ مسلمانوں کی مذہبی رواداری ازحد مثالی اور عظیم تھی اور حصولِ علم میں ان کی سرپرستی اس قدر کامل و اکمل تھی کہ عیسائیوں، یہودیوں، مجوسیوں، بدھ مت کے پیروکاروں اور دوسروں نے مسلم سائنسوں کی ترویج و ترقی میں اعانت و معاونت کی اور یہ امداد و تعاون نہ صرف ان کے متعلقہ مذہبی لٹریچر کے میدان میں تھا بلکہ علم کی دوسری شاخوں اور شعبوں میں بھی تھا۔ دنیا کی کسی بھی دوسری زبان کی نسبت عربی زبان زیادہ وسعت و قوت کے ساتھ عام ہوئی کیونکہ یہ اس عظیم مسلم سلطنت کی سرکاری زبان تھی کہ جس کی حدود چین سے سپین تک پھیلی ہوئی تھیں۔

قانون:

455 قانونی سائنس نے اپنے جامع وارفع کردار کے ساتھ مسلمانوں میں بہت پہلے ابتداء اور جلدی ترقی کی۔ دنیا میں مسلمانوں ہی نے پہلے پہل قانون کی اس مجرد سائنس بارے غور وفکر کیا کہ جس کی دفعات ملک کے عمومی قوانین سے ممتاز ومنفرد تھیں۔ قدیم زمانے کے افراد واشخاص کے اپنے قوانین تھے جو اگرچہ کم وبیش ترقی یافتہ شکل میں تھے اور حتیٰ کہ مرتب شدہ بھی تھے تاہم ایک ایسی سائنس کی ضرورت ضرور تھی کہ جو قانون کی فلاسفی اور ذرائع، قانون سازی کے طریقہ کار، قانون کی تشریح وتوضیح اور نفاذ وعمل درآمد بارے ٹھوس نظام دے سکے۔ ایسی سائنس کی ضرورت واہمیت کا احساس قانون دانوں کو اسلام کی آمد سے پہلے نہ ہو سکا اور انہوں نے اس حوالے سے کبھی غور وفکر نہ کیا۔ تاہم دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) سے قانون کے میدان میں اسلامی کام (کاوشِ فکرِ اسلامی قانون) شروع ہو گیا تھا جسے اصول الفقہ کہا جاتا تھا۔

456 زمانہ قدیم میں بین الاقوامی قانون نہ تو بین الاقوامی تھا اور نہ ہی قانون تھا۔ یہ سیاست کا حصہ تھا اور اس کا انحصار سیاست دانوں کی مرضی ومنشاء اور رحم وکرم پر تھا۔ مزید یہ کہ اس کے قوعدے وضابطے محض محدود تعداد کی ان ریاستوں پر لاگو ہوتے تھے جن میں ایک ہی نسل، ایک ہی مذہب اور ایک ہی زبان کے افراد واشخاص رہتے تھے۔ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے قانونی نظام کو مقام دیا اور حقوق وفرائض کی تشکیل کی۔ بین الاقوامی قانون کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کہ جو پرانے وقتوں سے مسلم لاء کے ضوابط اور رسالہ ومقالہ کے خصوصی باب کا ایک حصہ ہے۔ درحقیقت ہمارے پاس موجود قدیم ترین رسالہ ومقالہ زید ابن علی رحمتہ اللہ علیہ (وفات 120 ہجری 737 عیسوی) کا ہے جس کا عنوان ''مجموع'' ہے۔ اس رسالہ ومقالہ میں متذکرہ باب بھی شامل ہے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں نے علم کی اس برانچ کو آزاد سائنس کی حیثیت سے ترقی دی اور ''سیر'' کے عنوان سے اس موضوع پر لکھا گیا تحقیقی مقالہ دوسری صدی ہجری کے وسط سے بھی پہلے موجود تھا۔ ابن حجر کے مطابق اس موضوع پر پہلا رسالہ ومقالہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا جو کہ زید ابن علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ اس بین الاقوامی قانون کا خصوصی وامتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ غیر ملکیوں کے۔ بین کوئی فرق وتفریق نہیں رکھتا۔ اس کا مسلمانوں کے باہمی تعلقات سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ صرف اور صرف تمام دنیا کی غیر مسلم ریاستوں کے بارے بات کرتا ہے۔ اسلام اصولی طور پر سنگل یونٹ کی تشکیل کرتا ہے اور سنگل کمیونٹی کی تنظیم کرتا ہے۔

457 قانون کے میدان میں مسلمانوں کے کردار کا ایک اور پہلو قانونِ تقابلِ مسائل ومعاملات ہے۔ مسلم لاء کے مختلف نظریاتی گروہوں اور گروپوں کی تشکیل نے اس قسم کے مطالعہ کی ضرورت کو جنم دیا تا کہ اختلافی نکتہ ہائے نظر کی وجوہات کو واضح اور نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ زیر بحث قانونی نکتہ بارے اصولی اختلاف کے اثرات کو بھی سامنے لایا جا سکے۔ اس ضمن میں دبوسی اور ابن رشد کی کتب معیاری، مستند اور کلاسیکل ہیں۔

سیموری نے بھی اصولِ قانون کے تقابلی مطالعہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔

458 ریاست وسلطنت کا تحریری دستور و آئین بھی مسلمانوں ہی کی اختراع و ایجاد ہے۔ درحقیقت مقننِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس تحریری دستور کے مصنف تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں شہری ریاست قائم کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک تحریری آئین دیا۔ یہ تحریری دستور و آئین ہم تک پہنچا ہے جس کے لئے ہم ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کے شکرگزار ہیں۔ اس دستور کو 52 دفعات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ انتظامی وانصرامی معاملات، قانون سازی، انصاف، دفاع وغیرہ کے حوالے سے ❶ سربراہ مملکت ❷ ریاست کی ترکیبی، تشکیلی اکائیوں اور ❸ عوام الناس کے حقوق وفرائض کا ذکر و تذکرہ کرتا ہے۔ اس کا زمانہ 622 عیسوی کا ہے۔

459 قانون کے میدان میں مناسب وموزوں قواعد کا ظہور دوسری صدی ہجری کے آغاز سے ہوا۔ یہ تین بنیادی حصوں میں منقسم ہیں۔ ❶ دینی و مذہبی رسومات وعبادات ❷ ہمہ قسم کے معاہداتی تعلقات ❸ تعزیرات..... نظریہ حیات کے وسیع تر مفہوم کے تناظر میں اسلام، مسجد اور جائے پناہ میں کوئی فرق و امتیاز نہیں رکھتا۔ ریاست کا دستور و آئین، مذہبی و دینی رسومات وعبادات کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ ریاست کا سربراہ، عبادت و اطاعتِ الٰہی (نماز) کا بھی امام (سربراہ) ہوتا ہے۔ محصولات و مالیات (زکوٰۃ) بھی عبادت واطاعت ہی کا حصہ ہوتے ہیں کیونکہ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ اور حج کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اسلام کے چار ستونوں میں سے ایک ستون قرار دیا۔ بین الاقوامی قانون، تعزیرات کے ساتھ ساتھ لوٹ مار کی خاطر جنگی مہم، زمینی رہزنی وسمندری قزاقی اور قانون شکنی وعہد شکنی کے خلاف مساوی سطح کی جنگ پر مشتمل ہوتا ہے۔

460 یہ مسلمانوں کے نزدیک قانون بارے وسیع وجامع نقطہ نظر ہی کی وجہ ہے کہ ہم نے اس موضوع پر قدرے تفصیلی بحث کی ہے۔

تاریخ اور عمرانیات:

461 تاریخ اور عمرانیات میں مسلمانوں کا کردار دو پہلوؤں کی بناء پر اہمیت کا حامل ہے ❶ متن ومواد کے ثقہ ومصدقہ ہونے کی بھرپور ضمانت ❷ مختلف النوع معلومات وتفصیلات کی تلاش وترتیب اور حفاظت و محافظت..... تاریخ کی چکا چوند روشنی کے معرضِ وجود آنے کے باعث اسلام کو فرضی کہانیوں، خیالی قصوں اور سنی سنائی باتوں کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ جہاں تک دوسری اقوام بارے معلومات وشماریات کا تعلق تھا ان کی ہر تفصیل وبیان کو معیار ومیرٹ کی بنیاد پر حیثیت واہمیت دی گئی۔ عہدِ جدید کی تاریخ اس امر کی متقاضی ہے کہ قدیم دور سے جاری وساری تاریخی صداقت وسالمیت کو کامل واکمل اقدامات کے ذریعے قائم ودائم رکھا جائے۔

مسلمانوں کے اولیں دور میں عدالتی ٹریبونل کے روبرو گواہوں کی شہادت اور تصدیق وتوثیق ایک غیر معمولی امر ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے اس طریقہ کار کو تاریخ پر استعمال کرتے ہوئے ہر راوی و روایت کنندہ سے اس کے بیان کی شہادت وثبوت طلب کیا۔ واقعہ ووقوعہ کے بعد اگر پہلی نسل میں محض ایک مستند ومعتبر گواہ کی توثیق وتصدیق کافی تھی تو دوسری نسل میں اس کی تصدیق وتوثیق دو افراد یا دو ذرائع سے ہونا لازمی قرار پائی مثلاً ''میں نے الف سے سنا جس نے بتایا کہ اس نے ب سے سنا جو کہ بیان کردہ واقعہ ووقوعہ کے موقع پر زندہ وحیات تھا۔'' یوں تیسری نسل میں تین ذرائع یا گواہان کی ضرورت ہوتی تھی علیٰ ھذا القیاس۔ ان محنت ومشقت طلب حوالوں نے فرد در فرد اور ذریعہ بہ ذریعہ کے سلسلۂ صداقت وثقاہت کی ضمانت فراہم کی۔ کوئی بھی محقق یا لکھاری سوانح عمریوں کی ان لغات کا حوالہ دے سکتا ہے جن میں نہ صرف ممتاز ومنفرد افراد کے کردار بارے مواد ملتا ہے بلکہ ان کے اساتذہ اور نمایاں شاگردوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔ اس قسم کے مضبوط ومستحکم حوالہ جات واقعات نہ صرف داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بارے دستیاب ہیں بلکہ علوم کی تمام شاخوں اور برانچوں کی یہی صورت حال ہے اور یہ کہ یہ مواد ایک نسل سے دوسری نسل کو بحسن وخوبی منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ بعض اوقات اس نے محض لطف اندوزی اور وقت گزاری کی خاطر کہانیوں کی شکل اختیار کرلی۔

462 ممتاز وممیز افراد کی سوانح عمریوں پر مشتمل لغات مسلم تاریخی ادب میں مخصوص ومنفرد مقام کی حامل ہیں۔ یہ لغات ذریعہ ہائے روزگار، شہروں یا علاقوں اور صدیوں یا زمانوں کی درجہ بندی کے تحت ترتیب دی گئی ہیں۔ شجرہ ہائے نسب کو بھی مساوی اہمیت دی گئی۔ اس طرح لاکھوں لوگوں کے باہمی ربط ورشتہ داری اور تعلق وواسطہ کا تذکرہ کیا گیا جس نے اس محقق کا کام سہل اور آسان کردیا ہے کہ جو تاریخی واقعات کی وجوہات کے اندر جھانکنا چاہتا ہے۔

463 جہاں تک علم تاریخ کا تعلق ہے رسائل کے موضوعات کی آفاقیت نے ان کی اہمیت وضرورت میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ اگر قبل از اسلام کی اقوام نے قومی وملکی تاریخ پر کام کیا تو مسلمان اولین مؤرخ ہیں جنھوں نے دنیا کی تاریخ بارے لکھا۔ مثلاً ابن اسحٰق اسلام کے ابتدائی ترین مؤرخین میں سے ہے۔ اس نے نہ صرف کائنات کی تخلیق اور تاریخ آدم بارے ضخیم مواد تحریر کیا بلکہ اپنے دور کی مختلف نسلوں بارے بھی حاصل شدہ معلومات فراہم کیں۔ اس کام کو بعدازاں اس کے جانشین مؤرخین نے فزوں تر جذبہ وولولہ کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان میں الطبری، المسعودی، سعید الاندلسی، رشید الدین خان وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان مؤرخین (مثلاً الطبری سے ہی آغاز کرلیں) نے اپنے متعلقہ دور کے نظریات و تصورات بارے بحث سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ ابن خلدون نے تاریخ کائنات کے مشہور ومعروف ''مقدمہ'' میں سماجی ومعاشرتی اور فلسفیانہ مباحث کو انتہائی گہرائی وگیرائی کے ساتھ نوک قلم کی زینت بنایا ہے۔

464 پہلی صدی ہجری میں تاریخ کی دو شاخیں پہلے ہی آزادانہ طور پر ترقی کرنا شروع ہوگئی تھیں۔ بعدازاں یہ ایک دوسرے میں مدغم ہوگئیں۔ ان میں ایک تو تاریخ اسلام تھی جو داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے سفر کا آغاز کرتی ہوئی خلفائے راشدین کے ادوار تک کو احاطہ کرتی تھی جبکہ دوسری تاریخ غیر مسلموں بارے تھی چاہے اس کا تعلق قبل از اسلام کے عرب سے تھا یا وہ ایران، بازنطینہ وغیرہ کی طرح کے غیر ممالک سے متعلق تھی۔ اس حوالے سے بہت واضح مثال رشید الدین خان کی تحریر کردہ تاریخ کی ہے جسے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ایک ساتھ تحریر کیا گیا۔ یہ انبیاء، خلفاء اور لاٹ پادریوں کے ساتھ ساتھ روم، چین، ہندوستان اور منگولیا وغیرہ کے بادشاہوں بارے غیر جانبدارانہ و مساویانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے معلومات فراہم کرتی ہے۔

جغرافیہ اور نقشہ سازی:

465 وسیع و عریض مسلم ریاست وسلطنت میں حج اور تجارت کے لئے ذرائع ابلاغ و روابط کی ضرورت تھی۔ بلاذری اور ابن الجوزی بیان کرتے ہیں کہ ''ڈاک روزانہ وتفہ وقفہ کے ساتھ ترکستان سے مصر تک پھیلے ہوئے وسیع علاقے میں مختلف مقامات کے لئے روانہ کی جاتی تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عروس البلاد (دارالخلافہ) میں اعلان کرادیا کرتے تھے تاکہ نجی خطوط بھی سرکاری کوریئر کے ذریعے روانہ کیے جاسکیں۔'' ڈاک کے لئے مقرر کردہ ڈائریکٹرز مختلف راستوں کی گائیڈیں تیار کرتے تھے جن میں کم وبیش تفصیل کے ساتھ ہر مقام کی تاریخی و معاشی صورتِ حال شائع کی گئی ہوتی تھی جبکہ مقامات کے نام حروف تہجی کے تحت ترتیب شدہ ہوتے تھے۔ اس جغرافیائی ادب نے دوسرے سائنسی عوم کا راستہ ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی بھی کی۔ دوسری صدی عیسوی کے نامور یونانی جغرافیہ دان تالمی (PTOLEMY) کی تحقیقاتی تحریروں کے ہمرکاب ہندوستانی لکھاریوں کی سنسکرت میں لکھی کتب کے بھی عربی میں تراجم کیے گئے۔ بحری اور غیر بحری سفر ناموں نے عام شخص کی معومات میں روز بروز اضافہ کیا۔ معلومات و شماریات اور مفروضات کے اختلاف نے وطن پرستی کے امکانات کو معدوم کر دیا اور ہر محقق و متلاشی پر یہ لازم ہوگیا کہ وہ ہر چیز کو عملی طور پر پرکھے اور اسے آزمائش و تجربہ کے ذریعے جانچے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور و معروف مکالمہ (علامہ الموفق، ''المناقب ابی حنیفہؒ'') ہے کہ ایک معتزلی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زمین کا مرکز کہاں ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''عین اسی جگہ پر ہے جہاں تم بیٹھے ہو!'' ایسا جواب محض اسی وقت ہی دیا جاسکتا ہے جب کوئی فرد یہ بات بتانا چاہتا ہو کہ زمین ایک کرّہ وسیارہ ہے۔ مسلمانوں کے تیار کردہ قدیم ترین نقشوں میں بھی زمین کو دائروی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے مثلاً ابن حوقل کی نقشہ کشی بحیرۂ روم یا قریبی مشرقی ممالک کے مقامات کا تعین کرنے میں کسی قسم کی مشکل پیدا نہیں کرتی۔ سسلی کے بادشاہ راجر کے لئے الادریسی کا تیار کردہ نقشہ اپنی درستی وصحت کی ارفعیت کے باعث ہمیں حیرت واستعجاب میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ یہ نقشہ دریائے نیل کے ذرائع تک کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ عربی مسلمانوں کے تیار کردہ

نقشے شمال کی سمت کو نیچے اور جنوب کی سمت کو اوپر کی جانب ظاہر کرتے ہیں۔ بحری اسفار اور مہمات کے لئے طول البلد، عرض البلد کی جداول کے ساتھ ساتھ اصطرلاب (اجرام فلکی کی بلندی معلوم کرنے کا آلہ) اور دوسرے بحری و جہاز رانی کے آلات کی ضرورت تھی۔ سکینڈے نیویا، فن لینڈ، روس وغیرہ کی کھدائیوں سے ہزاروں کی تعداد میں مسلم سکّوں کی دریافت نے فیصلہ کن حد تک قرونِ وسطیٰ کے دوران مسلم قافلوں کے سرداروں کی تجارتی سرگرمی ظاہر کی ہے۔ واسکوڈے گاما کے ہندوستان تک کے سفر میں جہاز ران کے طور پر خدمات سرانجام دینے والے ابنِ ماجد کے بیان کے مطابق قطب نما پہلے ہی سے یہاں رائج و متعارف تھا۔ مسلمان ملاحوں اور جہاز رانوں نے بصرہ (عراق) سے چین تک کے بحری سفر میں جس مہارت و ہنرمندی اور جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا وہ باعثِ استعجاب و حیرت ہے۔ یہ امر جدید مغربی کلچر پر مسلم اثرات کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتا ہے جب ہم انگریزی کے معروف الفاظ کو دیکھتے ہیں کہ وہ عربی ماخذ رکھتے ہیں مثلاً آسینل (Arsenal)، ایڈمرل (Admiral)، کیبل (Cable)، مون سون (Monsoon)، ٹیرف (Tariff) وغیرہ۔

علمِ فلکیات:

466 یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ کئی ستاروں کی دریافت اور مطالعہ، مسلمانوں کا گرانقدر اور ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ ستاروں کی ایک کثیر تعداد کو مغربی زبانوں میں اب بھی عربی ناموں سے جانا پہچانا جاتا ہے اور یہ ابن رشد ہی تھا جس نے سورج کی سطح پر دھبوں کی نشاندہی کی۔ کیلنڈر کے حوالے سے عمر الخیام کی اصلاح نے عیسوی کیلنڈر کو کافی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ قبل از اسلام کے بدوی عربوں نے بہت پہلے بالکل صحیح اور بالکل درست فلکی مشاہدات کیے اور ان میں ترقی کی۔ انہوں نے یہ مشاہدات نہ صرف رات کے لمحات میں صحرا میں سفر کے لئے کیے بلکہ ان کا مقصد موسمیات کے علم کا حصول بھی تھا۔ ''کتاب الانواع'' کے نام سے کئی کتابوں کا مجموعہ، عربی علوم کی وسعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بعدازاں سنسکرت، یونانی اور دوسری زبانوں کی کتب کا بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کی مختلف معلومات و شماریات کے تقابلی مطالعہ کے لئے نئے تجربات اور صبر آزما مشاہدات کی ضرورت و اہمیت محسوس کی گئی۔ مشاہدہ کرنے والے ہر جگہ اور ہر مقام پر منظر عام پر آئے۔ خلیفہ المامون کے دور میں زمین کے محیط کی پیمائش کی گئی جس کے نتائج کی صحت و درستی حیران کن تھی۔ جوار بھاٹا، پو پھٹنا (طلوع سحر)، جھٹپٹا، قوسِ قزح، اجرام فلکی کے گرد منور ہالہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سورج اور چاند کی گردش و حرکت پر بہت پہلے مواد و معلومات مرتب کی گئیں کیونکہ ان کا نمازوں اور روزہ کے اوقات سے گہرا اور قریبی تعلق تھا۔

قدرتی و طبیعی سائنس:

467 اسلامی سائنس کا ممتاز و منفرد خاصہ یہ ہے کہ یہ تجربات اور غیر جانبدارانہ مشاہدات پر زور دیتی ہے۔

عربوں کا طریقہ کار بالکل منفرد اور عجیب و غریب تھا۔ لکھاری مختلف سائنسوں کے مطالعہ کا آغاز اپنی زبان میں موجود تکنیکی اصطلاحات کی درجہ وار لغات کی ترتیب و تیاری سے کرتے تھے۔ انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ انہوں نے نثر و نظم کی تمام کتب کو اچھی طرح کھنگالا تاکہ سائنس کی ہر شاخ مثلاً حیوانات، نباتات، فلکیات، علم تشریح الاعضاء اور علم معدنیات وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ اصطلاحات کا انتخاب کیا جاسکے اور یہ کہ یہ اصطلاحات ٹھوس اور مفید حوالہ جات پر مبنی ہوں۔ ہر آنے والی نسل نے سابقہ نسل کے کام پر نظرِ ثانی کی تاکہ کچھ نیا مواد اس میں شامل کیا جاسکے۔ جب ترجمہ کا کام شروع ہوا تو چند ادبی یا حکایتی مشاہدات کے ساتھ ساتھ الفاظ کی ان سادہ ''فہرستوں'' نے بہت اہم کردار ادا کیا اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا کہ کسی لکھاری کو کسی غیر ملکی زبان کے لفظ کو معرب کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔

(468) نباتیات میں استعمال ہونے والے الفاظ منفرد نوعیت کے ہوتے ہیں۔ سوائے ان چند پودوں کے ناموں کے کہ جو مسلم سلطنت میں پیدا نہیں ہوتے اس میں کوئی ایک بھی تکنیکی اصطلاح ایسی نہیں کہ جس کا ماخذ غیر ملکی ہو۔ ہر اصطلاح کے لئے عربی الفاظ موجود ہیں۔ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل الدینوری کی ''کتاب النبات''؛ (نباتیات کا انسائیکلوپیڈیا) اس موضوع پر دستیاب یونانی کام کے اولین ترجمہ سے پہلے مرتب کی گئی۔ Strassburg لکھتا ہے کہ ''ایک ہزار سال کے مطالعہ و تحقیق کے بعد یونانی محققینِ نباتات Dioscorides اور Theophrastus نے یونانی نباتیات کو اپنی کتب کے ذریعے از سرِ نو زندہ کیا لیکن الدینوری کا سب سے پہلا مسلم کام اپنے علم و فضل، تبحرِ علمی اور وسعت و جامعیت کے لحاظ سے یونانی کام سے پھر بھی بہت آگے ہے۔'' الدینوری ہر پودے کے نہ صرف اندرونی حصہ کی تفصیل بیان کرتا ہے بلکہ اس کی غذائی، ادویاتی اور دوسری خصوصیات بھی بیان کرتا ہے۔ وہ پودوں کی درجہ بندی کرتا ہے۔ ان کے اصل علاقے بارے بات کرتا ہے اور دوسری تفصیلات دیتا ہے۔

طبی سائنس:

(469) مسلمانوں کے دورِ حکومت میں طب نے غیر معمولی ترقی کی۔ خاص طور پر علم تشریح الاعضاء اور علم دوا سازی میں بہت کام ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہسپتالوں کی تنظیم کی گئی اور ڈاکٹروں کو پریکٹس کی اجازت دینے سے پہلے ان کی اعلیٰ و ارفع تعلیم و تربیت کے بعد ان کو امتحانی عمل سے گزارا گیا۔ بازنطینیہ، انڈیا اور چائنا وغیرہ کے ساتھ مشترکہ سرحدیں ہونے کے باعث مسلم آرٹ اور سائنس کی دنیا کے طبی علم کا مرقع و مجموعہ بن گئے اور اگر پرانے و سابقہ علم کو جانچا اور پرکھا جاتا تھا تو نئی تحقیقات اور دریافت بھی اس میں شامل کر دی جاتی تھیں۔ رازی، ابن سینا، ابو القاسم اور دوسروں کا کام موجودہ دور تک تمام طبی تعلیم کی بنیاد و اساس رہا حتیٰ کہ مغرب نے بھی ان ہی کی خوشہ چینی کی اور ان ہی سے فائدہ اٹھایا۔ ہم اب جانتے ہیں کہ گردش خون کی حقیقت سے بھی یہ مسلمان طبی سائنس دان واقف تھے۔ ابن النفیس کی تحریروں کا شکریہ۔

بصریات:

470 بصارت کی سائنس مسلمانوں کی خاص طور پر مرہونِ منت ہے۔ ہمارے پاس شعاعوں کے بارے الکندی کی کتاب موجود ہے جو آتشزن عدسوں کے متعلق یونانی علم سے پہلے ہی بہت زیادہ فضیلت و افضلیت کی حامل ہے۔ ابن الہیثم ہمیشہ زندہ رہنے والی ممتاز و مشہور شخصیت ہے۔ الکندی، الفارابی، ابن سینا، البیرونی اور دوسرے جو کہ مسلم سائنس کی نمائندگی کرتے ہیں دنیائے سائنس کی تاریخ میں زندہ و جاوید رہیں گے۔ ان جیسا مقام کوئی بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔

علم معدنیات، میکانیات وغیرہ:

471 ان سائنسی علوم نے صاحبانِ علم و مہارت کے لئے دلچسپی و کشش پیدا کی۔ طبی نکتہ نظر سے بھی اور قیمتی پتھروں کی شناخت و امتیاز کے مقصد کے طور پر بھی دونوں طرح سائنسی علم معدنیات اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بادشاہوں اور اہلِ ثروت نے اس کے حصول کے لئے کوشش و کاوش اور خواہش و آرزو کی۔ اس میدان میں البیرونی کا کام ابھی تک زیرِ استعمال ہے۔

472 ابن فرنس نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جس کی مدد سے اس نے ایک لمبے فاصلے تک اُڑان کی۔ وہ ایک حادثہ میں ہلاک ہو گیا اور اس نے اپنا کوئی جانشین نہ چھوڑا جو اس کے کام کی تکمیل کرتا۔ دوسروں نے ڈوبے ہوئے اور پھنسے ہوئے بحری جہازوں کو تیرانے وغیرہ کے لئے مشینی آلات ایجاد کیے۔

473 زیرِ آب علم کے ضمن میں دُرِّ نایاب کی حامل مچھلیوں اور ان کے علاج بارے بے شمار مقالے تحریر کیے گئے۔

حیوانیات:

474 عربی بدویوں کے لئے جنگلی جانوروں اور پرندوں کی زندگیوں کا مشاہدہ ہمیشہ سے خوش کن اور مسحور کن رہا تھا۔ الجاحظ نے اس موضوع کو مقبول و معروف کرنے کے لئے ضخیم کام چھوڑا ہے جسے بعد ازاں قزوینی، الدمیری اور دوسروں نے ترقی دی۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ شکرے سے شکار کے ساتھ ساتھ پالتو اور تربیت یافتہ جانوروں اور شکاری پرندوں سے شکار پر بھی عظیم و ضخیم کام کیا گیا۔

کیمیا اور طبیعیات:

475 قرآن مجید فرقان حمید نے مسلمان کو بار بار ترغیب و تلقین کی ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کریں اور

اس امر کا مطالعہ کریں کہ کس طرح آسمانوں اور زمین کو انسان کا تابع فرمان بنایا گیا ہے چنانچہ اسلام میں ایمان اور عقل و دلیل کے درمیان کبھی بھی کشمکش و آویزش نہیں رہی۔ پس یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے بہت جلد ہی کیمیا اور طبیعیات کا سنجیدگی و ترقی پسندی کے ساتھ مطالعہ شروع کر دیا۔ سائنسی کام کو خالد ابن یزید اور عظیم فقیہ حضرت امام جعفر الصادق سے منسوب کیا جاتا ہے جبکہ ان کا شاگرد جابر ابن حیان زمانوں تک معروف و مشہور رہا ہے۔ ان کے سائنسی کاموں کا خصوصی و امتیازی پہلو سادہ قیاس آرائی کی بجائے واقعیت پسندانہ تجرباتی عمل ہے اور یہ کہ انہوں نے مشاہدہ کے ذریعے حقائق کو جمع کیا ہے۔ ان ہی کے زیر اثر اور ان ہی سے متاثر ہو کر قدیم کیمیا گری نے صحیح، سچی اور درست سائنس کی شکل اختیار کی جس کی بنیاد حقائق پر تھی اور جو اس قابل تھی کہ اس کا عملی مظاہرہ کیا جا سکے۔ جابر ابن حیان علم کیمیا کے حوالے سے عمل تکثیف و تکسید اور عمل تخفیف بارے پہلے ہی سے علم رکھتا تھا۔ اس نے عمل تبخیر اور عمل تصعید کے ساتھ ساتھ قلم پذیری کے عمل کے طریقہ کار پر بھی ٹھوس اور وقیع کام کیا۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان انسانی علوم کی ترویج و ترقی کے لئے نسلوں اور صدیوں کے صبر آزما اور مشقت آمیز کام کی ضرورت تھی۔ جابر ابن حیان اور دوسروں کے تحقیقاتی کام کے لاطینی زبان میں تراجم اور یورپ میں ان کی کتابوں کا تعلیمی سلیبس کے طور پر استعمال اس امر کی واضح عکاسی کرتا ہے کہ جدید سائنس بہت زیادہ حد تک مسلمان سائنس دانوں کی مرہونِ منت ہے اور اس میں قیاس آرائی کے یونانی طریقہ کار کی بجائے عربی مسلمانوں کے تجرباتی طریقہ کار کا بنیادی عمل دخل ہے۔

ریاضی:

(476) ریاضی کی سائنس کی ترقی و ارتقاء میں مسلمانوں کے کردار نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ الجبرا، زیرو، صفر وغیرہ کی اطلاعات کا ماخذ و منبع عربی ہی ہے۔ اس میدان میں عظیم یونانی ریاضی دان یوکلڈ (Euclid) کی طرح الخوارزمی، عمر الخیام، البیرونی اور دوسروں کے نام بھی مشہور و معروف اور زندہ و تابندہ رہیں گے۔ علمِ مثلث سے یونانی سائنس دان آگاہ و آشنا نہیں تھے۔ اس کی دریافت کا سہرا بلاشک و شبہ مسلمان ریاضی دانوں کے سر بندھتا ہے۔

خلاصہ:

(477) مسلمان سائنس دانوں نے مختلف شعبوں میں اپنا کام جاری و ساری رکھا اور پھر ایسا ہوا کہ قسمت کی دیوی نے ان سے منہ موڑ لیا اور یوں مسلمانوں کے بنیادی تعلیمی و تحقیقی مراکز (بغداد، سپین) بدقسمتی سے متاثر و متزلزل ہوئے۔ ان پر غیر مہذب وحشیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ سائنس کے لئے بہت بڑا نقصان تھا۔ یہ وہ دور تھا جب پرنٹنگ پریس مروج نہیں ہوئی تھی۔ لاکھوں مخطوطات کی حامل لائبریریوں کو آگ لگا دینے سے ناقابلِ بیان اور ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ اجتماعی قتل و غارت نے صاحبانِ علم اور سائنس دانوں کو بھی نہ بخشا۔ جو کچھ صدیوں

میں تعمیر و تشکیل ہوا تھا وہ دنوں میں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اگر ایک دفعہ تہذیب وتمدن ایسی آفات کے باعث زوال پذیر ہو جائے تو اسے سنبھلنے میں کئی صدیاں لگتی ہیں جبکہ ان گنت ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور ترقی و تنزلی کے اس فاصلے کو مٹانے کے لئے تہذیب وتمدن کے سابقہ علم برداروں اور صاحبانِ علم کے کارناموں کا مطالعہ کر کے نیا سفر آغاز کرنا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اعلیٰ وارفع کردار و اذہان کے حامل افراد کو اپنی مرضی و منشاء سے وجود میں نہیں لایا جا سکتا۔ وہ رب قادر و قدیم کا عظیم انعام اور تحفہ وعطیہ ہوتے ہیں۔ ایک حادثہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نا اہل اور بددیانت افراد اپنے دور کی ممتاز و منفرد شخصیات کی قدر و عزت کرنے کی بجائے تذلیل کرتے ہیں۔ یہ وہ المیہ ہے کہ جس کی ہمیشہ مذمت کی جانی چاہیے۔

آرٹس:

(478) قرآن مجید فرقان حمید سائنسی علوم کی طرح آرٹس کی ترویج وترقی میں بھی مسلمانوں کے کردار بارے ابتداء و آغاز کرتا ہے۔ رب وحدہٗ لاشریک کی عبادت (نماز) کی غرض سے قرآن الحکیم کی با آواز بلند قرأت نے ''موسیقی'' کی نئی شاخ کو جنم دیا۔ قرآن پاک کے مواد و متن کی حفاظت و محافظت کے لئے خوش نویسی وفنِ کتابت اور جلد بندی کی ضرورت پیش آئی۔ مساجد کی تعمیر نے طرزِ تعمیر اور نقش نگاری کے فن کو جلا بخشی۔ اس میں بعد ازاں دولت مندوں کی غیر مذہبی ضروریات بھی شامل ہو گئیں۔ جسم اور روح میں توازن قائم رکھنے کی خاطر اسلام نے تمام چیزوں میں اعتدال کا درس دیا تا کہ فطری وقدرتی خصوصیات اور قابلیت و اہلیت کو صحیح سمت دی جا سکے۔ اور یہ کہ انسان متوازن و معتدل ہم آہنگی کا مرقع بن سکے۔

(479) ''صحیح'' مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ''مسند'' ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خوب صورت حدیث بیان کی گئی ہے کہ'' خدائے لم یزل خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔'' ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ'' خوب صورتی ہر چیز میں ہونی چاہیے حتیٰ کہ اگر آپ کسی کو قتل بھی کریں تو عمدہ طریقہ سے کریں۔'' رب رحمٰن و رحیم قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

(سورۃ الملک، آیت: 5 پہلا حصہ)

ترجمہ ''اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں کے ذریعے خوب صورتی عطا کی ہے۔''

اسی طرح فرمایا گیا کہ:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

(سورۃ الکہف، آیت: 7)

ترجمہ ''جو کچھ زمین پر ہے بے شک ہم نے اسے زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم

انہیں آزمائیں کہ ان میں کون اچھے کام کرتا ہے۔"

رب قادر وقدیر یہاں تک حکم دیتا ہے کہ:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

(سورۃ الاعراف، آیت: 31)

ترجمہ "اے اولادِ آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت (نماز کی ادائیگی کی خاطر) اپنا زیبائشی لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

480 رہبرِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ایک نصیحت و ہدایت آمیز واقعہ بارے ہمیں آگاہی و شناسائی ہوتی ہے۔ ایک دن سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیار شدہ قبر کے اندرونی حصہ کو دیکھا تو وہ بہتر طور پر ہموار نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقص کو دور کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قبر کی ہموار سطح مُردے کو نہ تو نفع دے گی اور نہ ہی نقصان کرے گی لیکن زندہ لوگوں کی آنکھوں کو زیدہ بھلی اور خوشگوار لگے گی جب بھی کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ شخص اسے بہتر و برتر انداز میں کرے۔ (ابن سعد 156، VIII)

481 فائن آرٹس میں دلچسپی اور ذوق وشوق انسان میں خلقی وجبلی ہے۔ تمام قدرتی نعمتوں کی طرح اسلام فنی قابلیت ولیاقت کو اعتدال کے جذبہ کے ساتھ فروغ دینے کا خواہش مند ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسلام تو نفس کشی اور روحانی عبادات میں بھی حد سے تجاوز کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

482 سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسجد کا جو پہلا منبر تیار کیا گیا تھا اسے انار کی طرح کی دو گیندوں سے سجایا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو چھوٹے اور پیارے فرزند ان گیندوں سے کھیل کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ یہ لکڑی پر نقش نگاری کا آغاز تھا۔ بعد ازاں قرآن پاک کے نسخوں کو رنگوں سے منور ومزین کیا گیا اور ان کی جلد بندی میں بہت احتیاط برتی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کبھی بھی فنی ترقی سے منع نہیں کرتا۔ صرف جانوروں (بشمول انسان) کی تصاویر سے روکا گیا ہے۔ یہ پابندی قطعی محسوس نہیں ہوتی تاہم ہادیٔ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل سے منع فرمایا ہے۔ اس پابندی کی الہیاتی، نفسیاتی، حیاتیاتی اور معاشرتی وجوہات ہیں۔ عالم نباتات اور عالم معدنیات کے مقابلے میں عالم حیوانات کا مظاہرہ واظہار سب سے زیادہ ہے اور انسان اپنے خالق و مالک کا از حد شکر گزار ہے کہ اس نے اسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا۔ ماہرین نفسیات اس امر کی جانب توجہ دلاتے ہیں کہ مخلوقات میں عالم حیوانات کی اعلیٰ وارفع پوزیشن (جانوروں میں حرکت کی صلاحیت اور انسانوں میں خاص طور

پر ایجاد و اختراع کی اہلیت) کے باعث انسان کسی جانور کے اظہار و مظاہرہ (تصویر بنا کر یا کسی اور شکل میں) کے لئے دوگنی ترغیب و تحریص محسوس کرتا ہے۔ اول یہ تحریص و بہکاوا کہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ''تخلیق'' کرتا ہے حالانکہ وہ محض تیار کرتا ہے (ثبوت کے طور پر اس یونانی مجسمہ ساز کا مشہور قصہ کہ جو اپنے ہی مجسمہ کا عاشق ہو گیا تھا) دوم یہ تحریص و بہکاوا کہ وہ اپنے اس اظہار و مظاہرہ کو قابلِ رسائی خدا کی مثالی اقدار سے منسوب و معنون کرتا ہے (عہد رفتہ کے لوگوں کی بت پرستی کی تاریخ اور عہد حاضر کے لوگوں کو ہیرو، چیمپئن اور سٹار کے لئے حد درجہ عقیدت) اس کا حیاتیاتی پہلو یہ ہے کہ زیر استعمال نہ رہنے والی قابلیت و اہلیت مسلسل استعمال ہونے والی قابلیتوں اور اہلیتوں کو مضبوط و مستحکم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نابینا شخص یادداشت اور محسوسات کی ایسی قوت و طاقت کا حامل ہوتا ہے کہ جو عام بینا شخص کی قوت و طاقت سے بہتر و برتر اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔ اگر آرٹسٹ کسی جانور کا اظہار و مظاہرہ مصوری، کندہ کاری یا مجسمہ سازی وغیرہ سے نہیں کرتا تو پھر وہ اپنے فن کے اظہار و مظاہرہ کے لئے زیادہ جوش و جذبہ کے ساتھ فن کی کسی اور شاخ کا سہارا لیتا ہے (درخت کے پھل میں اضافہ کے لئے فالتو اور زائد از ضرورت شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں) جہاں تک معاشرتی پہلو کا تعلق ہے اپنی نسل (عالمِ حیوانات) کی برتری کا احساس اکثر بگڑ کر بت پرستی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یوں جانوروں کے اظہار و مظاہرہ پر پابندی کا نتیجہ بت پرستی پر پابندی ہو سکتا ہے تاہم اس حوالے سے کئی مستثنیات ہیں۔ مثلاً بچوں کے کھلونے، تکیہ و قالین کی آرائش و زیبائش (ان دونوں کو معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا کیا) مزید یہ کہ سائنسی ضروریات (علم تشریح الاعضاء اور علم بشریات وغیرہ کی تعلیم و تدریس کے لیے) سیکورٹی کی ضروریات (پولیس وغیرہ کے لئے تصویر، شناخت کے لئے تصویر، مفرور مجرم کی تلاش کے لئے تصویر) اور اسی طرح کی دوسری ضروریات کے لئے تصویر پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

(483) تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ ''تصویری'' آرٹ پر اس پابندی نے مسلمانوں میں عمومی آرٹ پر کبھی بھی پابندی نہیں لگائی۔ اس کے برعکس غیر تصویری میدانوں میں حیران کن ترقی ہوئی ہے۔ قرآن الحکیم مساجد کی تعمیر میں بلندی اور شان و شوکت کی سفارش کرتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

(سورۃ النور، آیت: 36 پہلا حصہ)

ترجمہ ''ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ کا نام''

سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں مسجد، یروشلم کی قبۃ الصخرہ (بیت المقدس) (The Dome of Rock)، استنبول کی سلیمانیہ مسجد، آگرہ کا تاج محل، غرناطہ کا الحمرا محل جیسی دوسری یادگاریں دنیا کی اور تہذیبوں کے شاہکاروں سے کسی صورت کم نہیں، چاہے طرزِ تعمیر کے حوالے سے ہوں یا فنی

آرائش وزیبائش کے حوالے سے ہوں۔

484 خوش نویسی وخطاطی ایک ایسا آرٹ ہے جو مسلمانوں کی انفرادیت رہی ہے۔ یہ تصویر کی بجائے آرٹ کا تحریری شاہکار وجود میں لاتی ہے۔ اسے عام مصوری، دیواری مصوری اور عمدہ کپڑے کی سجاوٹ کے علاوہ مختلف میٹریل پر بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس آرٹ کے شاندار شاہکار اپنی تمام تر رعنائی وزیبائی اور خوب صورت بناوٹ کے باعث دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

485 ایک اور آرٹ جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے وہ تلاوت وقرأتِ کلام الٰہی ہے۔ آلاتِ موسیقی استعمال کیے بغیر اور غیر منظوم ہونے کے باوجود قرآن الحکیم داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے تلاوت و قرأت کے لئے بہت زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے۔ دوسری زبانوں کی موسیقیت آمیز شاعری بھی عربی زبان کی نثر کی مٹھاس، چاشنی اور نغمگی کا کسی طور مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جنھوں نے کسی قاری کو قرأت کرتے سنا ہے یا کسی مؤذن کو دن میں کئی بار اذان دیتے سنا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ انفرادیت اپنی دلفریبی ودلکشی میں لاثانی ولافانی ہے۔

486 دنیاوی موسیقی وگلوکاری نے بھی بادشاہوں اور امراء کے زیر پرستی مسلمانوں کے ادوار میں ترقی کی منزل طے کیں۔ الفارابی، (''رسائل الخوان الصفا'')، ابن سینا اور دوسرے علمائے دین نے اس موضوع پر نہ صرف یادگار کام چھوڑا ہے بلکہ یونانی اور ہندوستانی موسیقی میں قابلِ تحسین وتوصیف اصلاحات بھی کی ہیں۔ انہوں نے موسیقی میں علامات ونشانات کے استعمال کے ساتھ ساتھ مختلف میوزیکل آلات بارے بھی لکھا ہے۔ مختلف منظوم کلام کے لئے مناسب وموزوں دھن کا انتخاب اور موقع ومحل کی ضروریات کے مطابق آلاتِ موسیقی کا انتخاب (خوشی اور غمی کے مواقع پر، مریض شخص کے لیے، وغیرہ) جیسے وہ موضوعات ہیں کہ جن پر جامع اور ٹھوس وو قیع مطالعہ کے لئے بحسن وخوبی لکھا گیا ہے۔

487 جہاں تک شاعری کا تعلق ہے معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ ''ایسی نظمیں بھی ہیں کہ جن کے اشعار حکمت وفطانت سے معمور ہوتے ہیں اور ایسے بھی خطیب ہیں کہ جن کے خطبات، مسحور کن ہوتے ہیں۔'' قرآن پاک نے غیر اخلاقی وناشائستہ شاعری کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس ہدایت و حکم پر عمل کرتے ہوئے شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرد اپنے دور کے بہترین شعراء کو اکٹھا کیا اور ان کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی اور حدود وقیود مقرر فرمائیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم قدرتی اہلیت وقابلیت کے بہتر اور بُرے استعمال میں فرق واضح کیا۔ مسلمانوں کا شاعری کے میدان میں کام تمام زبانوں اور تمام زمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کام بارے یہاں مختصراً بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔ ایک عربی حتیٰ کہ ایک بدوی اپنے آپ کو شاعری میں ''ماہر'' پاتا ہے کیونکہ وہ مترادف اصطلاحات سے بخوبی آگاہ وآشنا ہوتا ہے۔ ''بیت'' کا مطلب خیمہ بھی ہے اور دو نصف ٹکڑوں کا شعر بھی ہے جبکہ ''مصرع'' کے معنی نہ صرف شامیانہ کا کونہ ہے بلکہ شعر کا نصف ٹکڑا ہے۔ اسی طرح ''سبب'' شامیانے کے رسہ کو کہتے ہیں جبکہ علم عروض کے مطابق دو

حرفی لفظ یا لفظ کے دو حرفی ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ "وتد" کا مطلب شامیانے کی میخ یا کھونٹی ہے لیکن علم عروض کی رُو سے سہ حرفی لفظ یا لفظ کے سہ حرفی ٹکڑے کو "وتد" کہا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ نظم کی مختلف بحروں کے نام اونٹ کے قدموں کی چال (تیز، مدھم وغیرہ) بیان کرنے والے الفاظ کے مترادفات ہیں۔ یہ زبان کی عظیم اور منفرد خصوصیات میں سے چند مثالیں ہیں۔

488 مختصر یہ کہ آرٹ کی دنیا میں مسلمانوں نے انتہائی اہم اور وقیع کردار ادا کیا ہے۔ مسلمانوں نے آرٹ کے نقصان دہ پہلوؤں سے اجتناب کرتے ہوئے اس کے جمالیاتی عناصر کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں قطعی نئی ایجادات بھی کی ہیں۔ آرٹ کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کا حصہ قابلِ ذکر ہے۔ فی الوقت دو نکات پر تبصرہ و غور کیا جا سکتا ہے (1) کیا مسلمانوں کا اپنا کوئی کلچر نہیں تھا! تمام رائج و مروج اسلامی کلچر جسے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری توانائی کے ساتھ اچھی طرح ذہن نشین کرایا تھا۔ وہ ان اقوام کے کلچرز میں مدغم ہوگیا ہوگا جنہیں مسلمانوں نے بڑی آسانی اور بڑی تیزی کے ساتھ زیرنگیں کیا تھا۔ (2) از حد وسیع و عریض اسلامی سلطنت کی رعایا تمام مذاہب کے لوگ تھے مثلاً "عیسائی، یہودی، زرتشت، صابی، برہمن اور بدھ مت وغیرہ اور ان میں سے ہر کوئی اپنی تہذیبی و تمدنی روایات رکھتا تھا۔ اگر وہ باہم ایک دوسرے سے اتحاد و اشتراک (کلچر کے حوالے سے) نہ بھی کرتے پھر بھی انہوں نے لازمی طور پر مسلمانوں کے (کلچر) کے ساتھ اتحاد و اشتراک کیا کیونکہ مسلمان ان کے سیاسی آقا تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے نکتہ نظر کی مسلمانوں کے روبرو وضاحت کی۔ یوں مسلمانوں پر لازم ہوگیا کہ وہ ان میں سے کسی کے کلچر کی نقل نہ کریں اور یہ کہ ان سب میں تضادات ہونے کے باوجود ان کا جائزہ لینے کے لئے اور سائنس اور انسانیت کے مفاد کی خاطر ان کا ایک مرقع و مجموعہ تخلیق ہونا چاہیے تھا؟

❀......❀

باب 14

اسلام کی عمومی تاریخ

489 اسلام کی تاریخ سے مراد عملاً دنیا کی گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ ہے۔ ہم اس قدر کوشش و کاوش کر سکتے ہیں کہ تاریخ کے چیدہ چیدہ بڑے واقعات کا وسیع تناظر میں سیدھا سادہ خاکہ پیش کر دیا جائے۔

خلفائے راشدین:

490 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک 632 عیسوی (11 ہجری) میں ہوا۔ گزشتہ 23 برسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامیابی و کامرانی کے ساتھ نہ صرف ایک دین کی تعمیر و تشکیل میں سخت محنت و مشقت کی بلکہ عدم وجود سے ایک ایسی ریاست تخلیق کی کہ جو اگرچہ آغاز میں مدینہ منورہ کے ایک حصے پر مشتمل ایک چھوٹی سی شہری ریاست تھی مگر دس سال کے مختصر عرصہ میں وہ مکمل جزیرہ نمائے عرب کے ساتھ ساتھ فلسطین اور عراق کے چند جنوبی علاقوں تک پھیل چکی تھی۔ مزید یہ کہ ہادیٔ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاکھوں کی تعداد میں اپنے پیروکاروں کی ایسی قومیت چھوڑی کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد و قواعد پر یقین کامل کے ساتھ اس کام اور مشن کی ترویج و اشاعت کی بھرپور اہلیت و صلاحیت رکھتی تھی کہ جس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

491 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری حصہ کے دوران (پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل و بے مثال زمانی و مکانی کامیابیوں کے باعث) نبوت کی جھوٹی دعویداری پیدا ہوئی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبوت کے ان جھوٹے دعویداروں کو کچلنے میں کئی ماہ لگ گئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے باعث زیادہ جرأت و جسارت کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترے تھے اور ان میں کچھ اور جھوٹے دعویدار بھی شامل ہو گئے تھے۔

492 سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے لمحات میں بازنطینی رومی سلطنت کے علاوہ ایران کے ساتھ بھی جنگ کی حالت وصورت تھی۔ اس بات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ بازنطینی رومی سلطنت کے علاقے میں ایک مسلمان سفیر کو شہید کر دیا گیا تھا مگر وہاں کے شہنشاہ نے اس کا ازالہ و تلافی کرنے کی بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ متبادل اقدامات کو نہ صرف مسترد کر دیا تھا بلکہ اس صورتِ حال میں مسلمانوں کی تعزیری مہم کو روکنے کے لئے عسکری مداخلت کی تا کہ قاتل کو بچایا جا سکے۔ (ملاحظہ پیراگراف 442) جہاں

تک ایران کا تعلق ہے۔ عرب میں اس کے محروس علاقوں اور اس کے مابین کئی سال سے جاری خونریز جھڑپوں کے باعث ان علاقوں میں مقیم کچھ قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ایرانیوں کے جارحانہ اقدامات اور ظلم و زیادتی نے بین الاقوامی سطح پر پیچیدگیوں کو جنم دیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت بازنطینی اور ساسانی دنیا کی دو عظیم قوتوں کے طور پر اُبھرے جبکہ عربوں کے پاس سوائے مٹھی بھر خانہ بدوش بدوؤں کے اور کوئی بھی قابلِ رشک چیز نہیں تھی۔ نہ تو ان کے پاس عسکری سازوسامان تھا اور نہ ہی مادی وسائل تھے۔

(493) جرأت و جوانمردی کے لائقِ تحسین و توصیف جوش و جذبہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں عظیم طاقتوں کے خلاف بیک وقت جنگ کا آغاز کیا۔ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں نے چند سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امن پسندانہ حل کے لئے اپنا ایک سفیر قسطنطنیہ بھیجا مگر یہ کوشش بے سود رہی تاہم قیصاریہ میں شکست کے بعد شہنشاہ نے نئے فوجی دستے میدان کارزار میں اُتارے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس صورتِ حال میں مسلمان فوج کے چند حصوں کو عراق (ایرانی سلطنت) سے شام منتقل کیا۔ 634 عیسوی میں مسلمانوں نے یروشلم کے قریب نئی فتح حاصل کی جس کے جلد ہی بعد ایک اور فتح حاصل ہوئی اور نتیجتاً دشمن کے قابلِ ذکر علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ انہی لمحات و اوقات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دارِ فنا کو خیرباد کہتے ہوئے دارِ بقا کی راہ لی تو ان کے جانشین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے وہ تمام مہم جاری و ساری رکھی کہ جو انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ جلد ہی دمشق اور بعد ازاں حمص (شمالی شام) کے باشندوں نے مسلمانوں کے لئے اپنے راستے و دروازے کھول دیئے۔ حقائق اس امر کے غماز وعکاس ہیں کہ ان علاقوں کے رہائشیوں نے مسلمانوں کو فاتح اور دشمن سمجھنے کی بجائے ان کا بطور آزادی دہندگان استقبال و خیر مقدم کیا۔ حمص میں شکست کے بعد شہنشاہ ہرقل نے اپنی تمام تر قوت کو مجتمع کر کے آخری کوشش کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے بہتر انتظام و تنظیم اور اعلیٰ صف بندی کے مقصد کے حصول کی خاطر کچھ علاقوں کو خالی کرنا مناسب سمجھا۔ جب انخلاء کا فیصلہ ہو گیا تو مسلمان سپہ سالار نے حکم دیا کہ ان علاقوں کے تمام غیر مسلم افراد سے لیا گیا ٹیکس انہیں واپس کر دیا جائے۔ اس لئے کہ ان سے وصول کردہ محصولات کو استعمال کرنے کا انہیں حق نہیں پہنچتا کیونکہ ان افراد کی حفاظت کی ذمہ داری مزید ادا نہیں کی جا سکتی۔ مسلمانوں کے اس ارفع و اعلیٰ اخلاقی محاسن کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغلوب و مفتوح عوام نے اپنے سابقہ فاتحین (مسلمانوں) کے انخلاء پر آنسو بہائے۔ فرانسیسی مؤرخ De Geoje اپنی کتاب (Memorie sur la conquete de la Syrie) یعنی "فتحِ شام کی یادداشت" میں لکھتا ہے کہ "درحقیقت شام میں عربوں کی صف بندی ان کے لئے بہت مدد و معاون ثابت ہوئی اور انہوں نے اس کا فائدہ بھی اٹھایا کیونکہ مفتوح عوام کے ساتھ جس نرمی و محبت کا برتاؤ عربوں نے کیا اس کا موازنہ عوام نے اپنے سابقہ بازنطینی آقاؤں کے اس خوفناک و ہولناک جور و استبداد اور ظلم و ستم سے کیا کہ جس کا وہ شکار رہے تھے۔" اپنی عسکری حکمتِ عملی کے مطابق مسلمان

اگر چہ وقتی طور پر پیچھے ہٹے تاہم وہ اضافی قوت ومقبولیت کے ساتھ دوبارہ واپس لوٹے۔

494 ایران کی قسمت بھی بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ابتدائی حملوں ہی میں حیرہ (جدید کوفہ) اور کچھ قلعہ بند مقامی علاقوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ شام کی جانب عسکری وفوجی مہم کی روانگی نے وقتی سکون پیدا کیا تاہم چند ماہ بعد ہی جدوجہد دوبارہ شروع ہوئی اور آسانی کے ساتھ دارالخلافہ مدائن (قطیسیفون) پر قبضہ کرلیا گیا۔ شہنشاہ یزدگرد نے چین کے شہنشاہ اور ترکستان کے بادشاہ کے ساتھ ساتھ دوسرے ہمسایہ شہزادوں سے مدد ومعاونت کی درخواست کی لیکن اس کو ملنے والی معاونت اس کے مقاصد کی تکمیل نہ کرسکی حتیٰ کہ اس کے اتحادیوں کو بھی بہت زیدہ نقصان اٹھانا پڑا۔

495 حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے ترپولی (لبیا) سے بلخ (افغانستان) تک، امریکہ سے سندھ (پاکستان) اور گجرات (انڈیا) تک اور ان کے درمیانی ممالک مثلاً شام، عراق اور ایران وغیرہ تک حکومت کی۔ جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمان نوبیہ، ڈنگولا (شمالی سوڈان کا ایک چھوٹا شہر)، اندلس (سپین) کے ساتھ ساتھ چین کے کچھ علاقوں کے حکمران رہے۔ جزیرہ ہائے قبرص، روڈس اور کریٹ (اقریطش) بھی اس دوران سلطنتِ اسلام کا حصہ بنے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو بمشکل پندرہ سال گزرے تھے کہ مسلم سلطنت بحر اوقیانوس سے بحرالکاہل تک وسعت اختیار کرگئی اور یوں براعظم یورپ کے برابر وسیع رقبہ و علاقہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی مگر دلچسپ اور قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ کسی بھی علاقے کے مفتوح ومغلوب عوام کسی طور غیر مطمئن نہیں تھے۔ یہ بات اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ 656 عیسوی میں جب مسلمانوں کو خانہ جنگی کی جانب دھکیلنے کی کوشش کی گئی تو کوئی اندرونی بغاوت نہیں ہوئی اور یوں بازنطینی شہنشاہ کو غیر جانبدار رہنے کے عوض شام کے محتاط وہوشیار مسلمان گورنر کی جانب سے معمولی رقم کے وعدہ پر صبر واکتفا کرنا پڑا۔

496 مسلمانوں کی حکومت وسلطنت کی اس قدر سرعت کے ساتھ وسعت کو کسی ایک وجہ کا ماحصل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں کے باہمی اختلافات وتنازعات کے باعث عدم استحکام کا ازالہ عرب فاتحین کی عدم تنظیم کے ساتھ ساتھ مادی ذرائع اور ہتھیاروں کی کمی سے ہوا۔ یوں مسلمان چین سے سپین تک مکمل طور پر نہ پھیل سکے جبکہ عرب بھی اتنی تعداد میں نہیں تھے کہ انہیں اس قدر وسیع وعریض علاقے میں پھیلایا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان جنگوں کا آغاز سیاسی نوعیت کا تھا کیونکہ مسلمانوں کی کسی صورت کبھی بھی یہ خواہش و آرزو نہیں رہی کہ مذہب کو طاقت کے زور پر لاگو کیا جائے۔ اسلام اس قسم کے تصور اور نظریہ کی باضابطہ نفی کرتے ہوئے اسے ممنوع قرار دیتا ہے۔ تاریخ کا ورق ورق اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ مغلوب ومحکوم وزیرنگیں اقوام کو مسلمانوں نے کبھی بھی جبروزبر اور قوت وطاقت سے دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسلامی قواعد وضوابط کی سادگی اور سلاست وموزونیت کے ہمرکاب مسلمانوں کی عملی زندگی کی زندہ وتابندہ مثال کے

باعث لوگ اپنا سابقہ مذہب چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کرنے پر قائل و مائل ہوئے۔ اگر مسلمان فاتحین لوٹ مار کرتے اور مالی مفاد کو سامنے رکھتے تو اس طرح ان کی سرعت پذیر فتوحات کے مقاصد کمزور تر ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوب و مفتوح اقوام نے اپنے آقاؤں کی تبدیلی کو بہتری و بھلائی سے تعبیر کرتے ہوئے اس کا استقبال و خیر مقدم کیا۔ موجودہ دور میں مصر سے دریافت ہونے والی قدیم مصری کاغذ پر تحریر شدہ ہم عصر انتظامی دستاویزات اس حقیقت کی شہادت دیتی ہیں کہ عربوں نے مصر میں ٹیکسوں کا بوجھ بہت ہلکا کر دیا تھا چنانچہ یہ امر یقینی دکھائی دیتا ہے کہ تمام مفتوحہ ممالک میں بھی اسی نوع کی اصلاحات و مراعات کو متعارف کرایا گیا ہوگا۔ عربوں کی کفایت شعارانہ سادہ زندگی اور مسلم انتظامیہ کی ایمانداری و دیانتداری کے باعث انتظامی و انصرامی اخراجات میں نمایاں کمی واقع ہوئی۔ اسلام میں مال غنیمت مطلقاً ان مجاہدین کی ملکیت نہیں بن جاتا جن کے وہ قبضہ میں آتا ہے بلکہ یہ حکومت کو دے دیا جاتا ہے اور وہ اسے قانون کے مطابق مقررہ تناسب سے عسکری مہم میں حصہ لینے والے تمام افراد میں تقسیم کرتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر ان غیر سرکاری سپاہیوں اور افسروں کی دیانت و امانت پر حیرت و مسرت کا اظہار فرماتے تھے کہ جو ایسے قیمتی جواہرات اور کثیر مالیتی اشیا حکومت وقت کے حوالے کر دیتے تھے کہ جنہیں انتہائی آسانی کے ساتھ چھپایا جا سکتا تھا۔

497 ''خلفائے راشدین'' کے عنوان کا اختتام ایک نسطوری لاٹ پادری کے اس خط کی چند سطور سے کرتے ہیں جو اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا اور اسے محفوظ کر لیا گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ''یہ عرب کہ جنہیں خدائے بزرگ و برتر نے ہمارے دور میں فوقیت و فضیلت سے نوازا ہے اور وہ ہمارے آقا بن گئے ہیں ہمارے عیسائی مذہب سے کسی صورت جھگڑا نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس وہ ہمارے عقیدہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور ولیوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ہمارے گرجا گھروں اور خانقاہوں کے لئے عطیات دیتے ہیں۔''

اموی:

498 665 عیسوی میں خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مسلم دنیا کو جانشینی کی جنگ کا سامنا کرنا پڑا جو اگلے بیس برس کے دوران کئی بار وقوع پذیر ہوئی۔ جس میں نصف درجن حکمران تخت نشین ہونے کے بعد منظر سے غائب ہوئے۔ خلیفہ عبدالملک (685ء تا 705ء) کے اقتدار سنبھالنے کے بعد حکومت ایک بار پھر مضبوط و مستحکم ہوئی اور فتوحات کی ایک نئی لہر شروع ہوئی۔ نتیجتاً مراکش اور سپین کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے شمالی علاقے مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہوئے۔ فرانس کے بیشتر علاقوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور دارالخلافہ مدینہ منورہ سے دمشق منتقل ہوا۔ جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر کی جگہ سابقہ بازنطینی علاقے نے لے لی تو اس سے مذہبی عقیدت و محبت اور جذبۂ جاں نثاری

میں کمی آئی جبکہ عیش ونشاط، دولت کے ضیاع وزیاں اور جانبداری کے نتیجہ میں بغاوتوں اور انقلابات میں اضافہ ہوا تاہم ذہنی وتخلیقی اور سماجی ومعاشرتی میدانوں میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ صنعت میں تحریک وتیز رفتاری پیدا ہوئی۔ طب کے شعبہ کو خاص طور پر حکومتی سرپرستی ملی۔ یوں یونانی اور دوسری غیر ملکی زبانوں میں لکھی گئی طب کی کتب کے عربی میں تراجم کیے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ (817ء تا 820ء) کا مختصر دور حکومت انتہائی شاندار اور عہد ساز رہا۔ یک زوجگی کا دستور اختیار کرنے والے اس متقی و پرہیز گار خلیفہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادوار کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے جائیدادوں کی بحق سردار ضبطی کی پرانی فائلیں نکلوا کر ان پر نظر ثانی کی تاکہ اموال مغصوبہ کو ان کے حقیقی مالکان یا ان کے ورثاء کو واپس کیا جا سکے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کئی غیر منصفانہ ٹیکس ختم کر دیئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ غیر جانبدارانہ انصاف کے حوالے سے بے لچک اور سخت تھے چاہے تشدد کرنے والا مسلمان اور تشدد کا شکار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ان شہروں (مثلاً سمرقند) کو خالی کرنے کا حکم دیا کہ جن پر مسلم افواج نے دھوکہ دہی سے قبضہ کر لیا تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے دارالخلافہ کی جامع مسجد کے اس حصہ کو گرانے کا حکم دینے میں قطعی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جسے غصب شدہ زمین پر تعمیر کیا گیا تھا۔ (ملاحظہ: پیراگراف 434) نتیجہ حیران کن تھا۔ اموی سلسلۂ خلافت کے آغاز میں عراق کے محصولات اگر 100 ملین درہم تھے تو حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خلافت سے پہلے خلیفہ کے دور میں 18 ملین تک گر گئے جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے زمانۂ خلافہ میں 120 ملین تک جا پہنچے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے تقویٰ وتورع اور دینی خدمات نے بین الاقوامی سطح پر آپ رحمتہ اللہ علیہ کی اعلیٰ وارفع شخصیت کے تاثر کو اجاگر کیا جس کے باعث سندھ اور ترکستان کے راجاؤں کے ساتھ ساتھ بربروں اور شاہان ماوراء النہر نے اسلام قبول کیا۔ ہر شخص مذہبی تعلیم میں دلچسپی لینے لگا۔ نتیجتاً متبحر علماء وفضلاء کی ایک ایسی کہکشاں وجود میں آئی کہ جس نے مسلم قومیت کو سائنس کے مختلف شعبوں اور میدانوں میں معراج سے ہمکنار کیا۔ بدعنوانی کا سختی کے ساتھ خاتمہ کرنے کی بناء پر آپ رحمتہ اللہ علیہ کی انتظامیہ کو ہر جگہ مقبولیت وشہرت نصیب ہوئی۔

(499) اموی دور میں تعمیر ہونے والی فن تعمیر کی شاہکار و یادگار عمارتوں میں 691 عیسوی میں معرض وجود میں آنے والی یروشلم کی مسجد اقصیٰ (قبۃ الصخرہ) نمائندہ مثال ہے۔ دمشق اور دوسرے علاقوں میں دوسری یادگاروں کی باقیات اس میدان میں مسلمانوں کی گرانقدر ترقی کی گواہی دیتی ہیں۔ فن موسیقی میں عظیم ترقی بھی قابلِ ذکر ہے حالانکہ اس وقت موسیقی کی دھنیں ابھی تک ایجاد نہیں ہوئی تھیں اور ہم ترقی پر اثرات بارے قطعی نظریہ قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں کے دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ بھی اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے مابین اختلاف سیاسی بنیادوں پر استوار اس سوال پر ہے کہ کیا داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی الیکشن کے ذریعے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کے مابین وراثت

کی اساس پر ہونا چاہیے تھی؟ شیعہ فرقہ کے لئے یہ عقیدہ کا سوال بن گیا اور اس افتراق و اختلاف نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ ایک ایسا جھگڑا و تنازعہ ہے کہ جس نے اموی سلسلۂ خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ یوں 750 عیسوی میں عباسیوں نے حکومت سنبھالی مگر شیعہ اس تبدیلی سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ہمارے زمانے میں دنیا بھر کے مسلمانوں میں شیعہ فرقہ سے منسلک افراد کی تعداد 10 فیصد ہو سکتی ہے جبکہ باقی سب سنی ہیں تاہم انتہائی معمولی تعداد ایک چھوٹے فرقہ خارجی کی بھی ہے جو اسی وقت ہی وجود میں آ گیا تھا۔

عباسی:

500 750 عیسوی میں عباسیوں کے اقتدار میں آتے ہی مسلم علاقے کی تقسیم شروع ہو گئی۔ آغاز میں اس کے دو حصے ہوئے اور بعد ازاں یہ مسلسل و متواتر آزاد و ریاستوں کی شکل اختیار کرتا گیا۔ قرطبہ (سپین) میں ایک حریف خلافت قائم ہوئی جس نے 1492 عیسوی میں اپنے زوال تک مشرق سے اتحاد و ملاپ کے لئے کبھی بھی مصالحت نہ کی کہ جہاں دمشق کی جگہ بغداد مرکز خلافت بن چکا تھا۔

501 عباسی دور میں کوئی بڑی عسکری فتوحات نہیں ہوئیں البتہ ریجنل سربراہوں نے کچھ اقدامات کیے تاہم انہوں نے بھی اگرچہ بغداد کو مرکز خلافت اور خلیفہ کو تسلیم کیا مگر خارجہ پالیسی یا اندرونی انتظامی معاملات میں اس پر انحصار و اعتبار نہیں کیا۔ اس حوالے سے برصغیر پاک و ہند بارے ہم علیحدہ پیراگراف میں بات کریں گے۔ بازنطینی رومی سلطنت کے ساتھ تعلقات تلخ و خونریز تر ہوتے چلے گئے اور یونانی سلطنت کو ایشیائے کوچک کو مطلقاً خیر باد کہہ کر صرف یورپی علاقوں پر اکتفا و صبر کرنا پڑا۔

502 عباسیوں نے ایک پالیسی متعارف کرائی جس کے تحت رضا کاروں کی مقبول و ہر دلعزیز افواج کی جگہ پیشہ ور ترکی نژاد سپاہیوں اور فوجیوں کو زیادہ سے زیادہ بھرتی کیا گیا۔ اس سے جاگیردارانہ نظام نے جنم لیا جس کی وجہ سے بعد ازاں آزاد و خود مختار صوبے وجود میں آئے اور یوں گورنروں کا "شاہی سلسلہ" چل نکلا۔ اقتدار کے حصول کے تقریباً نصف صدی بعد عباسی خلفاء نے اپنی خاص مراعات و اختیارات و رعایات مرکز گریز گورنروں کو منتقل کرنا اور حتیٰ کہ کھونا شروع کر دیں۔ یوں ان کی حاکمیت بتدریج ان کے محلات تک محدود ہو کر رہ گئی۔ رہی سہی کسر امراء (اس دور میں حاکم کو "امیر" کہا جاتا تھا) نے پوری کر دی۔ ان امراء میں سے جو زیادہ طاقتور تھے انہوں نے دارالخلافہ پر قبضہ جما لیا۔ خلافت اور پاپائیت کا اس دور میں عجیب و غریب تضاد نظر آتا ہے۔ پوپ اگرچہ کسی سیاسی قوت کے بغیر منظرِ عام پر آئے لیکن انہوں نے کئی صدیوں بعد مقدس رومی سلطنت کے وجود میں آتے ہی سیاسی قوت حاصل کر لی۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ شہنشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہو گئے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ قوت و طاقت کھو دی۔ اس کے برعکس خلفاء نے مکمل طور پر طاقتور اور با اختیار حکمرانوں کے طور پر آغاز کیا۔ پھر سلاطین کو حکومت میں حصہ دار بنایا اور بالآخر علامتی اور رسمی حکمران

بن کر رہ گئے کہ جن کا کوئی اختیار و وقار نہیں تھا۔

503 عباسیوں کے دور میں ہی تیونس کے گورنر کو سسلی کی خانہ جنگی میں مداخلت کی دعوت دی گئی تو اس نے جزیرے پر قبضہ کر لیا اور اٹلی کے بیشتر اور بنیادی علاقے پر قدم جماتے ہوئے روم تک جا پہنچا۔ فرانس کے جنوبی علاقے کو سوئٹزر لینڈ میں شامل کر لیا گیا وسعت پذیری کی اس لہر کو فاطمیوں نے بزور قوت و طاقت روک کر حکومت کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ شیعہ فرقہ کے فاطمیوں (فاطمی ..... شمالی افریقہ اور مصر و شام کے علاقوں پر حکومت کرنے والا اولاد علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شاہی سلسلہ: مترجم) نے اپنا دار الخلافہ قاہرہ منتقل کیا جہاں انہوں نے متبرک و محترم گرجاؤں اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی۔ اس سے یورپ میں اس قدر ناراضی و آزردگی اور ردعمل پیدا ہوا کہ عیسائی پاپاؤں نے اسلام کے خلاف مقدس جنگ کی تبلیغ شروع کر دی۔ یوں صلیبی جنگوں کا ایک سلسلہ چل نکلا جس میں مشرق اور مغرب دونوں دو صدیوں تک برسر پیکار رہے۔ پہلی صلیبی جنگ کے وقت فاطمی پہلے ہی فلسطین کو الوداع کہہ چکے تھے۔ یوں فلسطین کی مجبور و معصوم عوام کو حملہ آوروں کے غیض و غضب کا شکار ہونا پڑا۔ اس سے زیادہ دردناک و دلگداز حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات فاطمی بحیرۂ روم کی مشرقی نصف اسلامی مملکتوں (اب ان علاقوں پر لبنان، شام اور اسرائیل کا قبضہ ہے۔ مترجم) کے خلاف اور جنگ میں صلیبیوں کی پوری قوت و طاقت کے ساتھ مدد و معاونت کرتے تھے۔ اس وقت مسلم دنیا کی کوئی مرکزی اتھارٹی نہیں تھی بلکہ درجنوں ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں (جن میں کچھ شہری ریاستوں میں لا حکومتی اور طوائف الملوکی تھی) جو باہم برسر پیکار رہتی تھیں۔ مغرب کے خلاف جدوجہد میں کُردوں اور ترکوں نے زیادہ سے زیادہ عربوں کی جگہ لے لی۔ دوسری صلیبی جنگ کے مسلمان ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی نے نہ صرف یورپ والوں کو شام، فلسطین سے مار بھگایا بلکہ مصر سے فاطمیوں کا بھی صفایا کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے جانشینوں نے اگرچہ خلافتِ بغداد کو تسلیم کیا مگر بغداد اپنی سیاسی قوت کی بحالی میں ناکام رہا جو کہ کافی تعداد میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ البتہ ان میں سے کچھ ریاستیں اسلامی سرحدوں کو وسعت دینے میں کامیاب و کامران رہیں۔

504 1921 عیسوی میں روس کے علاقے ''بلگر'' کے بادشاہ نے بغداد سے اسلامی مبلغ بلوایا۔ مبلغ سے ملاقات کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور غیر مسلم علاقوں کے عین درمیان اسلامی حکومت قائم کی۔ قفقاز (کاکیشیا) اور دوسرے ہمسایہ قریبی علاقے بھی رفتہ رفتہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

ہندوستان:

505 افغانی غزنویوں نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنا شروع کیا تو دوسرے سلسلہ ہائے سلاطین (جنھوں نے اپنے آپ کو ملک کے شمال تک محدود کر دیا تھا) نے ان کی پیروی کی۔ پھر خلجی آئے جو اپنی فتوحات کو

جنوب تک لے گئے۔ ایک حبشی کمانڈر نے عسکری مہم میں کیپ کمورن (ہندوستان کی انتہائی جنوبی ریاست تامل ناڈو کا علاقہ) تک پیش قدمی کی۔ تاہم بعدازاں جنوبی ہندوستان میں مسلم ریاستیں وجود میں آئیں۔ عظیم مغل (1526ء تا 1858ء) ہندوستان کی مسلم تاریخ میں خاص طور پر مشہور و معروف ہیں۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ تک اس وسیع برصغیر کے تمام تر علاقے پر حکومت کی اور وہ دنیا کے ''بڑوں'' میں شمار کیے جاتے تھے تاہم ان کی مرکزی طاقت و قوت صوبائی گورنروں کی وجہ سے اٹھارہویں صدی ہی سے کمزور ہونا شروع ہو گئی تھی اور بالآخر 1858ء میں برطانیہ نے انہیں باہر نکال کر ملک کے 3/5 حصہ پر قبضہ کر لیا باقی 2/5 حصہ ملکی ریاستوں نے باہم تقسیم کر لیا جن میں سے چند مسلمان تھیں۔ ان ملکی ریاستوں نے ہندی مسلم ثقافت کو قائم دائم رکھا۔ ان ریاستوں میں سے ایک ریاست حیدرآباد تھی جو ہندوستان کے مرکز میں واقع تھی اور 20 ملین آبادی ہونے کی وجہ سے اٹلی کے برابر تھی۔ ریاست حیدرآباد نے اسلامی تعلیمات کی اصلاحات پر خصوصی توجہ دینے کے باعث شہرت حاصل کی۔ اس کی مغربی انداز میں چلنے والی جدید یونیورسٹی میں درجنوں شعبے تھے جن میں اسلامی دینیات کا بھی شعبہ تھا۔ اس یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں اور ہر سطح پر عربی رسم الخط کی خصوصیات کی حامل مقامی زبان اردو میں تعلیم دی جاتی تھی۔ سکول کی سطح پر ہی انگریزی، ریاضی اور جدید تعلیم کے دوسرے کورسز کے ساتھ ساتھ عربی، فقہ اور حدیث کی تعلیم و تدریس لازمی تھی جبکہ یونیورسٹی کی سطح پر شعبہ دینیات کے سٹوڈنٹس نہ صرف اعلیٰ معیار کی انگریزی سیکھتے تھے بلکہ عربی کے ساتھ خالصتاً اسلامی تعلیمات سے متعلق مضامین بھی پڑھتے تھے۔ مزید یہ کہ تقابلی مطالعہ ایک رواج بن گیا تھا مثلاً فقہ کا جدید قانون کے ساتھ، کلام کا مغربی فلسفہ کی تاریخ کے ساتھ اور عربی زبان کا عبرانی یا جدید یورپی زبان فرانسیسی یا جرمنی کے ساتھ تقابلی مطالعہ پڑھایا جاتا تھا۔ تقابلی مطالعہ کے دوران سٹوڈنٹس دو اساتذہ سے رہبری و رہنمائی حاصل کرتے تھے جن میں ایک شعبہ دینیات کا پروفیسر جبکہ دوسرا شعبہ آرٹس و ادب یا قانون کا پروفیسر ہوتا تھا۔ اس سے ایک ہی موضوع پر اسلامی عقائد و حقائق اور جدید مغربی رجحانات کی بیک وقت مہارت کے حصول کی خاطر بہتر ذرائع فراہم کیے جاتے تھے۔ کئی سال تجربہ اور خوش کن نتائج کے حصول کے بعد کوئی بات نئی نہیں رہی تھی۔ جب برطانیہ نے ملک کو مسلم پاکستان اور غیر مسلم بھارت میں تقسیم کرنے کے بعد 1947ء میں برصغیر پاک و ہند کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا تو بھارت نے نہ صرف اپنی ملکی قریبی ریاستوں کو ضم کیا بلکہ ان کو دوسرے انتظامی اتحادوں میں مدغم کر دیا جس سے ایسی لسانی ''قومیتیں'' وجود میں آئیں کہ جنہیں انتشار کا خطرہ و اندیشہ لاحق تھا۔

506 آیئے اپنے اصل موضوع کی جانب لوٹتے ہیں۔ خلفائے بغداد مسلسل اس امر کا مشاہدہ کرتے رہے کہ ''صوبوں'' میں مستقل تبدیلیاں عمل میں آ رہی ہیں۔ گورنروں کو ہٹا دیا گیا ہے ایک صوبے کو دو یا دو سے زیدہ اکائیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جبکہ مختلف صوبوں کو ملا کر ان کا ایک ہی حکمران مقرر کر دیا گیا ہے تاہم ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوئے کہ جب اسلامی سرزمین پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا ہو۔ یہاں سلجوقی خصوصی حوالہ

کے مستحق ہیں۔ گیارہویں صدی میں اقتدار کے حصول کے بعد انہوں نے نہ صرف وسطی ایشیاء کو مغلوب و زیرنگیں کیا بلکہ ایشیائے کوچک (اناطولیہ) کی آخری حد تک اپنی فتوحات کو وسعت دی اور قونیہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ چند نسلوں تک عمدہ اور شاندار حکمرانی کرنے کے بعد انہوں نے اقتدار عثمانی ترکوں کے حوالے کیا جنہوں نے آبنائے باسفورس کو عبور کرتے ہوئے ویانا تک اسلامی سلطنت ومملکت کو وسیع کیا۔ وہ اپنا دارالخلافہ تبدیل کرتے رہے جن میں قسطنطنیہ (استنبول) اور انقرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی پسپائی اٹھارہویں صدی میں شروع ہوئی۔ وہ یورپی سرزمین کا علاقہ در علاقہ خالی کرتے گئے حتیٰ کہ 1919ء میں وہ اپنے زوال کی معراج تک پہنچ گئے اور پہلی جنگِ عظیم میں انہوں نے سب کچھ کھو دیا۔ عالمی منظرنامہ پر چند خوشگوار وخوش کن واقعات نے ترکی کو ایک بار پھر جمہوریہ کی شکل میں اُبھرنے کا موقع فراہم کیا جو کہ آغاز ہی سے سفاکانہ قوم پرست اور لادینی تھی تاہم فطرتاً جمہوری ہونے کی بناء پر ترکی حکومت نے اپنے عوام کے دینی جذبات کی بھرپور ترجمانی کی جو پُرخلوص اور بے لوث مسلمان تھے۔ سولہویں صدی میں عثمانی ترکوں نے یورپ میں آسٹریا تک، شمالی افریقہ میں الجیریا تک جبکہ ایشیا میں میسوپوٹیمیا (وادی دجلہ وفرات)، عرب اور اناطولیہ سے گزرتے ہوئے جارجیا سے یمن تک حکمرانی کی۔ ان کے کچھ سابقہ مسلم علاقے اب آزاد ریاستوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں جبکہ غیر مسلم اکثریتی علاقوں نے ترکی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

507 تیرہویں صدی میں کچھ تاتاریوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ہلاکو، ان کا لیڈر تھا۔ اس نے لاکھوں لوگوں کا قتلِ عام کیا اور 1258ء میں دارالخلافت بغداد کو تباہ و برباد کر دیا تاہم اس کی فوج کو ایک مصری مسلم جرنیل نے فلسطین میں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ ہلاکو نے صلیبی جنگجوؤں کے ساتھ جارحانہ اتحاد بنا کر ایک اور حملے کی کوشش کی مگر ناکام ونامراد رہا۔ تاہم اس سے مسلم سائنس کا زوال اور مغربی سائنس کا آغاز ہوا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسلم صوفیاء کی کوششوں کے باعث وحشی وغیر مہذب تاتاریوں نے جب اسلام قبول کیا تو انہوں نے نہ صرف اسلام کے ارفع مقاصد کی تکمیل کے لئے کام کیا بلکہ یورپ کے مختلف ممالک کی جانب نقل مکانی کر کے انہیں نو آبادی بنا لیا۔ فن لینڈ، پولینڈ اور روس وغیرہ کی مسلمان قومیتوں میں ان کے زندہ نشانات وباقیات موجود ہیں۔

اندلسی خلافت:

508 خلافتِ عباسیہ کے آغاز ہی میں سپین نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایک ہزار سال تک حکومت وحکمرانی کرنے کے بعد 1492ء میں اس مسلم ریاست کے اقتدار کا سورج عیسائیوں کے ہاتھوں غروب ہو گیا (ملاحظہ: پیراگراف 500) سپین کے لئے مسلمانوں کا یہ دور مادی ترقی اور خوشحالی کا دور تھا۔ مسلم یونیورسٹیوں نے مسلسل ومتواتر یورپ کے تمام حصوں سے غیر مسلم اسٹوڈنٹس کو اپنی جانب مائل کیا۔

مسلم عمارتی فنِ تعمیر کی باقیات اس امر کی عکاس ہیں کہ مسلمانوں نے اس میدان میں حیران کن ترقی کی۔ اپنے سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کو خونریز ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا تاکہ وہ اپنا مذہب اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرلیں۔ مسلمانوں کے نادر و نایاب کتب خانوں کو ایک ہی وقت میں جلاکر خاکستر کر دیا گیا حالانکہ ان لائبریوں میں لاکھوں مخطوطات تھے کیونکہ پرنٹنگ پریس ابھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کا یہ ایسا نقصان ہوا کہ جس کا ازالہ وتلافی کبھی بھی نہیں ہوسکے گی۔

مشرقی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا:

(509) چین کا بیشتر علاقہ تاحال مسلمانوں کے سیاسی غلبہ اور حکومت وحکمرانی سے آگاہ وآشنا نہیں۔ وسطی ایشیاء سے پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمان جب مشرقی ترکستان (موجودہ سنکیانگ) کے صوبہ میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور غالباً وہ سمندر کے راستے سفر کرتے ہوئے جنوبی صوبہ Yun-Nan میں داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ کچھ عارضی ریاستیں بھی وجود میں آئیں لیکن سب سے بڑھ کر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مبلغین کی امن پسندانہ تبلیغ اور حسنِ عمل نے چین اور تبت کے کروڑوں افراد کو اسلام قبول کرنے پر راغب اور آمادہ کیا۔ پھر بھی لمحۂ موجود تک چینیوں کی اکثریت توحید پرستانہ مذہب اسلام سے مستفید ومستفیض نہیں ہوسکی۔

(510) جنوب مشرقی ایشیاء کی کہانی یکسر مختلف ہے۔ گزشتہ صدیوں کے دوران جنوبی عرب کے ساتھ ساتھ جنوبی ہندوستان کے مسلمان تاجروں اور سوداگروں نے براعظم کے اس حصے کا سفر کیا اور اپنے دین وعقیدہ کی بے لوث وبے غرض تشہیر وتبلیغ کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف جزیرہ نما مالے بلکہ اس علاقہ کے دوسرے ہزاروں جزیروں کے باسیوں نے برضا ورغبت اسلام کو مکمل طور پر قبول ومنظور کرلیا۔ فلپائن کے جنوبی جزائر کی طرح انڈونیشیا میں بھی اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ کثیر تعداد ریاستوں میں منتشر ہونے کے باعث یہ علاقہ رفتہ رفتہ انگلینڈ اور ہالینڈ کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ کئی صدیوں کی غیر ملکی حکمرانی اور قبضہ کے بعد انڈونیشیا کے کروڑوں مسلمانوں نے آزادی کی نعمت حاصل کرلی ہے اور یہی صورتِ حال جزیرہ نما مالے کی بھی ہے۔

افریقہ:

(511) مصر سے لے کر مراکش تک شمالی افریقہ بہت پہلے سے اسلامی علاقوں کی صف میں رہا ہے۔ اس براعظم کے باقی ماندہ علاقوں میں ہر علاقے کی ترقی کی اپنی کہانی ہے۔ عرب سے قربت وقرابت کے باعث مشرقی افریقہ قدرتی طور پر اسلام سے متاثر تھا۔ نہ صرف اس کے وسیع علاقے مستحکم طور پر مشرف بہ اسلام ہیں بلکہ قابلِ ذکر اہمیت کی حامل مسلمان ریاستیں بھی معرضِ وجود میں آچکی ہیں۔

512 مغربی افریقہ والوں نے اگرچہ دین اسلام کو بعد میں سمجھنا شروع کیا لیکن وہاں پر چند مسلمان حکمرانوں کی ملکی ثقافت سے ہم آہنگ پُرزور کاوشیں رنگ لائیں اور کثیر تعداد میں وہاں کے باشندے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مغربی افریقہ میں صدیوں تک اصلی و حقیقی مسلمان حکومتیں قائم رہیں۔ عرب مؤرخین کے مطابق اس علاقے کی یہ مہم جو، بحرنورد آبادی تھی جس نے سب سے پہلے امریکہ کی جانب راستہ دریافت کیا۔ اس حوالے سے برازیل کو امتیازی و خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ کرسٹوفر کولمبس اور اس کے جانشینوں نے وہاں نیگرو (سیاہ فام) باشندوں کو دیکھا۔ تاریخی دستاویزات کی تباہی کے باوجود اس حقیقت پر یقین کرنے کی ہر حوالے سے ہر وجہ موجود ہے کہ سیاہ فام افریقہ کے مسلمانوں اور بربروں نے امریکہ کو نوآبادی بنانے میں حصہ لیا۔ مسلم مغربی افریقہ کا امریکہ کے ساتھ رابطہ بواسطہ مسلم سپین کے زوال اور امریکہ کی جانب یورپی بحری سفر و اسفار کے آغاز تک رہا۔ فرانس، برطانیہ، جرمنی، اٹلی، سپین، پرتگال اور بلجیم جیسی یورپی طاقتوں کا افریقہ بھی شکار رہا۔ اس براعظم میں وسیع علاقے ایسے ہیں جو اسلامی حکومت سے کبھی بھی آگاہ و آشنا نہیں ہوئے لیکن پھر بھی اسلام پوری شدت کے ساتھ وہاں پھیل رہا ہے حالانکہ وہاں کڑی نگرانی کے ساتھ ساتھ پیچھے بیٹھ کر تار ہلانے والے مغربی آقاؤں کی جانب سے رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں۔ نو آبادیات کے خاتمہ کے نتیجہ میں مسلم اکثریت کے حامل بیشتر ممالک آزاد ہو چکے ہیں تاہم ان میں سے کچھ غیر مسلم آمریت کے ظلم و ستم اور ایذا و سزا کا شکار ہیں جبکہ دوسرے علاقے لمحہ لمحہ فزوں تر خودمختاری کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ہمعصر دنیا:

513 انڈونیشیا سے مراکش تک تیس سے زائد مسلم ریاستیں ایسی ہیں جو پہلے ہی اقوام متحدہ کی رکن ہیں۔ اگر یورپ میں البانیہ ہے تو روس کے اندر دوسری مسلم جمہوریتیں ہیں جو اسلامی مذہبی معاملات میں بتدریج خود مختاری میں اضافہ کرتی جا رہی ہیں۔ برطانیہ کی جانب سے دولت مشترکہ کا قیام اس امر کا اظہار ہے کہ غیر مسلم ریاستوں کی اجتماعیت ان کے مسلم ساتھیوں کی حقیقی آزادی میں رکاوٹ نہیں ہے بشرطیکہ برسرِ اقتدار افراد ذہانت اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں اور قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ اگر سپین، فرانس، روس، ہندوستان، چین اور دوسرے ممالک اپنے ماتحت مسلم علاقوں کو اصلی و حقیقی خودمختار ریاستوں میں بدلنے کی تعلیم دیتے ہیں تو آزادی کی جدوجہد اپنا اصل مقصد کھو دے گی اور ہر شخص اس قابل ہوگا کہ وہ عالمگیر خیرخواہی کے احساس کے ساتھ اتحاد و اتفاق اور اعانت و معاونت کی زندگی گزارے۔

514 امریکہ کے ریڈ انڈین (Red Indians) کے علاوہ اسلام اب دنیا کی تمام بڑی نسلوں میں نمائندگی کرتا ہے۔ عربی بولنے والے اپنی اہمیت کی بنیاد بالخصوص اس حقیقت پر استوار کرتے ہیں کہ ان کی زبان اسلام کی حقیقی و بنیادی تعلیمات اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن اور حدیث کی محافظ اور ذخیرہ خانہ ہے۔ انڈو پاکستانی اور مالے انڈونیشیائی دو بڑے کثیر التعداد دینی گروپ ہیں۔ سیاہ فام نسل کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں

نے اپنی قوت وطاقت کو آج تک محفوظ رکھا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی (Arnold Toynbee) جیسے متبحر سکالر اس بات کو سوچنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ اسلامی تہذیب کے اگلے مرحلہ پر اس کے رہبر در ہنما سیاہ فام (نیگرو) ہوں گے۔ دراصل اسلام کے اس نسل میں لاتعداد ان گنت پیروکار پیدا ہو رہے ہیں اور یہ کہ نو مسلموں کا جوش وجذبہ قابل ذکر اور لائق تحسین ہیں۔

515 دنیا میں مسلمانوں کی صحیح تعداد کا تعین بمشکل ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ پیدائش و اموات کا عمل جاری رہتا ہے اور یہ کہ ذاتی وجوہات کی بناء پر نو مسلموں کی کچھ تعداد اپنے آپ کو واضح طور پر ظاہر نہیں کرتی لیکن دستیاب شواہد کی بنیاد پر یہ حقیقت کسی شک وشائبہ سے بالاتر ہے کہ آدم وحوا کی اولاد میں سے 1/4 اور 1/5 کی درمیانی نسبت میں افراد روزانہ اپنے چہرے کعبہ کی جانب موڑ کر با آواز بلند اعلان کرتے ہیں کہ اللہ اکبر...... یعنی اللہ سب سے بڑا (عظیم) ہے۔

❀......❀

باب 15

مسلمان کی روزمرہ زندگی

پیدائش:

516 اگر مذہب کسی خاص نسل یا کسی خاص ملک کے لئے محدود و مخصوص نہیں اور پوری انسانیت کے لئے ہے تو پھر انسان کی پیدائش کی دو اقسام ہوسکتی ہیں۔ 1 رضا کارانہ (اختیاری) 2 غیر رضا کارانہ (غیر اختیاری)

517 پہلی قسم رضا کارانہ (اختیاری) پیدائش سے مراد کسی بالغ انسان کا بدرستی ہوش و حواس خمسہ اپنے آزادانہ اختیار و انتخاب کے ساتھ اپنی مرضی ومنشاء کا دین و مذہب اپنانا ہے جیسا کہ معلّم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زبان سے اعلان و اقرار اور دل سے تصدیق و توثیق'' سب سے پہلے ایک شخص غسل کرتا ہے اور ترجیحاً پانی کی پھوار سے کرتا ہے تاکہ علامتی طور پر جہالت اور کفر کی گرد کو دھو ڈالے۔ بعدازاں وہ دو گواہوں کی موجودگی میں یہ اعلان و اقرار کرتا ہے کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' (اشهدُ ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمد رسول اللّٰه)

518 داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے ہر نَومسلم سے پوچھا کرتے تھے کہ اس کا نام کیا ہے؟ اگر اس نام کی کوئی غیر اسلامی شناخت و پہچان ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو بدل دیتے تھے اور متعلقہ نَومسلم کو نیا، آسان اور بہتر مفہوم و مطلب والا نام دیتے تھے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے نام کا مطلب ''کعبہ کا پجاری'' یا ''سورج کا پجاری'' یا ''عیاش و اوباش'' یا ''غلطی و گمراہی پر قائم رہنے والا'' وغیرہ ہوتا تھا تو معلّم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کا مفہوم و مطلب رکھنے والے ناموں کو برداشت اور نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ آج کل نَومسلم عام طور پر اپنا نام عربی میں رکھتے ہیں۔ یہ وہ زبان ہے جو رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہما یعنی مومنین کی ماؤں کی زبان بھی تھی۔ یوں عربی ہر مسلمان کی مادری زبان ہے۔

519 روحانی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کا یہ سماجی و معاشرتی فریضہ ہے کہ وہ عربی زبان سیکھے۔ زیادہ نہیں تو کم ازکم اس کے حروفِ تہجی ضرور سیکھے تاکہ وہ قرآن الحکیم کو صحیح طور پر پڑھ سکے۔ ہر دور میں نَو

مسلموں نے اسے بہت زیادہ اہمیت وفوقیت دی یہاں تک کہ انہوں نے اپنی علاقائی زبانوں میں عربی رسم الخط کو اختیار کر لیا۔ یہ صورتِ حال فارسی، ترکی، اردو، مالی، پشتو، سپینی، گردی، افریقی وغیرہ زبانوں کے ساتھ پیش آئی۔ مشرف بہ اسلام ہونے والے ہر نومسلم سے یہ پُر زور سفارش کی جاتی ہے کہ وہ سماجی و معاشرتی فریضہ کے طور پر عربی رسم الخط میں مہارت حاصل کرے اور کم از کم مسلمانوں کے مابین مقامی زبانوں میں باہمی خط وکتابت میں اسے ضرور استعمال کرے۔ درحقیقت جب عربی رسم الخط کو اس کی تمام ترصوتی علامتوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے تو یہ اپنی خوب صورتی، درستی اور ہمہ قسم کے ابہام کی غیر موجودگی کے نقطہ نظر سے دنیا کے تمام رسم الخط کے مقابلے میں انتہائی اعلیٰ وارفع اور بہتر و برتر حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔ اس کی عظیم جمالیاتی خوبی کے ساتھ ساتھ مالیاتی بچت و کفایت کے حوالے سے بھی قدر و قیمت ہے کیونکہ یہ مختصر نویسی کی ایک قسم ہی ہے۔

520 جب غیر عربی مسلمانوں نے اپنی زبانوں میں عربی رسم الخط استعمال کیا تو انہیں حروفِ تہجی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حروفِ علت کی صوتی علامات کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ مختلف ممالک اور مختلف ادوار میں غیر یکساں وغیر ہم آہنگ اضافے کیے گئے کیونکہ مسلم دنیا میں ایسی کوئی مرکزی تعلیمی ونصابی نظامت نہیں تھی جو یکساں وہم آہنگ اضافے وضع کر کے انہیں لاگو کر سکتی۔ درحقیقت یہ لمحۂ موجود کی شدید ضرورت اور وقت کا اہم تقاضا ہے کہ مسلم ممالک کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط استعمال کرنے والے غیر مسلم ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے تا کہ غیر عربی زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھنے کے لئے یکساں نظام وضع کیا جا سکے۔ یوں مختلف زبانیں استعمال کرنے والے ایک جیسی غیر عربی آوازوں کے اظہار کے لئے مختلف علامات واشارات استعمال نہیں کریں گے جیسا کہ بدقسمتی سے آج کل ایسا ہو رہا ہے۔ عربی حروفِ تہجی میں قدیم ترین اضافے شاید ایرانیوں اور ترکوں نے کیے جبکہ صوتی علامات کے قدیم ترین اضافے سپین والوں نے کیے۔ دورِ جدید میں بھی عربوں نے اس قسم کے اضافوں کی ضرورت کو محسوس کیا ہے تا کہ غیر ملکی زبانوں کے اسمائے معرفہ کے تلفظ کو صحیح طور پر ادا کیا جا سکے اور کچھ حد تک غیر ملکی علاقائی زبانوں کی خصوصیات کو بھی سمجھا جا سکے۔ ہمارے علم کے مطابق اس حوالے سے سب سے بہتر اور درست وصحیح نظام اور طریقہ کار عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن نے وضع اور اختیار کیا ہے اور اسے بڑی ضخیم کتب میں استعمال کیا ہے جیسا کہ Ernest Nys کے مجموعہ Originies du droit des gens کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے بارہ قدیم یا جدید یورپی زبانوں کے رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ رسم الخط کے اس سسٹم کے ذریعے عربی حروفِ تہجی کو ڈھالنے کی تفصیلات اسلامک کلچر حیدر آباد میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

521 دوسری قسم غیر رضا کارانہ (غیر اختیاری) پیدائش کی ہے یعنی جب ایک بچہ ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ جب دایہ (قابلہ) اپنا کام مکمل کر لیتی ہے تو اس کے فوراً بعد ہی کوئی بھی مسلمان اس نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان دیتا ہے جبکہ اس کے بائیں کان میں اقامہ پکارتا ہے تا کہ نومولود بچہ سب سے پہلی آواز جو سنے وہ ایمان کی گواہی اور اپنے خالق کی عبادت و پرستش کی جانب بلاوا اور دعوت کی ہو اور اس کی فلاح

ہو۔اذان یا نماز کی جانب بلاوا اور دعوت ان کلمات پر مشتمل ہوتی ہے۔

اللہ اکبر (چار مرتبہ) اللہ سب سے بڑا ہے۔اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو مرتبہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ (دو مرتبہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ) آؤ نماز کی طرف۔حی علی الفلاح (دو مرتبہ) آؤ نجات و کامیابی کی طرف۔اللہ اکبر (دو مرتبہ) اللہ سب سے بڑا ہے۔لا الہ الا اللہ (ایک مرتبہ) نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ جہاں تک اقامہ یا نماز کے قیام کے اعلان کا تعلق ہے وہ ان کلمات پر مشتمل ہوتا ہے۔

اللہ اکبر (چار بار) اللہ سب سے بڑا ہے۔اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔اشھد ان محمد رسول اللہ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔حی علی الصلوٰۃ (دو بار) آؤ نماز کی جانب۔حی علی الفلاح (دو بار) آؤ کامیابی و نجات کی جانب۔قد قامت الصلوٰۃ (دو بار) تحقیق کھڑی ہوگئی نماز۔اللہ اکبر (دو بار) اللہ سب سے بڑا ہے۔لا الہ الا اللہ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابتدائی زندگی:

522 جب نومولود بچے کے سر کے بال پہلی بار کاٹے جاتے ہیں تو ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا رائج الوقت کرنسی میں اس کی متبادل رقم غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے۔اگر کوئی حیثیت و استطاعت رکھتا ہے تو بکرا بکری یا بھیڑ ذبح کر کے اقرباء و غرباء کی تواضع کرتا ہے۔اسے عقیقہ کہتے ہیں۔

523 اگرچہ اس میں عمر کی کوئی حد یا قید نہیں تاہم کم سنی ہی میں لڑکے کا ختنہ کیا جاتا ہے۔نومسلم بالغ مردوں پر یہ لازم نہیں۔

524 جب بچہ قدرے چار سال بعد اپنی تعلیم کے آغاز کی عمر کو پہنچتا ہے تو خاندانی دعوت و ضیافت کا اہتمام و انتظام کیا جاتا ہے تاکہ بچہ اپنا پہلا سبق پڑھے۔ایک اچھے اور نیک شگون کے طور پر کوئی بڑا فرد اس بچے کے سامنے قرآن الحکیم کی سورۃ 96 (العلق) کی پہلی پانچ وہ آیات تلاوت کرتا ہے جو داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کی صورت میں اُتری تھیں۔ان آیات کا تعلق پڑھنے اور لکھنے سے ہے۔ بڑا فرد ان آیات کو تلاوت کرتا جاتا ہے اور بچہ انہیں لفظ بہ لفظ دہراتا جاتا ہے۔وہ آیات یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞

(سورۃ العلق، آیات: 1 تا 5)

ترجمہ ”اللہ کے نام سے جو از حد مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا۔ انسان کو جمے ہوئے خون (خونِ بستہ) سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سکھایا، انسان کو (وہ) سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔“

525 جب بچہ نماز پڑھنے کے قابل ہوتا ہے تو اسے سکھایا جاتا ہے کہ نماز کیسے ادا کی جاتی ہے۔ وہ درجہ بہ درجہ ان کلمات و آیات کو یاد کرتا ہے جو نماز میں استعمال ہوتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ لازمی طور پر اپنے بچے پر سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کی پابندی لگائیں تاکہ وہ نماز کا عادی ہو سکے۔

526 جب بچہ سن بلوغت کو پہنچتا ہے تو نماز کے ساتھ ساتھ روزہ بھی اس پر فرض ہو جاتا ہے تاہم مسلمان گھرانوں میں بچہ اس کا بہت پہلے ہی عادی ہو چکا ہوتا ہے۔ جب بچہ ماہِ رمضان میں پہلا روزہ رکھتا ہے تو یہ درحقیقت خوشی و مسرت اور راحت و فرحت کا موقع ہوتا ہے۔ عام طور پر بارہ سال کی عمر میں بچہ ابتدائی طور پر صرف ایک دن کا روزہ رکھتا ہے جسے وہ آنے والے سالوں میں بتدریج بڑھاتا ہے حتیٰ کہ تمام ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کا اثر برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ بڑا ہو جاتا ہے۔

527 حج مسلمان کی عمر ناپائیدار و حیاتِ مستعار میں صرف ایک بار فرض ہے بشرطیکہ وہ اس کے وسائل کا حامل ہو۔ حج بارہویں قمری مہینہ ذوالحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا کیا جاتا ہے جب لوگ مکہ منورہ میں مجتمع ہوتے ہیں اور شہر کے مضافات یعنی عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں مختلف جگہوں پر قدرے ایک ہفتہ گزارتے ہیں۔ سرکاری گائیڈ اور رہنما ہر فرد کی حج کی ادائیگی میں مکمل رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ سال کے کسی اور اوقات میں کعبہ کا طواف عمرہ کہلاتا ہے۔

527 (الف) حج کی ادائیگی کے لئے مردوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنا عمومی لباس ترک کر کے مذہبی یونیفارم 'احرام' زیب تن کر لیتے ہیں۔ احرام کپڑے کی دو غیر سلائی شدہ چادروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک چادر جسم کے نچلے حصے کو ڈھانپنے کے لئے ہوتی ہے جبکہ دوسری چادر شانوں (کندھوں) پر ڈالی جاتی ہے تاہم سر کو ننگا رکھا جاتا ہے۔ (عورتیں اپنا عمومی لباس پہنتی ہیں جو باوقار اور پردہ دار ہونا چاہیے اور ان کے بازوؤں، ٹانگوں اور ایڑیوں کو ڈھانپ کر رکھے) غیر ملکیوں کو حرم یا مکہ مکرمہ کی شہری حدود سے باہر ہی لازمی طور پر احرام باندھ لینا چاہیے لیکن مکہ معظمہ کے رہائشی شہر کے اندر ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ پھر 'عرفات' جانا ہوتا ہے جہاں 9 ذوالحجہ کا تمام دن اللہ کی عبادت و ریاضت میں گزارا جاتا ہے۔ رات 'مزدلفہ'' میں گزرتی ہے۔ ماہ ذوالحجہ کی 11،10 اور 12 تواریخ منیٰ میں گزاری جاتی ہیں۔ اس دوران روزانہ شیطان کو علامتی طور پر پتھر کی کنکریاں ماری جاتی ہیں اور کوئی بھی فرد مکہ مکرمہ کا مختصر دورہ بھی کر سکتا ہے تاکہ وہ طواف کعبہ اور سعی کر سکے۔ سعی سے مراد کعبہ کی قریبی پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان سات بار آر پار آنا جانا ہے۔ احرام باندھنے اور اُتارنے کے درمیانی عرصہ میں حاجی

مستقل ومتواتر تلبیہ کا ذکر کرتا ہے اور خاص طور پر ہر نماز کے اختتام پر بھی کرتا ہے۔ تلبیہ کے کلمات یہ ہیں۔

لَبَّیْکَ ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ، لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ ، لَا شَرِیْکَ لَکَ

ترجمہ "میں حاضر ہوں (تیرے بلاوے پر) اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں (تیرے بلاوے پر)۔ بے شک (تمام) حمد، (تمام) عزت ووقعت اور (تمام) حاکمیت تجھے ہی سزاوار ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔

527 (ب) عمرہ کے دوران 'عرفات'، 'مزدلفہ' اور 'منیٰ' میں وقت نہیں گزارا جاتا بلکہ صرف طوافِ کعبہ اور سعی صفا و مروہ کی جاتی ہے۔ اس مذہبی رسم میں احرام باندھتے وقت مکہ مکرمہ کے رہائشیوں کو بھی شہر سے باہر جانا چاہیے اور پھر طواف اور سعی کرنا چاہیے۔ جس کے بعد مرد حضرات سر کے بال ترشواتے ہیں۔

528 زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے جو مختلف اقسام کی بچتوں، ذخیرہ اندوزی، نفع بخش اموال و جائیداد مثلاً زراعت، کامرس، معدنی وسائل، پبلک سبزہ زاروں میں چرنے والی بھیڑوں، بکریوں، اونٹوں اور گائے کے ریوڑوں کے ساتھ ساتھ محفوظ شدہ رقم پر لگایا جاتا ہے۔ محفوظ شدہ رقم پر ٹیکس (زکوٰۃ) کو نہ صرف غیر مسلم ممالک بلکہ مسلم ممالک میں بھی ہر مسلمان انفرادی طور پر ضرورت مندوں کی پرائیویٹ مدد واعانت کی شکل میں ادا کرتا ہے جبکہ دوسری قسم کے ٹیکس حکومتوں کی جانب سے عاید کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص 20 ہزار روپے محفوظ رکھتا ہے اور اس پر ایک مکمل سال گزر جاتا ہے تو وہ اس پر 2½% ٹیکس یعنی 500 روپے ادا کرے گا۔ اگر وہ مقروض ہے تو اس کے قرض کی رقم اس کے محفوظ کردہ سرمایہ سے منہا کرنے کے بعد قابلِ ادائیگی ٹیکس رقم کا تعین کیا جائے گا۔ زکوٰۃ کی تقسیم یا تو زکوٰۃ ادا کرنے والا براہ راست خود کرتا ہے یا کسی ایسے ادارے کے ذریعے کی جاتی ہے جو اس مقصد کے لئے متعلقہ علاقے میں موجود ہوتا ہے۔ زکوٰۃ نام کا ٹیکس کن افراد میں تقسیم کے لئے لاگو کیا جاتا ہے اور اس کی وصولی کا کیا مقصد ومحور ہوتا ہے اس ضمن میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ، آیت:60)

ترجمہ زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو (دی جائے) یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

کوئی بھی شخص اپنی سالانہ تمام زکوٰۃ ان مستحقین میں سے کسی ایک پر خرچ کرسکتا ہے یا ایک سے زیادہ مستحقین میں تقسیم کرسکتا ہے۔

﴿529﴾ ایک اور ٹیکس دو سالانہ مذہبی تہواروں کے موقع پر قابلِ ادائیگی ہوتا ہے۔ روزہ والے مہینہ رمضان المبارک کے آخر میں کسی غریب شخص کو اس قدر رقم دی جاتی ہے جو کسی بالغ فرد کے پورے دن کی خوراک کے لئے کافی ہو۔ دوسرا مذہبی تہوار اس وقت آتا ہے جب مکہ مکرمہ میں حج بیت اللہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر صاحبانِ استطاعت بکرا، بکری، بھیڑ وغیرہ کی قربانی دیتے ہیں۔ قربانی کے گوشت کے حصے کیے جاتے ہیں۔ کچھ اہلِ خانہ اور خاندان والے استعمال میں لاتے ہیں اور کچھ غرباء وغیرہ میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔

﴿530﴾ جہاں تک مالی و مالیاتی معاملات کا تعلق ہے یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ کسی مسلمان کو یہ قطعی اجازت نہیں ہے کہ وہ قرض کے حوالے سے سودی لین دین یا جوا، لاٹری اور اسی قسم کی سٹے بازی والی اسکیموں میں حصہ لے۔ کوئی بھی فرد رضا کارانہ طور پر سود ادا نہیں کرتا۔ عام افراد کو دیئے گئے قرض پر سود کے مطالبہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بچتوں پر بینکوں کا سودی نظام پیچیدہ ہے اور اس کا انحصار ہر بینک کے اپنے طریق کار پر ہے۔ اگر کوئی بینک ناموزوں و نامناسب شرح سود پر اُدھار دیتا یا رقم رکھتا ہے تو اس کا یہ لین دین بھی غیر قانونی اور ناجائز ہے تاہم کچھ ممالک میں چونکہ جائز لین دین والے بینک موجود نہیں ہیں اور وہاں اگر کوئی فرد سود لینے سے انکار کردیتا ہے تو متعلقہ بینک اس رقم کو ایسے اداروں کے حوالے کردیتا ہے جو اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ہیں مثلاً ایسے مشنری ادارے جو مسلمانوں کا ارتداد چاہتے ہیں چنانچہ ایسے بینک میں رقم جمع کرانے والے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی محفوظ شدہ رقم پر بینک سے سود وصول کرلے تاہم اسے اپنی ذات یا خاندان پر استعمال کرنے کے بجائے خیراتی وفلاحی مقاصد کے لئے دے دے۔ عظیم فقیہ حضرت امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی رقم کو خیرات میں دے کر اس سے لازمی طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔"

﴿531﴾ حکومتی ایجنسیوں اور امداد باہمی کی سوسائٹیوں کے ذریعے انشورنس ایک قانونی فعل ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت چلنے والی کمپنیوں کے ذریعے غیر قانونی ہے۔

شادی:

﴿532﴾ ایک مسلمان مرد نہ صرف مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے بلکہ ایک یہودی یا عیسائی عورت سے بھی شادی کرسکتا ہے تاہم وہ کسی بت پرست، کافر یا مشرک خاتون سے شادی نہیں کرسکتا۔ قرآن الحکیم کے مطابق:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(سورۃ المائدہ، آیت: 5 درمیانی حصہ)

ترجمہ ''اور تمہارے لئے پاک دامن مسلمان عورتیں حلال ہیں اور اُن میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔''

تاہم کسی مسلمان عورت کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ (ہر مذہب اور ہر فرقہ کے) کسی غیر مسلم مرد سے نکاح و شادی کر سکے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 221)

ترجمہ ''اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار لونڈی بہتر ہے اگر وہ تمہیں بھلی معلوم ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ مومن غلام، مشرک سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور (اللہ) لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

﴿533﴾ اگر کوئی شادی شدہ غیر مسلم مرد مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے لیکن اس کی یہودی یا عیسائی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہونا نہیں چاہتی تو ان دونوں کی شادی قائم اور برقرار رہے گی تاہم اگر بیوی بت پرست، کافر یا مشرک ہے اور اپنے کفر و شرک پر مصر اور بضد ہے تو ازدواجی تعلقات فوری طور پر ختم ہو جائیں گے۔ بیوی کو سوچ بچار کے لئے موزوں و مناسب وقت دیا جائے گا اور اگر پھر بھی وہ اپنے مذہب پر قائم رہے تو آخری اقدام کے طور پر اسے طلاق دے دی جائے گی۔

﴿534﴾ اگر کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت مشرف بہ اسلام ہوتی ہے جبکہ اس کا شوہر مسلمان نہیں ہوتا تو پھر بھی دونوں کی شادی شدہ زندگی فوری طور پر ختم ہو جائے گی اور سوچ بچار کے لئے شوہر کو ایک معقول وقت دینے کے بعد بیوی عدالت سے علیحدگی کا تقاضا کرے گی۔

موت:

﴿535﴾ ایک مسلمان بسترِ مرگ پر حیاتِ مستعار کے آخری لمحات میں خدا کی حقانیت و وحدانیت اور رسول

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا اعلان کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی کاوش کرتا ہے۔ اس کی موت کے اوقات میں اس کے ارد گرد جمع افراد بھی اس کلمۂ توحید و رسالت کو بار بار دہرا کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ جب جسم بے روح ہو جاتا ہے تو کوئی ایک فرد مرنے کے دونوں ہاتھ اس طرح جوڑتا ہے جیسے وہ نماز کی حالت میں ہو یا تو اس کے ہاتھ سینے پر یوں رکھ دیئے جاتے ہیں جیسے وہ حالتِ قیام میں ہو یا اس کے ہاتھ دونوں جانب سیدھے پھیلا دیئے جاتے ہیں جیسے وہ رکوع سے اُٹھنے کی حالت میں ہو۔

536 اگر ممکن ہو تو مُردہ شخص کے جسم کو غسل دے کر صاف کیا جاتا ہے۔ اس کا اس وقت کا پہنا ہوا لباس اُتار کر اسے سادہ کپڑے کی تین چادروں میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ غسل کے وقت صابن یا اسی قسم کے کسی اور میٹریل ملے پانی کو مُردہ کے جسم پر انڈیلا جاتا ہے۔ پھر صاف پانی ڈال کر صابن وغیرہ کو دھو دیا جاتا ہے۔ تیسری بار مُردے کے تمام جسم پر کافور ملا پانی ڈالا جاتا ہے۔ جب مُردے کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو پھر تیمّم ہی کافی ہوتا ہے (تیمّم کے لئے اسی کتاب کا پیراگراف 552 ملاحظہ کیجیے) مُردہ جسم کو سادہ کپڑوں کی چادروں سے ڈھانپنے کے بعد مُردے کی نمازِ جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ (طریقہ کار کے لئے پیراگراف 569 ملاحظہ فرمائیے) نمازِ جنازہ اس مُردے کی غیر موجودگی میں بھی ادا کی جاسکتی ہے کہ جس کی تدفین دنیا کے کسی اور مقام پر ہوئی ہو۔ قبر مکہ مکرمہ کی متوازی سمت کھودی جاتی ہے اور یہی اب تک طریقِ کار ہے۔ مُردے کا سر قدرے دائیں جانب موڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس کا چہرہ کعبہ کی جانب ہو۔ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مُردے کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے ایمان و اعتقاد بارے سوالات کرتے ہیں۔ چنانچہ تدفین کے بعد کوئی شخص ایسے کلمات ادا کرتا ہے جو مُردے کو تلقین کر رہے ہوتے ہیں کہ اُس نے کیا جوابات دینا ہیں۔ ان کلمات میں کہا جاتا ہے کہ ''اے مرد...... یا عورت...... اللہ کے بندے یا بندی! دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے عہد و قول کو یاد کرتے ہوئے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہیں اور یہ یقین و ایمان کہ جنت ایک حقیقت ہے دوزخ ایک حقیقت ہے۔ قبر میں سوال و جواب ایک حقیقت ہے۔ آخرت کا دن ضرور آئے گا اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ کہ رب تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ کہ تُو نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک تسلیم کیا ہے۔ اسلام تیرا مذہب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے پیغمبر ہیں قرآن تیرا راہبر و رہنما ہے۔ کعبہ تیری سمت ہے کہ جس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اور یہ کہ تمام مومنین و مسلمان تیرے بھائی ہیں۔ خدا تجھے اس آزمائش میں ثابت قدم رکھے۔'' کیونکہ قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

(سورۃ ابراہیم، آیت: 27)

ترجمہ ''اللہ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں سچی بات پر ثابت قدم رکھتا

ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

مزید یہ کہ:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿٣٠﴾

(سورۃ الفجر، آیات: 27 تا 30)

ترجمہ ''(ارشاد ہوگا) اے اطمینان والی روح! اپنے رب کی طرف لوٹ چل، تُو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو۔''

537 قبروں پر بے اندازہ اور اندھا دھند خرچ کرنا منع ہے۔ جس حد تک ممکن ہو قبروں کو سادہ ہونا چاہیے بلکہ اس کی بجائے یہ رقم غریبوں اور ضرورت و حاجت مندوں اور مستحقین پر خرچ کی جانی چاہیے اور رب رحمٰن و رحیم سے دعا و التجا کرنی چاہیے کہ وہ یہ خیرات مُردے کی معافی و تلافی کی خاطر قبول و منظور فرمائے۔

عمومی عادات واطوار:

538 روزانہ کی نمازوں اور سالانہ روزوں کے علاوہ مسلمان کو چند عادات واطوار اپنانے کی سفارش کی جاتی ہے۔ اہم ترین عادت قرآن پاک کی مسلسل ومتواتر تلاوت کرنا، ترجمہ وتفسیر پڑھنا اور اس کے متن ومواد پر غور وفکر کرنا تاکہ اس کی تمام باتوں کو انسان اپنی زندگی کے اندر سمو سکے۔ اس سے بڑی اور کیا نعمت ہوسکتی ہے کہ انسان احکامِ الٰہی سے مدد لے۔

539 ہر مسلمان کسی بھی کام کا آغاز کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے اور کام کے اختتام پر الحمد للہ کہتا ہے۔ جب کسی کام کے کرنے کا (مستقبل میں) ارادہ یا وعدہ کیا جاتا ہے تو فوری طور پر ان شاء اللہ کہا جاتا ہے۔

540 جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ایک السلام علیکم کہتا ہے جبکہ دوسرا اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہتا ہے۔ یہ گڈ مارننگ (Good Morning)، گڈ ایوننگ (Good Evening) وغیرہ سے زیادہ بہتر اور جامع طریقہ وسلیقہ ہے۔ گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ وغیرہ ایام جہالت کی باقیات ہیں۔

541 ایک مسلمان کو یہ عادت ڈالنی چاہیے کہ وہ سوتے وقت اور جاگتے وقت رب تعالیٰ کی حمد وثناء کرے۔ اس ضمن میں سبحان اللہ کہنا سب سے آسان کلمہ ہے۔ مزید یہ کہ وہ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے مثلاً اللھم صلی علیٰ محمد وبارک وسلم۔

542 داعیِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں سمت کو ترجیح دی۔ جب جوتا پہنا جائے تو دائیں پاؤں میں پہلے اور بائیں پاؤں میں بعد میں پہنا جائے لیکن جوتا اُتارتے وقت پہلے بایاں اور پھر دایاں اُتارا جائے۔

اسی طرح قمیص پہنتے وقت پہلے دایاں بازو اور بعد میں بایاں بازو، جب سر میں کنگھا کیا جائے تو سر کا دایاں حصہ پہلے اور بایاں حصہ بعد میں، جب گھر یا مسجد میں داخل ہوا جائے تو دایاں پاؤں پہلے اور بایاں بعد میں لیکن غسل خانہ میں داخل ہوتے وقت یا W.C. (طہارت خانہ) استعمال کرتے وقت بایاں پاؤں پہلے اور دایاں بعد میں اور جب غسل خانہ سے باہر آئے تو دایاں پاؤں پہلے اور بایاں پاؤں بعد میں، جب لباس، جوتا وغیرہ اُتارا جائے تو بایاں بازو یا بایاں پاؤں پہلے اور دایاں بازو یا دایاں پاؤں بعد میں اور یہ کہ جب کوئی چیز تقسیم کی جائے تو پہلے دائیں جانب والوں کو اور پھر بائیں جانب والوں کو دی جائے۔

﴿543﴾ ربِ کریم وعظیم کی بارگاہِ اقدس میں ہر عمل اور ہر فعل میں (چاہے وہ فطری وقدرتی عمل ہو یا ارادی عمل ہو) دعا کرنا اور مستقل طور پر دعا کرنا نیک عادات میں سے ہے حتیٰ کہ نماز کی تیاری کے وقت بھی دعا کی جاتی ہے۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر دعا مانگا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ دعائیں اسی کتاب کے پیراگراف 166 (ب) میں بیان کی گئی ہیں جبکہ مزید تفصیلی دعائیں متعلقہ ضخیم کتب میں موجود ہیں۔

خورد ونوش:

﴿544﴾ سؤر کا گوشت اور چربی (چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو) اور الکحل آمیز مشروبات ممنوع ہیں۔ ایک غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ قرآن پاک کے لفظ ''خمر'' کا بنیادی مفہوم وہ شراب ہے جو انگور کے رس سے تیار کی جاتی ہے تاہم داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پہلے ہی سے اس اصطلاح کا مفہوم ومطلب ہمہ قسم کے الکحلی مشروبات ہی تھا چاہے وہ کسی بھی میٹریل سے تیار کیے گئے ہوں۔ چنانچہ جب ''خمر'' کی آیت نازل ہوئی تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے تمام اقسام کے الکحلی مشروبات کے ذخیرہ کو ضائع کر دیا۔ انہوں نے محض انگوروں کے رس سے تیار کردہ شراب کو ضائع نہیں کیا۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ مدینہ منورہ میں کھجوروں سے خمیر زدہ مشروبات تیار کیے جاتے تھے۔ جہاں تک گوشت کا تعلق ہے تو مسلمان کسی بھی ایسے جانور یا پرندے کو استعمال نہیں کرسکتا جو شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ قرآن الحکیم میں ارشادِ رب العزت ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣﴾

(سورۃ المائدہ، آیت: 3)

ترجمہ ''تم پر مُردار اور لہو اور سؤر کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو گلا دبا کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ مارنے سے مر گیا ہو اور وہ جو کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو یہ سب گناہ ہیں۔ آج تمہارے دین سے کافر نا امید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے تاب ہو جائے لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

وہ حلال جانور اور پرندے جنھیں کسی غیر مسلم نے ذبح کیا ہو حرام ہیں تاہم صاحبانِ الہامی کتب (مثلاً عیسائی اور یہودی) اگر انہیں اپنے شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں تو وہ حلال ہیں۔

545 شرعی طور پر ذبح کرنے کے لئے بسم اللہ پڑھ کر گلا کاٹا جاتا ہے جس میں سانس کی نالی، خوراک اور خون کی دو رگیں شامل ہوتی ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کو نہیں کاٹا جاتا۔ سر اور کھال اس وقت اُتارے جاتے ہیں جب جانور مکمل طور پر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

546 سونے اور چاندی کی پلیٹیں اور کھانے کے برتن مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ ''سونے اور خالص ریشم کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز جبکہ عورتوں کے لئے جائز ہے'' تاہم اس میں چند مستثنیات ہیں۔ وہ یہ کہ فوجی لباس کے لئے ریشم کا استعمال ممنوع نہیں۔ دانتوں کی سرجری کے لئے بھی سونے کا استعمال جائز ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانت پر سونے کا غلاف تھا۔ معلّم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک صحابی ابن اسعد رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ سونے یا چاندی کی مصنوعی ناک پیوند کرا لے کیونکہ اس کی ناک ایک جنگ میں ضائع ہو چکی تھی۔

لباس اور زُلف آرائی:

547 جس طرح مسلمان مردوں کے لئے خالص قدرتی ریشم سے بنا ہوا کپڑا استعمال کرنا ممنوع ہے اسی طرح سرخ رنگ کا لباس پہننا بھی ممنوع ہے۔ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی اور مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت کی۔

548 مسلمان عورتوں کو ایسا لباس زیب تن کرنا چاہیے جو ان کے جسم کو مناسب و موزوں طور پر ڈھانپ سکے اور ایسا لباس پہننے سے پرہیز کرنا چاہیے جو اونچی چولی یا جمپر کی بناوٹ میں ہو یا جس سے گردن اور کندھے عریاں ہو جائیں یا ایسے شفاف کپڑے کا ہو کہ جس سے جسم کی عریانیت نمایاں ہو۔ عورتوں کو لباس اور زلف

آرائی میں مردوں سے مشابہت کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہیے اور ان تمام باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے جن سے زیبائی و رعنائی و دلربائی کا منفی عنصر و تاثر جھلکتا ہو۔ عورتیں جب نماز ادا کر رہی ہوں تو انہیں اپنے سروں کو ڈھانپ لینا چاہیے۔ عورتوں کو پتلون پہننے کی بھی اجازت ہے۔ ان کی عبائیں ترجیحاً ان کے ٹخنوں سے نیچے تک ہونا چاہئیں۔ (بحوالہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ)

نماز اور وضو:

549 شافع روزِ محشر حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ذی شان ہے کہ "صفائی نصف ایمان ہے" چنانچہ جب کوئی نماز کی ادائیگی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے پہلے اپنے بدن کو صاف کرنا ہوتا ہے۔ عام طور پر روزانہ کی نمازوں کے لئے سادہ وضو کیا جاتا ہے۔ غسل اور ترجیحاً پھوار (Shower) سے غسل کرنا چند اور مواقع کے لئے لازم ہے۔ ان میں میاں بیوی کے ازدواجی ملاپ کے بعد، مردوں کو خواب میں احتلام کے بعد جبکہ عورتوں کو ماہانہ حیض اور بچہ کی پیدائش کے بعد غسل لازم ہو جاتا ہے۔ نماز جمعۃ المبارک کے لئے بھی غسل کی پُرزور ہدایت کی گئی ہے۔

550 غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کیا جائے پھر کم از کم تین بار سر سے لے کر پاؤں تک مکمل جسم پر پانی ڈالا جائے۔ اگر پھوار کا (Shower) کا انتظام نہ ہو تو ٹب کے ذریعے بھی غسل کیا جا سکتا ہے۔ ٹب کے صاف پاکیزہ پانی کو جگ کے ذریعے سر اور شانوں پر ڈالا جاتا ہے اس طرح کہ ٹب خالی ہو جاتا ہے۔

551 وضو کا طریقہ کار یہ ہے کہ پاکیزگی و طہارت کی نیت سے سب سے پہلے بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر ہاتھوں کو کلائیوں تک دھویا جاتا ہے۔ منہ میں پانی ڈال کر کھنگالا جاتا ہے۔ پانی سے نتھنے صاف کیے جاتے ہیں۔ چہرے کو پیشانی سے ٹھوڑی تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک دھویا جاتا ہے۔ پہلے دائیں اور پھر بائیں بازو کو کہنیوں تک دھونے کے بعد گیلی انگلیوں کو سر اور کانوں کے سوراخوں میں پھیرا جاتا ہے۔ (بعض مکتبہ ہائے فقہ اس میں گردن کو بھی شامل کرتے ہیں) آخر میں پہلے دائیں اور پھر بائیں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جاتا ہے۔ ہر عمل تین بار کیا جاتا ہے۔ اگر پانی کی کمی ہو تو ایک بار ہی کافی ہے۔

552 اگر کسی بھی صورت قطعی طور پر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمّم (مٹی سے وضو) کی اجازت ہے۔ تیمّم کی ان مریضوں کو بھی اجازت ہے جو طبی بنیادوں پر پانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ تیمّم کے لئے طہارت و پاکیزگی کی نیت سے بسم اللہ پڑھ کر صاف مٹی پر ہاتھ لگا کر ہتھیلیاں چہرے پر پھیری جاتی ہیں۔ (صاف مٹی کی خاطر مکان کی دیوار بھی استعمال کی جا سکتی ہے) پھر دوبارہ ہاتھ مٹی پر لگا کر بائیں ہتھیلی کو دائیں بازو پر (کہنی سے کلائی تک) اور دائیں ہتھیلی کو بائیں بازو (کہنی سے کلائی تک) پھیرا جاتا ہے۔ یہ رب قادر و قدیر کے حضور عاجزی و انکساری کا علامتی اظہار ہے۔

553 ہر نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب پہلا وضو، نیند (سونے) سے، فطری و قدرتی طور پر گیس کے اخراج سے، جسم کے پرائیویٹ اور پوشیدہ حصوں سے کسی مادہ کے اخراج سے یا قے کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ عام طور پر W.C. (طہارت خانہ) میں پانی استعمال کرنا چاہیے محض کاغذ کا استعمال کافی نہیں۔

554 نماز کی ادائیگی کے لئے صاف لباس اور صاف جگہ کے ساتھ ساتھ قبلہ (کعبہ) کی سمت کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس حوالے سے قطب نما صحیح سمت کے تعین میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (موجودہ دور میں ایسے قبلہ نما بازار میں دستیاب ہیں جو ہر مقام پر کعبہ کی صحیح سمت بتاتے ہیں)

555 روزانہ کی پانچ نمازیں ہیں جن میں جمعۃ المبارک کے دن دوسری نماز (نمازِ ظہر) مذہبی اجتماع کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ دو سالانہ نمازیں ہیں ایک نماز عید الفطر اور دوسری نماز عید الاضحیٰ۔ تمام نمازیں ادائیگی کے طریقہ کے حوالے سے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں تاہم نماز جنازہ ان سے مختلف ہے جس کا ذکر ہم پیراگراف 569 میں کریں گے۔ نمازِ فجر کی دو رکعت، نمازِ ظہر و عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں جبکہ نمازِ مغرب کی تین رکعتیں ہوتی ہیں۔ نماز جمعۃ المبارک، نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ کی دو دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء کے بعد تین رکعتیں مزید ادا کرنے کی شدت کے ساتھ ہدایت کی ہے۔ انہیں ''وتر'' کہا جاتا ہے۔

555 (الف) روزانہ صرف پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسم کی عادت مبارکہ رہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز میں اضافی رکعتیں ادا کیں اور مسلمانوں کو ان کے ادا کرنے کی تاکید بھی کی۔ چنانچہ نمازِ فجر سے پہلے دو رکعتیں، نمازِ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعات اور بعد میں دو رکعات، نمازِ مغرب کے بعد دو رکعات پڑھنے کی پُر زور ہدایت و تاکید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر مسلمان جس قدر چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔ زیادہ عبادت، زیادہ ثواب و فضیلت، مزید برآں یہ کہ جب کوئی مسلمان کسی مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اسے دو رکعت بطور تحیات المسجد ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ فجر، ظہر اور مغرب کی اضافی رکعتوں کو سنتیں کہا جاتا ہے۔

556 نماز کی ادائیگی کا طریقہ وسلیقہ یہ ہے کہ نمازی ضروری وضو کرنے کے بعد پاک صاف جگہ پر قبلہ رُخ کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ہاتھ اپنے کانوں تک بلند کرتا ہے اور نیت باندھتا ہے کہ ''میں فلاں نماز کی رب تعالیٰ کی پرستش کی خاطر (2 یا 3 یا 4) رکعتوں کے ساتھ کعبہ کی جانب رُخ کر کے اس امام کی اقتداء (اگر نماز اجتماعی طور پر ادا کی جارہی ہو تو) میں ادائیگی کی نیت کرتا ہوں۔'' نیت کے بعد نمازی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ نیچے کر لیتا ہے۔ مالکی اور شیعی فقہ کے مطابق ہاتھ دونوں جانب رانوں کو چھوتے ہوئے ڈھیلے چھوڑے جاتے ہیں جبکہ تمام دوسرے مکتبہ ہائے فقہ والے ہاتھ سینے پر ایک دوسرے کو کراس کرتے ہوئے اس طرح رکھتے ہیں کہ بایاں

ہاتھ جسم کو چھو رہا ہوتا ہے جبکہ دایاں ہاتھ اس کے اوپر ہوتا ہے۔ اب نماز شروع ہو جاتی ہے۔ نمازی نہ تو کسی سے بات کر سکتا ہے اور نہ ہی ادھر اُدھر دیکھ سکتا ہے بلکہ اس کی نظریں صرف اور صرف اس جگہ پر مرکوز ہوتی ہیں جہاں اس نے سجدہ کے لئے پیشانی رکھنی ہوتی ہے۔ ہر حالت و حرکت (رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ) میں وہ اللہ اکبر کا اعلان کرتا ہے۔

557 نماز رب قادر وقدیر کی حمد وثناء سے شروع ہوتی ہے یعنی

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ

ترجمہ ''پاک ہے تیری ذات اے اللہ! اور حمد وثنا تیرے لئے ہے۔ برکت والا ہے تیرا نام اور بلند و بالا ہے تیری شان اور نہیں کوئی معبود تیرے سوا۔''

اس کے بعد قرآن الحکیم کی پہلی سورۃ الفاتحہ تعوذ و تسمیہ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور پھر کوئی اور سورۃ یا آیات پڑھی جاتی ہیں۔ نماز کا تمام متن مع قرآنی سورتیں یا آیات خاموشی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں البتہ فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے ساتھ ساتھ جمعۃ المبارک اور عیدوں کی نمازوں میں قرآنی حصے بہ آوازِ بلند تلاوت و قرأت کیے جاتے ہیں مگر یہ بلند آہنگ تلاوت و قرأت تنہا امام ہی کرتا ہے۔

558 قرآنی آیات کی تلاوت کے بعد نمازی گھٹنوں کو خم دیئے بغیر ان پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھک جاتا ہے۔ اس حالت میں وہ تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (پاک ہے میرا رب عظمت والا) کہتا ہے۔ اسے رکوع کہتے ہیں۔ پھر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (سن لی اللہ نے اس کی بات جس نے اس کی حمد وثناء کی۔ اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لئے ہے حمد) سے رکوع سے اُٹھنے کی حالت یا قومہ کہتے ہیں۔ اس دوران اس نے اپنے بازو اور ہاتھ دونوں جانب ڈھیلے لٹکائے ہوتے ہیں۔ بعد ازاں وہ پیشانی، ناک، گھٹنے اور ہتھیلیاں زمین پر ٹکا کر رب قادر وقدیر کو سجدہ کرتا ہے۔ سجدہ کی حالت میں وہ تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى (بے عیب ہے میرا رب، بلند و برتر) کہتا ہے۔ سجدے سے اُٹھ کر دائیں پاؤں کو بلند رکھتے ہوئے بائیں پاؤں پر اس طرح بیٹھتا ہے کہ بائیں پاؤں کی ایڑی کا رُخ آسمان کی جانب جبکہ انگلیوں کا رُخ باہر کی طرف زمین کے متوازی ہوتا ہے۔ اس حالت کو ''جلسہ'' کہتے ہیں۔ اس دوران وہ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ (اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما) کہتا ہے۔ پھر وہ دوسرا سجدہ بالکل انہی کلمات اور طریقہ و سلیقہ کے ساتھ کرتا ہے جیسا اس نے پہلا سجدہ کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ان تمام حرکات و سکنات یعنی تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) سے لے کر دو سجدوں تک کے عمل کو ایک رکعت کہتے ہیں۔

559 دوسری رکعت میں حمد وثنا نہیں پڑھی جاتی بلکہ دوسری رکعت شروع ہی سورۃ الفاتحہ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد کوئی اور سورۃ یا آیات پڑھی جاتی ہیں جو پہلی رکعت میں پڑھی جانے والی سورۃ اور آیات سے مختلف ہوں۔ باقی سارا عمل پہلی رکعت کی طرح ہی ہوتا ہے البتہ دو سجدوں کے بعد کھڑا ہونے کی بجائے نمازی ایسے

بیٹھ جاتا ہے جیسے جلسہ میں بیٹھتا ہے اس کی اس حالت کو ''قعدہ'' کہتے ہیں۔ اس دوران وہ تشہد اور مکمل درود ابراہیمی پڑھتا ہے۔ تشہد جن کلمات کو کہا جاتا ہے یہ ہیں۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ترجمہ ''ادب و تعظیم کے سب کلمات، اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام دعائیں وعبادات اور تمام پاکیزہ باتیں اور عمل بھی (اللہ ہی کے لئے ہیں) سلام ہو آپ پر اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ کی رحمت اور برکتیں بھی۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔''

560 نمازِ فجر، نماز جمعۃ المبارک اور دونوں عیدوں کی نمازیں دو دو رکعت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ تشہد اور مکمل درود ابراہیمی کے ساتھ دعائیں پڑھنے کے بعد نمازی نماز کے اختتام پر اپنے چہرے کو پہلے دائیں جانب اور پھر بائیں جانب پھیر کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ [سلام ہو تم پر (اے مسلمانو!) اور اللہ کی رحمت] کہتا ہے۔ سلام سے پہلے اور درود پاک کے بعد قرآن پاک کی یہ دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾

(سورۃ ابراہیم، آیات 40، 41)

ترجمہ ''اے میرے رب! بنا تو مجھ کو قائم رکھنے والا نماز کا اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے رب! اور قبول فرما میری دعا۔ اے ہمارے رب! بخش دیجیو مجھ کو اور میرے باپ کو اور سب ایمان والوں کو اس دن جب قائم ہو حساب۔''

نماز کی رکعات دو سے زائد ہونے کی صورت میں نمازی دوسری رکعت میں درود ابراہیمی اور دعائیں نہیں پڑھتا بلکہ صرف تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اگلی رکعت کے قیام پر صرف سورۃ الفاتحہ پڑھ کر رکوع، قومہ اور دو سجدے کرتا ہے۔ اگر نماز کی تین رکعتیں ہوں جیسا کہ شام (مغرب) کی نماز میں ہوتی ہیں تو پھر نمازی تیسری رکعت کے دو سجدوں کے بعد حالت قعدہ میں تشہد، درود ابراہیمی اور دعائیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر نماز کا اختتام کر لیتا ہے۔ اگر نماز کی چار رکعتیں ہوں جیسا کہ نمازِ ظہر، عصر اور عشاء میں ہوتی ہیں تو پھر نمازی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ یا قرآنی آیات پڑھتا ہے جبکہ اگلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ ہی پڑھتا ہے اور

چوتھی رکعت میں دو سجدوں کے بعد حالت قعدہ میں تشہد، درود ابراہیمی اور دعائیں پڑھنے کے بعد دائیں بائیں سلام پھیر کر نماز کا اختتام کرتا ہے۔

چند انفرادیات:

﴿561﴾ شافعی اور حنبلی مسلک وفقہ کے حامل افراد نمازِ فجر میں ایک دعا کا اضافہ کرتے ہیں جسے وہ دعائے قنوت کہتے ہیں۔ چنانچہ جب نمازی نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں پہنچتا ہے تو اس دعا کو پڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد سجدہ میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے مسالک وفقہ کے ماننے والے ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل محض عارضی و وقتی تھا۔

﴿562﴾ حنفی مسلک وفقہ کے لوگ بھی دعائے قنوت پڑھتے ہیں مگر وہ اس دعا کو نماز وتر میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ نمازی وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ یا آیات پڑھنے کے بعد دعائے قنوت پڑھ کر رکوع میں چلا جاتا ہے اور باقی نماز حسبِ معمول ادا کرتا ہے۔ تاہم اجتماعی نماز میں نمازی کو چاہیے کہ وہ امام کی پیروی کرے چاہے اس کا کوئی بھی مسلک ہو۔

﴿563﴾ کچھ مسالک سے منسلک افراد دو سے زائد رکعت کی نمازوں میں دوسری رکعت کی حالتِ قعدہ میں بھی درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جبکہ دوسرے صرف آخری رکعت میں درود ابراہیمی پڑھتے ہیں۔

فقہی اختلاف:

﴿563﴾ (الف) مسلمان تین بڑے گروہوں اور گروپوں میں منقسم ہیں جن کی کئی ذیلی شاخیں ہیں۔ ان بڑے گروہوں اور گروپوں میں سنی، شیعہ اور خارجی شامل ہیں۔ مذہبی عقائد اور دینی رسومات میں ان کے چند اختلافات ہیں۔ ان اختلافات کی تاریخ وتفصیلات بیان کرنے کا یہ مناسب وموزوں موقع نہیں تاہم کسی وسیع المشرب شہر میں جب کوئی فرد مختلف مسلک وفقہ کے حامل مسلمانوں کو ایک ہی عمل مختلف طریقے وسلیقے سے کرتا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھرتا ہے کہ یہ اختلاف کہاں سے آیا؟ عقائد کے اختلافات سے قطع نظر (جو کہ ہر فقہ کے سرکردہ فقہاء کے استخراج واستنباط کے باعث پیدا ہوتے ہیں) اگر دینی رسومات کے معاملات کو مدِنظر رکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کسی نے بھی کوئی اختراع وایجاد نہیں کی بلکہ سب کچھ معلّمِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سیدھا ہم تک پہنچا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال سے اخذ کیا گیا ہے۔

﴿563﴾ (ب) پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اپنے کسی فعل وعمل کا طریقہ تبدیل فرمادیتے تھے اور واضح طور پر اعلان بھی کردیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں سابقہ عمل منسوخ سمجھا

جائے مثلاً سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایسا کرتے تھے کہ رکوع میں اپنے ہاتھ اور بازو ڈھیلے انداز میں دائیں بائیں جانب لٹکا لیتے تھے۔ بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھنا شروع کر دیئے اور سابقہ عمل سے منع فرما دیا۔ کئی مواقع پر ہادیٔ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کوئی فعل و عمل تبدیل فرماتے تھے تو کچھ بھی ہدایت نہیں کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت و نبوت کے کئی نسلوں بعد بعض معاملات میں بحث شروع ہوگئی اور مختلف جید و متبحر علماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل و عمل کی روایت کو مختلف مطالب و مفاہیم دیئے۔

563 (ج) پس یہ واضح ہے کہ عملاً تمام اختلافات داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کسی فعل و عمل کے مختلف انداز کی وجہ سے پیدا ہوئے اور کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انہیں رد کر دے۔ زیادہ تر ایسا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی عمل کو مختلف انداز میں کرنے کا تاریخ وار جدول ترتیب نہیں دیا جا سکتا تاکہ پتہ چل سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کون سا انداز اختیار کیا اور پھر کون سا طریقہ اپنایا۔ یوں ہم یہ تعین نہیں کر سکتے کہ کس انداز کو بعد والا سمجھ کر پہلے والے کو منسوخ کر دیں۔ مثلاً اگر ایک شافعی کسی حنفی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کرنے سے انکار کر دیا جبکہ حنفی امام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ انداز اختیار کیا تھا جس سے شافعی فقہ و مسلک والے آگاہ و آشنا نہیں تھے۔ کس قدر شر عظیم ہے۔

563 (د) اسلامی ادب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لقب "حبیب اللہ" بھی ہے یعنی اللہ کا محبوب اور قرآن الحکیم واضح طور پر کہتا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

(سورۃ الاحزاب، آیت:21)

ترجمہ "البتہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔"

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ رب قادر و قدیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت میں یہ چاہا اور پسند کیا کہ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر غیر منسوخ شدہ عمل پر مسلمان عمل پیرا ہوں۔ ایک ہی عمل کو مختلف انداز سے کرنے میں اس حکمت کے سوا اور کوئی بات نہیں تھی کہ کچھ لوگ ایک انداز سے عمل کریں جبکہ کچھ دوسرے افراد وہی عمل دوسرے انداز سے کریں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ رب رحمٰن و رحیم کی مرضی و منشاء یہی ہے کہ مختلف مکتبہ ہائے مسلک و فقہ کے ذریعے داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ افعال و اعمال تا قیامت قائم و دائم رہیں۔ آیئے، باہمی عزت و وقعت اور باہمی رواداری کو فروغ دیں۔

نماز میں خلل:

564 اگر کوئی فرد دورانِ ادائیگی نماز کسی شخص سے بات کرتا ہے یا ہوا خارج کرتا ہے یا اونچی آواز میں ہنستا ہے یا کوئی چیز کھاتا پیتا ہے تو اس کی نماز منسوخ ہو جاتی ہے جس پر اسے نئے وضو کے ساتھ دوبارہ نماز ادا کرنا چاہیے تاہم اگر کوئی نمازی دورانِ نماز کوئی رکنِ نماز ادا کرنے سے بھول جاتا ہے اور اسے نماز کے دوران یاد آجاتا ہے کہ اس سے سہو ہو گیا ہے تو اسے نماز منسوخ کرنے کی بجائے جاری رکھنا چاہیے البتہ اسے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرنا ہوں گے۔ یوں اس کی نماز مکمل سمجھی جائے گی۔ ان بھول چوک کی تلافی کرنے والے ان نسیانی سجدوں میں اسے یا تو معمول کے مطابق سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا چاہیے۔ یا پھر وہ یہ بھی پڑھ سکتا ہے کہ سُبْحَانَ مَنْ لَا یَنَامُ وَلَا یَسْھُوْ (پاک ہے وہ (اللہ) جو نہ ہی سوتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے)

565 اگر کوئی فرد مسجد میں قدرے دیر سے پہنچتا ہے اور اجتماعی نماز (جماعت) میں شامل ہوتا ہے تو اسے نماز کے اس حصے بارے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ جو پہلے ہی ادا ہو چکا ہے بلکہ اسے امام کی پیروی کرنا چاہیے۔ اگر وہ ایک یا ایک سے زائد مکمل رکعتوں میں شامل نہیں ہو سکا تو امام کے سلام پھیرنے پر وہ سلام پھیرنے کی بجائے کھڑا ہو جائے گا اور جس قدر رکعتیں رہ گئی تھیں انہیں مکمل کرنے کے بعد سلام پھیر کر نماز ختم کرے گا۔ فرض کرو کہ نمازی نمازِ مغرب کی جماعت کی دوسری رکعت کے سجدے میں شامل ہوتا ہے تو اس کی امام کی اقتداء میں صرف ایک رکعت شمار ہو گی۔ پھر وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے گا اور بقایا دو رکعت ادا کرنے کے بعد اختتامی سلام پھیرے گا۔ اگر کوئی شخص حالتِ رکوع میں شامل جماعت ہوتا ہے تو اس کی وہ رکعت مکمل شمار کی جاتی ہے۔ اسے رکوع سے پہلے پڑھی گئی سورۃ یا قرآنی آیات بارے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اگر کوئی نمازی رکوع کے بعد شامل جماعت ہوتا ہے تو اس کی وہ رکعت شمار نہیں ہوتی چنانچہ اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت تمام ارکان کے ساتھ ادا کرنا ہوتی ہے۔

566 اگر کسی کو کسی جگہ پر کعبہ و قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو تو اسے اندازاً سمت کا تعین کر لینا چاہیے۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ رب وحدہٗ لاشریک کی ذات پاک ہر جگہ اور ہر مقام پر موجود ہے۔ نماز کی ادائیگی کے دوران نمازی پر لازم ہے کہ وہ وقار اور انہماک کا مظاہرہ کرے۔ وہ اس بات کو ضرور مدِنظر رکھے کہ اس نے اپنی پیشانی کا رُخ کس جانب رکھنا ہے۔ رکوع کے دوران وہ پیشانی کا رُخ اپنے پاؤں کے ناخنوں کی طرف رکھے جبکہ دورانِ سجدہ اپنی آنکھیں مکمل طور پر کھلی رکھے اور یہ کہ اسے کبھی بھی آسمان کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے اور نہ ہی دائیں بائیں نظر ڈالنی چاہیے۔ اسے اپنے قدم مستحکم رکھنا چاہئیں اور ایک ہی جگہ رکھنا چاہئیں۔

یہ بہت بُری عادت ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اور حالتِ قیام میں واپس آتے ہوئے نمازی آگے پیچھے ہوتا رہے۔

﴿567﴾ نماز کے بعد نمازی رب قادر وقدیر سے وہ کچھ مانگ سکتا ہے جس کی وہ خواہش دآرزو رکھتا ہے۔ بہترین دعائیں وہ ہیں جن کی قرآن پاک نے تعلیم دی ہے۔

﴿568﴾ چونکہ نماز کا تمام تر متن عربی زبان میں ہوتا ہے اس لئے نمازی کو چاہیے کہ وہ اسے زبانی یاد کر لے۔ خاص طور پر سورۃ الفاتحہ جو کہ نماز کا لازمی ترین جزو ہے۔

نماز جنازہ:

﴿569﴾ نماز جنازہ ادائیگی کے حوالے سے دوسری نمازوں سے مختلف ہے۔ نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے حسبِ معمول وضو کے بعد نیت کرتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک بلند کر کے اللہ اکبر کہہ کر آغاز کر دیا جاتا ہے۔ حمد وثنا، سورۃ الفاتحہ اور قرآن پاک کی کوئی اور سورۃ یا قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ (جیسا کہ دوسری تمام نمازوں میں کیا جاتا ہے) تاہم نہ تو رکوع کیا جاتا ہے اور نہ ہی سجدہ کیا جاتا ہے۔ درحقیقت تلاوت قرآن کے بعد اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور حالتِ قیام میں ہی رہا جاتا ہے۔ پھر درود پاک کے بعد رب العزت کی بارگاہ میں زندہ ومُردہ حاضر وغائب مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا والتجا کی جاتی ہے۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۝ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا بِرَحْمَتِکَ الْوَاسِعَۃِ ۝) پھر تیسری بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور خاص طور پر اس میت کے لئے دعا کی جاتی ہے جس کی نماز جنازہ پڑھی جارہی ہوتی ہے (اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِھٰذَا الْمَیِّتِ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝) پھر چوتھی بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور آخر میں سلام پھیر کر نماز کا اختتام کر دیا جاتا ہے۔

بیماری اور سفر:

﴿570﴾ اگر کوئی شخص اس قدر بیمار ہے کہ بستر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے تو وہ بیٹھے ہوئے یا لیٹے ہوئے بھی بہترین انداز میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ اگر وہ بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے سر کو اتنا جھکائے گا کہ وہ زمین سے نہیں چھوئے گا۔ اگر وہ لیٹ کر نماز ادا کر رہا ہے تو وہ صرف اپنے ذہن میں قیام، رکوع، سجود وغیرہ کی حالتوں کا تصور کر کے ہر حالت کے لئے مقررہ ومجوزہ متن ومواد پڑھے گا۔

﴿571﴾ داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منشاء ربی کے تحت یہ اجازت دی گئی ہے کہ مسافر چار رکعتوں کو مختصر کر کے دو رکعتیں ادا کر سکتا ہے اور اگر سفری حالات کی مجبوری کے باعث نماز کا وقت نہیں مل سکا تو وہ دو نمازیں یکجا ادا کر سکتا ہے۔ مثلاً ظہر اور عصر کی نمازیں وہ دوپہر اور سورج غروب

ہونے کے درمیانی عرصہ میں کسی بھی وقت پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں رات کے لمحات میں کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہیں۔

نمازوں کے اوقات:

572 عام طور پر نمازِ فجر پَو پھٹنے اور سورج طلوع ہونے کے درمیانی لمحاتِ سعادت آفریں میں ادا کی جاتی ہے۔ نمازِ ظہر کا وقت سورج کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد سے شروع ہو کر قدرے تین گھنٹے تک رہتا ہے۔ نمازِ عصر بعد از سہ پہر سے سورج غروب ہونے سے پہلے تک پڑھی جاسکتی ہے۔ نمازِ مغرب کا وقت سورج غروب ہونے کے فوراً بعد شروع ہو کر قدرے ڈیڑھ گھنٹہ تک رہتا ہے۔ نمازِ عشا جھٹپٹے کے اختتام سے لے کر پَو پھٹنے سے پہلے تک ادا کی جاسکتی ہے تاہم نصف شب سے پیشتر اس کی ادائیگی لائقِ ترجیح ہے۔

573 یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ نمازوں کے یہ اوقات خطِ استوا اور اس کے قریبی علاقوں کے ساتھ ساتھ خط سرطان اور خط جدی کے درمیانی علاقوں میں سہولت کے ساتھ قابلِ عمل ہیں مگر قطب شمالی اور قطب جنوبی میں کہ جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے یہ اوقات اس انداز میں قابلِ عمل نہیں ہیں کیونکہ ان اوقات کو سورج کے مطابق ترتیب و تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔

574 قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط

(سورۃ البقرہ، آیت: 286 پہلا حصہ)

ترجمہ ”اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔“

مزید یہ کہ:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

(سورۃ الم نشرح، آیات: 6،5)

ترجمہ ”پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“

رسولِ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کلامِ الٰہی کی تصدیق و توثیق کی بلکہ اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ ”سہولتیں اور آسانیاں پیدا کرو۔ مشکلات پیدا کر کے لوگوں کو اسلامی قوانین سے متنفر نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرو۔“ عمومی ہدایات کے ساتھ ساتھ معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دنوں کی غیر معمولی طوالت کے سوال کا بھی جواب دیا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور

دوسروں نے اس حدیث پاک کو بیان کیا ہے کہ ''جب دجال لوگوں کو گمراہ کرنے آئے گا تو وہ زمین پر 40 یوم تک رہے گا۔ان 40 ایام میں پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا۔ تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا جبکہ باقی ایام معمول کے دورانیہ کے ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان پر کھڑے ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس دن جو کہ سال کے برابر ہوگا صرف پانچ نمازیں پڑھنا کافی ہوگا؟ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وقت کے شمار کے حساب سے۔'' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث پاک کی روشنی میں مسلمان علماء کرام نے خلافِ معمول حالات میں سورج کی بجائے گھڑی کے اوقات کی پیروی کرنے کی ہدایت کی ہے۔

❋......❋

باب 16

نماز صرف عربی ہی میں کیوں؟

575 اس امر سے ہر مسلمان بخوبی آگاہ و آشنا ہے کہ نماز (صلوٰۃ) میں وہ صرف عربی زبان ہی استعمال کرتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی سورتیں اور آیات کے ساتھ ساتھ ایسے کلمات ادا کرتا ہے کہ جن میں وہ رب وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت وحقانیت اور اپنی عاجزی وانکساری کا برملا اقرار وا ظہار کرتا ہے۔ نماز میں عربی زبان کا استعمال صرف عربی باشندے ہی نہیں کرتے بلکہ غیر عربی بھی کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ بھی جو عربی کے ایک لفظ تک کے مفہوم و مطلب کو نہیں جانتے۔ یہی صورتِ حال داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھی اور یہی طریقہ و سلیقہ آج تک قائم ودائم ہے چاہے نمازی کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور چاہے اس کی کوئی بھی زبان ہو۔

576 پہلی نظر میں تو یہی بہتر وافضل اور قابلِ ترجیح ووقیع دکھائی دیتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے خالق و مالک سے اس انداز و نیاز سے مخاطب ہونا چاہیے کہ وہ خوب اچھی طرح جانتا ہو کہ وہ اپنے رب سے کیا کہہ رہا ہے۔ یقینی طور پر ہر شخص اپنا مافی الضمیر، اپنے دل ودماغ کی آواز اور اپنے مقصد ومطلب کو اپنی مادری زبان میں بہتر وبرتر اور زیادہ واضح طور پر بیان کرسکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر رب ذوالجلال کی پرستش وعبادت ان تمام زبانوں میں کی جائے گی جتنی زبانیں دنیا کے مسلمان بولتے ہیں لیکن اگر گہری اور عمیق نظر سے دیکھا جائے تو ہمیں ایسی ٹھوس وجوہات کا علم ہوتا ہے جو مختلف زبانوں کے استعمال کی حمایت نہیں کرتیں۔

577 سب سے پہلے مابعدالطبیعیاتی (الٰہیاتی) یا نفسیاتی پہلو کو لیتے ہیں۔ فرمانِ رب العزت ہے کہ:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ

(سورۃ الاحزاب، آیت: 6 پہلا حصہ)

ترجمہ "نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کے معاملہ میں ان میں سے بھی زیادہ دخل دینے کا حقدار ہے اور اس کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں۔"

یوں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما مسلمانوں کی مائیں ہیں جبکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام معزز و محترم ومکرم خواتین عربی بولتی تھیں لہٰذا تمام مسلمانوں کی مادری زبان عربی ہوئی۔ کون اس بات پر اعتراض کرسکتا ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں عبادت و پرستش نہ کرے؟

578 شاید یہ دلیل واستدلال ہر شخص کو قائل کرنے کے لئے کافی نہ ہو چنانچہ ہم اپنے مطالعہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی اعتقاد وایمان کے مطابق قرآن پاک، اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے جس کی

تلاوت کو قرآن الحکیم نے فضیلت و افضلیت کا حامل قرار دیا ہے۔ روحانی نقطۂ نظر سے یہ امر واضح اور غیر مبہم ہے کہ مومن اپنے خالق و مالک سے رابطہ خالق و مالک کے کلام پاک کے ذریعے کرتا ہے۔ خالق و مالک سے ملاقات کا راستہ و واسطہ کلام الٰہی ہی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح بجلی کا تار بجلی کے کرنٹ کو ترسیل کرتا ہے تو بلب روشن و منور ہو جاتا ہے۔ خدا کی جانب سفر ہی دراصل ہر روح کی جستجو و آرزو اور آخری و حتمی مقصد و محور ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اصل کلام الٰہی عربی زبان ہی میں نازل ہوا۔ چنانچہ اس کا کسی بھی زبان میں ترجمہ انسانی فعل و عمل ہوگا اور یوں وہ انسانی الفاظ پر مشتمل ہوگا۔ نتیجتاً وہ بمشکل ہی روحانی و مابعد الطبیعیاتی سفر کا مقصد پورا کر سکے گا۔

(579) ان افراد کے لئے جو زیادہ ٹھوس اور زمینی حقائق پر مبنی وجوہات و دلائل کے متلاشی ہوں ان کے لئے اتنا عرض ہے کہ آیئے سب سے پہلے نماز کے دونوں مفاہیم میں واضح امتیاز کر لیں۔ ایک یہ کہ نماز کا مطلب عاجزی و انکساری کے ساتھ التجا (دعا) ہے۔ دوسرا یہ کہ رب وحدہٗ لاشریک کی پرستش و عبادت (صلوٰۃ) ہے۔ جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو کبھی بھی کسی نے کسی شخص کی اس آزادی پر ہلکا سا اعتراض نہیں کیا کہ کوئی فرد اپنے خالق و مالک سے اپنی ضروریات، اپنی خواہشات، اپنی التجائیں، اپنی تمنائیں ہر اس زبان میں اور ہر اس انداز و نیاز اور طور و طریقہ سے بیان کر سکتا ہے کہ جسے وہ مناسب و موزوں سمجھتے ہوئے ترجیحاً اختیار کرتا ہے۔ یہ خالصتاً ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس کا تعلق بندے اور مالک، مخلوق اور خالق کے باہمی تعلقات سے ہے۔ اس کے برعکس صلوٰۃ ایک اجتماعی اور پبلک معاملہ ہے جہاں اجتماع (جماعت) کے دوسرے ساتھیوں کی حاجات و ضروریات کا واضح طور پر خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اصولی طور پر اور ترجیحاً صلوٰۃ کی ادائیگی مشترکہ (جماعت) طور پر کی جاتی ہے۔ اکیلے اور انفرادی طور پر پڑھی گئی صلوٰۃ کو رواداری کے جذبہ کے تحت قبول کیا جاتا ہے تاہم کبھی بھی اس کی سفارش یا ہدایت نہیں کی جاتی۔ آیئے اب ہم اس اجتماعی اور عوامی عمل (صلوٰۃ) کے مختلف پہلوؤں کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔

(580) اگر دین اسلام علاقائی، نسلی یا قومی مذہب ہوتا تو یقینی طور پر متعلقہ علاقائی، نسلی یا قومی زبان استعمال کی جاتی۔ لیکن عالمی و کائناتی مذہب ہونے کی بناء پر اس کی قطعی مختلف ضروریات ہیں۔ اس کے پیروکار سینکڑوں علاقائی زبانیں بولتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کے تمام علاقوں، نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں سے ایک علاقہ یا نسل یا قوم سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد دوسرے تمام علاقوں یا نسلوں یا قوموں کی زبانوں سے ناواقف و نا آشنا ہوتا ہے۔ آج کل ہماری زندگی زیادہ سے زیادہ کازموپولیٹن (Cosmopolitan)، جہاں گشت اور وسیع المشرب ہوتی جا رہی ہے اور عملی طور پر ہر علاقے میں کئی لسانی گروہوں اور گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد مستقل سکونت پذیر ہوتے ہیں مزید یہ کہ مہمانداری اور اخوت و محبت کے جذبہ کے تحت ان افراد کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے جو اجنبی اور مسافر کے طور پر متعلقہ علاقے میں وقتی طور پر داخل ہوتے ہیں مگر اس علاقے سے مختلف زبانوں کے حامل ہوتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ انگلینڈ کا ایک رہائشی مسلمان چین جاتا ہے مگر چینی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا اور فرض کریں کہ وہ وہاں کسی گلی سے گزرتے ہوئے ''چنگ، چینگ، چنگ''

(Ching, Chang, Chung) کے چینی الفاظ سنتا ہے تو وہ کسی بھی صورت یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر چین کے اس علاقہ میں چینی زبان میں ترجمہ کر کے اذان دی جا رہی ہے تو وہ اسے مطلقاً نہیں سمجھ پائے گا اور یوں اس وقت کی جمعۃ المبارک کی نماز کی ادائیگی سے رہ جائے گا کیونکہ چین کی مساجد تعمیری بناوٹ کے حوالے سے انگلینڈ، فرانس یا دوسرے ممالک وعلاقوں سے عمومی طور پر مشابہت نہیں رکھتیں اور یہ کہ عام طور پر ان کے مینار تک نہیں ہوتے۔ اسی طرح ایک چینی مسلمان دوسرے ممالک کے سفر کے دوران اپنے ہم مذہب مسلمان افراد اور اپنے مابین کوئی بھی چیز مشترک نہیں پائے گا اگر وہاں کے افراد نماز کی ادائیگی اپنی زبانوں میں کریں۔ چنانچہ ایک عالمی و کائناتی مذہب ہونے کی بناء پر اسلام تمام مومنین کے لئے چند بنیادی مشترک باتوں کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اذان اور نماز کے دوران پڑھے جانے والے کلمات ہی واضح طور پر بنیادی مشترک عناصر ہیں۔ برسبیل تذکرہ اس حقیقت کو بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ بعض دو مختلف زبانوں کے الفاظ کی اگرچہ ایک جیسی آواز ہوتی ہے لیکن ان کا مفہوم ومطلب اور اہمیت وفوقیت یکسر مختلف ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک زبان کا سنجیدہ و بے ضرر لفظ دوسری زبان میں مزاحیہ، ناشائستہ اور اخلاق سے گرا ہوا مفہوم ومطلب دیتا ہے۔ اس بات کا خدشہ وخطرہ ان زبانوں میں قوی تر ہو جاتا ہے جن سے کوئی فرد یکسر نابلد اور ناواقف ہوتا ہے اور انہیں صرف سفر کے دوران ہی سنتا ہے ایسا ہونا نماز کے تقدس و وقار کے منافی ہوگا۔ وہ باتیں جن سے کوئی فرد بچپن ہی سے واقف وآشنا ہو تو پھر ایسی پیچیدگیاں جنم نہیں لیتیں چاہے وہ غیر عربی ہو کر عربی زبان میں عبادت و پرستش کرے۔

581 غیر ملکیوں سے ناپسندیدگی کے باعث بعض اوقات چھوٹی چھوٹی مخالفتوں اور مخاصمتوں کے انسانی نفسیاتی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نماز کی ادائیگی اگر عربی سے دوسری زبانوں کے ترجمہ میں کی جائے تو روزانہ قومی یا حتیٰ کہ انفرادی وذاتی اختلافات جنم لیں گے۔ مثلاً یہ کہ انگلینڈ کا رہائشی انگریزی بولنے والا مسلمان فرانسیسی یا روسی یا کسی اور زبان میں ادا ہونے والی صلوٰۃ میں شرکت وشمولیت نہیں کرے گا۔ قرآن وحدیث کی زبان ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان، عربی زبان کی عزت وتعظیم کرتا ہے اور وہ اسے محض عربوں کی زبان نہیں سمجھتا بلکہ اسے مومنین کی ماؤں کی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ زبان سمجھتا ہے جسے رب قادر وقدیر نے اپنا آخری کلام اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کرنے کے لئے منتخب کیا۔

582 ہم مذہب افراد (مسلمانوں) کے مابین اتحاد واتفاق اور محبت ویگانگت کی ضرورت پر کبھی بھی زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ باہمی اخوت والفت کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے نئے رابطے و رشتے استوار کرے۔ بجائے اس کے کہ جو رابطے ورشتے پہلے سے قائم ہیں ان کو ختم کرے۔

583 بین الاقوامی کانفرنسوں کی مثال بھی دی جا سکتی ہے۔ مثلاً جب کوئی فرد اقوام متحدہ کی تنظیم کے اجلاس میں شرکت کرتا ہے تو وہ اپنا من پسند ذریعۂ اظہار منتخب نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اجلاس کے مقاصد کے برعکس ہوگا اور دوسرے افراد اس اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے تاہم اتنی سہولت ضرور دی جاتی ہے

کہ وہ اپنا ترجمان مقرر کرے یا اس کی تقریر عالمی تسلیم شدہ زبانوں انگریزی یا فرانسیسی میں انتظامیہ کی جانب سے ترجمہ کی جائے اور یہ کہ کوئی شریکِ مجلس اس پر اعتراض نہ کرے۔ عوامی مفاد میں ذاتی مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

584 اس موضوع کا ایک اور پہلو بھی ہے جو کم اہم نہیں ہے۔ درحقیقت کوئی بھی ترجمہ کسی بھی صورت اصل کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آج کل قرآن پاک کے انگریزی میں کئی تراجم موجود ہیں (بلکہ دنیا کی ہر زبان میں موجود ہیں) اس کے باوجود ایک اور ترجمہ کی نئی اور نہ رکنے والی کوششیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ محض اس سوچ کے تحت ہوتا ہے کہ پچھلے تراجم میں کسی نہ کسی حوالے سے کوئی نہ کوئی خامی یا کمی رہ گئی تھی۔ یہ بات نہ صرف انگریزی تراجم کے حوالے سے درست ہے بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کے تراجم کے حوالے سے بھی صحیح ہے۔ یہ بات نہ صرف قرآن مجید کے تراجم کے باب میں مبنی بر حقیقت ہے بلکہ کسی بھی تحریر و کلام کے ترجمہ بارے ٹھوس سچائی ہے۔ کیا کسی فرد کو ناقص شے استعمال کرنی چاہیے یا نقائص سے پاک کامل و اکمل چیز کو ترجیح دینی چاہیے..... ترجمہ یا اصل؟

585 اس ضمن میں آیئے اس حقیقت کو یاد کریں کہ لحۂ موجود میں ماسوائے اسلام عملی طور پر کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جو ثابت و سالم اصل حالت میں صرف اور صرف انہی کلمات و آیات کا حامل ہو جو اس کے بانی پر نازل ہوئی تھیں۔ وہ تراجم ہیں یا بہترین اقتباسات ہیں جنہیں عیسائی، یہودی، پارسی اور دوسری قومیتیں حسبِ مرضی و منشاء استعمال کرتے ہیں۔ کس قدر خوش بخت و خوش قسمت ہیں مسلمان کہ جن کے پاس صحیح، اصل اور ثابت و سالم شکل میں نازل شدہ مواد و متن..... قرآن مجید، فرقان حمید موجود ہے!

586 مزید یہ کہ قرآن مجید اگرچہ نثر میں ہے لیکن شاعری کی تمام تر خوبیوں اور رعنائی و دلکشی سے مزین و منور ہے جس میں وزن، تناسب، بحر، گونج، بازگشت اور پُرشکوہ اسلوب وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں حتیٰ کہ محض ایک حرف کے اضافے یا تفریق سے متن اسی طرح مجروح ہو جاتا ہے جس طرح کسی مصرع کا تانا بانا بکھر جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک نومسلم فرانسیسی باشندے سے ملاقات کا موقع ملا جو کہ پیشہ کے اعتبار سے موسیقار ہے۔ اس نے مجھے وثوق سے کہا کہ قرآن پاک کی سورۃ النصر کی آیت 2 کے آخری حصے اور 3 کے پہلے لفظ (فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا o فَسَبِّحْ) کے درمیان سے کوئی حرف یا حصہ رہ گیا ہے کیونکہ قرآن پاک میں جو غنائیت ہے اس حوالے سے یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس مقام پر بھی یہ عنصر نہ ہو۔ قرآن کی قرأت کا ناکافی علم اس وقت میرے کام آیا اور میں نے اسے بتایا کہ دراصل اس کا تلفظ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ کی بجائے اَفْوَاجَنْ فَسَبِّحْ ہے جس میں 'ن' اور 'ف' آپس میں اکٹھے اس طرح آواز دے رہے ہیں کہ 'ن' کے بعد 'ف' کی ادائیگی سے پہلے ہلکی سی 'ؤ' کی آواز ہے۔ میری اس وضاحت پر میرا وہ اسلامی بھائی اور موسیقار بے اختیار پکار اٹھا کہ ''میں اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔ آپ کی وضاحت سے اب فن موسیقی کے نقطہ نظر سے کوئی بھی چیز قابل اعتراض نہیں رہ گئی اور اب کوئی بھی ٹکڑا یا اقتباس اس سورۃ میں کم نظر نہیں آتا۔'' قرآن الحکیم کی نثر اس طرح جچی تلی اور متوازن و متناسب

ہے جس طرح نظم کی لائنیں ہوں۔ اور اس اظہر من الشمس حقیقت کے تناظر میں کون چاہے گا کہ کامل و اکمل اور شاندار و عالیشان کلام (قرآن) کی بجائے مقابلتاً معمولی اور اوسط درجہ کی چیز (ترجمہ) کا انتخاب کیا جائے؟

587 اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے کہ تمام صلوٰۃ میں محض چند قرآنی اقتباسات ہی تلاوت کرنا ہوتے ہیں۔ پہلے اذان اور پھر اقامہ اور اگر دو رکعت کی نماز ہو تو اللہ اکبر، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ، ثناء، سورۃ الفاتحہ، دو دوسری چھوٹی سورتیں، تشہد اور درود ابراہیمی اور اختتامی سلام پر نماز ختم ہو جاتی ہے اور تمام تر کلمات و آیات ایک چھوٹے سائز کے ایک صفحہ سے زیادہ کے نہیں ہوتے۔ ان کے اکثر و بیشتر الفاظ کا مفہوم و مطلب عام مسلمان بہتر طور پر جانتے ہیں اور یہ مسلمان ممالک کی تمام زبانوں میں سرایت کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بچہ بھی ان کے معانی بغیر کسی پریشانی کے آسانی کے ساتھ یاد کر سکتا ہے اور جب ان کلمات کی اہمیت اور مفہوم و مطلب یاد ہو جاتا ہے تو ایک مسلمان کے لئے صلوٰۃ ایک مشینی و مکینیکل تلاوت نہیں رہتی کہ جسے بغیر سوچ بوجھ کے ادا کیا جائے۔

588 میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی بھی مسلمان ترجمہ کو وہ اہمیت و وقعت اور عزت و فضیلت نہیں دے گا جو وہ اصل کلامِ الٰہی کو دیتا ہے جو کہ رب ذوالجلال نے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا کیونکہ ترجمہ بہرحال ایک عام انسان ہی کرے گا جو کہ معصوم اور غلطیوں سے مبرا نہیں ہوگا اور اسے رب قدیر کی جانب سے غلطی کا ارتکاب نہ کرنے کی نعمت بھی ودیعت نہیں ہوگی جیسا کہ معلمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت کی گئی تھی۔

589 ایک روز ایک نوجوان طالب علم اس بات کی اہمیت پر ازحد مصر اور بضد رہا کہ نماز میں جو کچھ نمازی منہ سے ادا کرتا ہے اسے اس کا مفہوم و مطلب اچھی طرح آنا چاہیے۔ جب اسے قائل کرنے کے تمام دلائل ناکام نظر آئے تو میں نے اس سے کہا کہ ''اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ پانچوں نمازیں انتہائی باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ اپنی مادری زبان میں ادا کریں گے تو میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں۔'' اس کے بعد اس نے بحث ختم کر دی اور پھر اس پر بات کرنے کے لئے کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقیدہ کو علاقائی حدوں تک محدود کرنے پر زور دیتے ہیں ان کی اکثریت ان افراد پر مشتمل ہے جو خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک مومن و مسلمان کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ان کے ساتھ بحث کرے یا مشورہ دے جو نہ تو اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔

590 آخر میں ان لکھاریوں کا حوالہ دیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی ادائیگی میں کلامِ الٰہی کا ترجمہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ آدھا سچ ہے۔ ایسے لکھاری یہ حقیقت نہیں بتاتے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ پہلے اس بات کا اختیار دیا تھا لیکن بعدازاں اسے تبدیل کر دیا تھا (بحوالہ ''ہدایہ'' المرغنانی، ''الدرالمختار'' الحصکفی) اور یہ کہ انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ عام حالات میں

نماز کی ادائیگی میں صرف عربی متن ہی پڑھا جائے۔ یقینی طور پر استثنائی حالات میں رعایات دی جاتی ہیں جیسا کہ ایک نو مسلم کو مشرف بہ اسلام ہونے کے فوراً بعد روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنا ہوتی ہیں اور یوں اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ نماز میں استعمال ہونے والے کلمات و آیات کو زبانی یاد کرے مگر اس کے لئے فوری طور پر ایسا کرنا مشکل و ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ صرف اس عرصہ کے دوران کہ جس میں وہ عربی متن یاد کر رہا ہوتا ہے اسے یہ سہولت دی جاتی ہے کہ وہ جس زبان کے ترجمہ میں چاہے نماز ادا کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں ہمارے پاس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اعلیٰ و ارفع مثال موجود ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعیِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے چند ایرانی نو مسلموں کو سورۃ الفاتحہ کا فارسی زبان میں ترجمہ بھیجا تھا جو نو مسلم افراد نے اس وقت تک استعمال کیا تھا جب تک انہوں نے عربی متن یاد نہیں کر لیا تھا (بحوالہ "النہایہ حاشیات الہدایہ" تاج الشریعہ) چنانچہ مشرف بہ اسلام یعنی دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے بالکل نئے افراد وقتی طور پر چند گھنٹوں یا چند دنوں کے لئے ضرورت کے مطابق ترجمہ استعمال کر سکتے ہیں۔

(591) نماز میں عربی کے علاوہ دوسری کوئی غیر ملکی زبان استعمال کرنے کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ یہی صورتِ حال عالمی و کائناتی مذہب اسلام کے پیروکاروں کی اپنی مادری زبان استعمال کرنے کی ہے۔ یہ نمازی پر منحصر ہے کہ وہ نقصانات کے مقابلے میں فوائد کو ترجیح دیتا ہے یا بے وزن ترجیحات پیش کرتا ہے!!

خالصتاً قمری کیلنڈر ہی کیوں؟:

(592) یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ مذہبی مقاصد کے لئے اسلام خالصتاً قمری کیلنڈر استعمال کرتا ہے۔ جس میں روزوں کا مہینہ رمضان المبارک، حج بیت اللہ کا مہینہ ذوالحجہ موسموں کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ قبل از اسلام عربوں میں یہ رواج و روایت تھی کہ وہ کیلنڈر میں مہینوں کا تقدم و تاخر کر لیتے تھے۔ یہ داعیِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے اس رواج و روایت کا خاتمہ کیا۔ اپنے وصال سے محض تین ماہ پیشتر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رب قادر و قدیر کا کلام وصول فرمایا جس میں مہینوں کے تقدم و تاخر کی مذمت کی گئی تھی۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

(سورۃ التوبہ، آیت: 37)

ترجمہ "(حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو کفر میں اور اضافہ کرنا ہے۔ گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام

کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال تا کہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تا کہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے۔ ان کے بُرے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

[دراصل کفار کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپس میں جنگ آزما ہوتے اور اسی دوران ماہِ محرم آجاتا تو اسے کیلنڈر سے ہٹا دیتے اور کہتے کہ اس سال ماہِ صفر پہلے آ گیا ہے اور اس بہانے سے ماہِ محرم میں بھی جنگ جاری رکھتے تھے۔ (مترجم)]

اس اسلامی اصلاح کے کئی فوائد ہیں جن میں سے تین کی وضاحت ضروری ہے۔

593 جہاں تک روزوں کا تعلق ہے اسلامی کیلنڈر بہت مفید ہے کیونکہ اس کے باعث اس بات کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ روزہ دار ہر موسم کی اشیائے خورد و نوش سے لطف اندوز ہو سکتا ہے (کیونکہ ماہ رمضان المبارک کبھی ایک موسم میں آتا ہے تو کبھی دوسرے میں آتا ہے)۔ یوں نہ تو ہمیشہ پریشانی رہتی ہے اور نہ ہی ہمیشہ آسانی رہتی ہے۔

594 اسلام پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ مختلف علاقوں کی مختلف آب و ہوا اور موسموں کو بھی زیرِ غور لایا جانا چاہیے۔ اگر رمضان المبارک شمسی کیلنڈر کے مطابق کسی مستقل مہینہ یعنی ایک ہی موسم کے لئے مختص و متعین کر دیا جاتا تو یہ طبعی و قدرتی طور پر ناممکن ہو جاتا۔ درحقیقت شمالی نصف کرّے (وہ علاقے جو خطِ استواء کے شمالی جانب واقع ہیں) کا موسم گرما جنوبی نصف کرّے (وہ علاقے جو خطِ استواء کے جنوبی جانب واقع ہیں) کے موسم سرما کے ساتھ ساتھ آتا ہے۔ یوں ایک کرّے کے لئے جو موسم خوشگوار ہوتا ہے وہ دوسرے کرّے کے لئے ناخوشگوار ہوتا ہے۔ اگر قمری کیلنڈر اختیار کیا جائے تو مسلمان روزہ داروں کے لئے یہ امتیاز و تفریق ختم ہو جاتی ہے اور وہ باری باری ہر موسم کا مزہ چکھتے ہیں۔

595 اسلامی قمری کیلنڈر اختیار کرنے سے زکوٰۃ کی وصولی میں غیر محسوس انداز میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ 33 شمسی سال 34 قمری سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یوں زکوٰۃ ادا کرنے والا ہر شخص 33 شمسی سالوں میں 34 بار سالانہ ٹیکس (زکوٰۃ) کی ادائیگی کرے گا۔ اس طرح حکومتِ وقت کو قمری کیلنڈر کے مطابق ملازمین کو تنخواہیں ادا کرنے کے باوجود معقول بچت ہوگی جسے قومی تعمیر کے کاموں اور بالخصوص غرباء کی فلاح کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حرفِ آخر:

596 ہم دعا گو ہیں کہ ہماری یہ عاجزانہ کوشش داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام و نظام کو روشن و منور کرنے کا مقصد پورا کرے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ضخیم اور مخصوص کتب، علماء و فضلاء اور اعلیٰ و ارفع تعلیمی اداروں [مثلاً الازہر (مصر)، زیتون (تیونس)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی (پاکستان) وغیرہ] سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

❀......❀

Stockest Englend

Azhar Enterprises

315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tell, 0044 (0) 161 224 6331